کلیاتِ
سرور جہاں آبادی

سرور جہاں آبادی کے دو شعری مجموعوں پر مشتمل

(جامِ سرور اور خمخانۂ سرور)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

کلیاتِ
سرور جہاں آبادی

سرور جہاں آبادی کے دو شعری مجموعوں پر مشتمل

(جامِ سرور اور خمخانۂ سرور)

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

کلیات سرور جہاں آبادی

سرور جہاں آبادی کے دو شعری مجموعوں پر مشتمل

(جامِ سرور اور خمخانۂ سرور)

مرتب

کلدیپ گوہر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

©قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	2012
تعداد	:	550
قیمت	:	-/108روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1585

Klliyat-e-Suroor Jahanabadi

Edited by

Kuldeep Gohar

ISBN :978-81-7587-772-6

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی110025، فون نمبر: 49539000، فیکس:49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر:26109746 فیکس:26108159

ای۔میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in

طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی-110006

اس کتاب کی چھپائی میں70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم وفنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے زیر نظر کتاب **کلیات سرور جہاں آبادی** اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تا کہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

ڈائرکٹر

فہرست

نمبر شمار		صفحہ
	دیباچہ جام سرور از منشی نوبت رائے نظر	XIII
	حالات مصنف	XXVII
	دیباچہ خمخانہ سرور	XXXIII
	عرض مرتب	XXXVII
1	بندے ماترم	1
2	لکشمی جی	1
3	گنگا جی	2
4	شفق شام	3
5	نیر بھوئی	3
6	نوحہ شمس العلما پروفیسر آزاد	4
7	سیتا جی کی گریہ وزاری	5
8	جلوۂ امید	6

9	ترانۂ وحدت	6
10	زمزمۂ توحید	8
11	لکشمی جی	10
12	دیوار کہن	15
13	خاک وطن	24
14	عروس حب وطن	28
15	کوئل	30
16	شفق شام	32
17	حسرت شباب	34
18	مرغابی	37
19	پدمنی	39
20	دمن اور ہنس	41
21	شمع انجمن	45
22	مادر ہند	47
23	اندوہ غربت	48
24	مرغان قفس (تضمین)	50
25	یاد طفلی	51
26	مقدم برشگال	53
27	فلک اخضری ہے جام میرا	56
28	گل و بلبل کا فسانہ	58

29	سیتا کی گریہ وزاری	62
30	زن خوش خو	65
31	جمنا	70
32	بچہ اور ہلال	81
33	ترانۂ خواب	82
34	نیا سال اور نئی امیدیں	84
35	مطالعۂ کتب	86
36	کارزارِ ہستی	89
37	ادائے شرم	91
38	یادِ وطن	93
39	شمع و پروانہ	95
40	کلیجے کا داغ	97
41	مہاراجہ دسرتھ کی بے قراری	100
42	نابینا پھول والی کا گیت	103
43	امید اور طفلی	107
44	بچپن کی یاد	111
45	ایک حسینہ اور جگنو	113
46	جگنو کا سوز	115
47	پدمنی کی چتا	117
48	بے ثباتی دنیا	120

49	فراق گل میں دمن کی بے قراری	124
50	گنگا جی	128
51	نوحہ وفات سوامی رام تیرتھ جی مہاراج	131
52	پریاگ کا سنگم	138
53	صوفیانہ رنگ کے پردے	143
54	تضمین برغزل حضرت بیان یزدانی (مرحوم)	146
55	حسرتِ دیدار	148
56	شیون عروس	153
57	عنفوان شباب دلی کی گزشتہ خود پرستیوں کی حسرت آلود یاد	160
58	داغ کے پھول	165
59	شیون داغ	169
60	سال گزشتہ	171
61	اجڑی ہوئی دلہن	175
62	حسرت وطن	178
63	نوحہ نواب محسن الملک مرحوم	180
64	ماتم آرزو	182
65	دل بے قرار سوجا	185
66	مرغ وصیاد	185
67	لالۂ صحرا	191
68	نوحۂ وفات شمس العلما مولانا آزاد مرحوم	193

69	گل خزاں دیدہ	195
70	نوحۂ وفات شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم	198
71	نسیم سحر	200
72	رویائے اکبر	202
73	سوز بیوگی	205
74	بھنورے کی بےقراری	209
75	فریاد آدم	210
76	نوروز	213
77	سارس کا جوڑا	215
78	بلبل اور میں	217
79	آنے والی گھڑی	219
80	موسم گرما کا آخری گلاب	224
81	خاتمۂ ہستی	226
82	وید مقدس کی روشنی	229
83	ترانۂ وحدت	231
84	بیر بہوٹی	235
85	سودائے عشق	237
86	ستی	238
87	ماریامین	241
88	نور جہاں کا مزار	244

89	نیچرل شاعری	260
90	بے ثباتی زمانہ	268
91	مبارک باد عید	277
92	رباعیات (سال نو)	278
93	غیر مطبوعہ کلام (انگریزی نظم کا ترجمہ)	283
94	رباعیات	284
95	غزل	285
96	متفرق اشعار	289
97	فریاد بیوہ	291
98	بے ثباتی دنیا	293
99	وصف زبان	296
100	بلبل و پروانہ	300
102	حسرت بھری صدا	301
103	شکوۂ صیاد	303
104	نیرنگ زمانہ	306
105	قید ہستی	309
106	نوحہ منشی بالمکند گپتا (ایڈیٹر بھارت متر کلکتہ)	312
107	روٹھی رانی	327
108	چتوڑ کی گزشتہ عظمت	328
109	معرکۂ عشق	330

110	شہر آشوب	335
111	بدنصیب بنگال	346
112	نرم گرم فریق	349
113	ایک غریب الوطن محب قوم	350
114	فنافی الملک لالہ لاجپت رائے	352
115	نیرنگ زمانہ	354
116	قومی نوحہ	358
117	جلوۂ امید	360
118	پھولوں کا کنج	364
119	قطع تاریخ مخاطبہ سرور نتیجہ گرامی جناب منشی صاحب اعجاز لکھنوی	366
120	فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال	367

دیباچہ

''جام سرور''

شعروسخن سے لذت آشنا طبائع کے لیے کسی خوش گوشاعر کا کلام خوان نعمت سے کم نہیں جن مختلف ذائقوں کے دلکش طعام اس خوان پر چنے ہوئے ملیں گے کسی شاہی دسترخوان پر بھی نظر نہ آئیں گے۔ کیونکہ لطیف سی لطیف غذائیں بھی صرف زبان کے چٹخارے تک محدود ہیں۔ برخلاف اس کے شاعری غذا روحانی ہے جو انسان کے باطنی احساسات کو بیدار کرتی ہے اور روح کو وہ لذت وسرور بخشتی ہے جس کی تصریح الفاظ کے احاطے سے باہر ہے۔ لارڈ میکالے کا قول ہے کہ ''انسان کا بطون صرف شاعری ہی کی قلم رو ہے۔'' اس چھوٹے سے جملے میں شاعری کا بہت بڑا فلسفہ مستور ہے۔

انسان کا بطون کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہے بلکہ وہ ایک وسیع دنیا سے بھی بڑا ہے اور بعض حالتوں میں دنیا و مافیہا کی وسعت بھی انسانی بطون کی وسعت و کشادگی کو نہیں پہنچتی۔ اسی مناسبت سے شاعری بھی ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس میں کائنات کی تمام محسوس وغیر

محسوس کیفیات وجذبات کے چشمے موجزن رہتے ہیں۔ دنیا کے عام مناظر، حسن وعشق کے کارنامے، رزم وبزم کی داستانیں، دولت وثروت کے افسانے جود وسخا، بذل وایثار اور خلق ومروت کے افکار، رنج ومصیبت کے جذبات، خوشی ومسرت کے ولولے، عیش وعشرت کی کہانیاں، جنگ وجدل کے واقعات، سلطنتوں کے انقلابات، قوموں کے عروج وزوال، ارضی وسماوی حادثات، قدرت کی نیرنگیاں، روحانی جذبات، پند ونصائح، اخلاق وآداب، حکمت وفلسفہ، تہذیب وتمدن، طرز معاشرت اور خصائل انسانی وغیرہ کی جیسی سچی تصویریں شاعری میں ملتی ہیں کسی دوسرے فن میں نہیں مل سکتیں۔ خلاصہ یہ کہ شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تمام اشیا خارجی وذہنی کا عکس نمایاں طور پر موجود ہے۔

شعر کی ماہیت کی نسبت دنیا میں اس قدر مختلف ومتضاد رائیں قائم ہوئی ہیں کہ ان سے کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا تقریباً محال ہے۔ لیکن خصوصیات شعر کے متعلق اس پر عام اتفاق ہے کہ تاثیر اس کی جزو اعظم ہے۔ حالانکہ ارکان شعر کا دائرہ بہت وسیع ہے اور حال کے نقادان فن نے اس کے لیے چار چیزیں ضروری اور لازمی قرار دی ہیں۔ جدت، سادگی، اختصار اور مضمون آفرینی۔ غالباً ان چاروں خصوصیات کے اجماع سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نام تاثیر ہے۔ لیکن شعر کی علت غائی کیا ہے۔؟ یہ سوال اس قدر مشکل نہیں جس قدر خیال کیا جاتا ہے۔ شعر کا وجود ابتدا خواہ کسی ضرورت سے کیوں نہ ہوا ہو لیکن اس میں اظہار مدعا کی غرض ہمیشہ مضمر رہی ہے۔ جب انسان کے دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان کا ہجوم حد سے زیادہ ہوجاتا ہے تو طبیعت میں ایک خاص روانی محسوس ہوتی ہے اور قوت متخیلہ جو ہر انسان میں موجود ہے موجزن ہوجاتی ہے۔ اس وقت جو خیالات معرض بیان میں آتے ہیں یا گویائی کے ذریعے سے صورت پذیر ہوتے ہیں وہی شاعری ہے۔ لیکن قوت متخیلہ ہر انسان میں مساوی نہیں ہے۔ لہٰذا جس شخص میں یہ قوت نسبتاً زائد ہوتی

ہے وہ اپنے خیالات کو ایسے اسلوب سے بیان کرتا ہے جو معمولی گفتگو سے فائق ہوتا ہے اور درحقیقت معمولی گفتگو سے فائق تر اسلوب بیان کا نام شاعری ہے ۔ اس میں جدت، اختصار، سادگی اور مضمون آفرینی ایک ندرت پیدا کردیتی ہے اور الفاظ کی طلسم بندی سے وہ موزونیت اور دلکشی پیدا ہوجاتی ہے کہ سامع وجد میں آجاتا ہے۔

اس طرح شاعری براہ راست دل پر اثر کرتی ہے اور اقلیم دل پر اس کی حکمرانی اس قدر عام ہے کہ اسے اس دنیا کی ملکہ کہنا مبالغے میں داخل نہیں۔ تاثیر اور چیزوں میں بھی موجود ہے اور سچے جذبات کو جس رنگ اور جس لباس میں جلوہ گر کیا جائے ۔ اس میں یہ صفت موجود ہوگی ۔ خصوصاً مصوری، موسیقی، بت تراشی، اور ڈراما میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ لیکن شاعری کو ان فنون پر اس لیے تفوق حاصل ہے کہ ان کی منفردہ خوبیاں اس میں مجموعی طور پر موجود ہیں۔ بلکہ بعض اعتبار سے اس کا مرتبہ ان سب سے زیادہ بلند ہے۔ مثلاً مصوری اور بت تراشی کی صنعتیں قوت باصرہ کے بغیر فضول و بیکار ہیں۔ اس طرح موسیقی قوت سامعہ کی محتاج ہے۔ البتہ ڈراما جو محض نقالی ہے شاعری سے کسی قدر مشابہت رکھتا ہے اور وہ شاعری کی طرح قوت باصرہ اور سامعہ دونوں پر حاوی ہے اور شاید اسی اعتبار سے لارڈ میکالے نے شاعری کو بھی ایک قسم کی نقالی سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن شاعری میں جو الہامی قوت ہے وہ اسے اس الزام سے بری کرتی ہے۔ نیز شاعری کی دنیا میں جو وسعت و کشادگی ہے وہ مندرجہ بالا فنون میں نہیں پائی جاتی۔ حتیٰ کہ خود لارڈ میکالے نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

''لیکن اے شاعری کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ بت تراشی، مصوری، ڈراما، یہ تینوں فن اس کی وسعت کو نہیں پہنچ سکتے ۔ بت تراش فقط صورت کی نقل اتار سکتا ہے۔ مصور صورت کے ساتھ رنگ کو بھی نمایاں کرسکتا ہے اور ایکٹر (بشرطیکہ شاعر نے اس کے لیے

الفاظ مہیا کر دیے ہوں) صورت اور رنگ کے ساتھ حرکت بھی پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن شاعر باوجود یہ کہ اشیا خارجی کی نقل میں ان تینوں فنون کا کام دے سکتی ہے، اس کو ان تینوں سے اس بات میں فوقیت حاصل ہے کہ انسان کا بطون صرف شاعری ہی کی قلم رو ہے۔ نہ وہاں مصوری کی رسائی ہے نہ بت تراشی کی اور نہ ڈراما کی۔ مصوری اور ڈراما وغیرہ انسان کے خصائل یا جذبات اس قدر ظاہر کر سکتے ہیں جس قدر چہرہ یا رنگ اور حرکت سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ہمیشہ ادھورے اور نظر فریب نمونے ان کیفیات کے ہوتے ہیں جو فی الواقع انسان کے بطون میں موجود ہیں۔ مگر نفس انسانی کی باریک، گہری اور گوناگوں کیفیات صرف الفاظ ہی کے ذریعے سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ شاعری کائنات کی تمام اشیا خارجی اور ذہنی کا نقش اتار سکتی ہے۔ عالم محسوسات، دولت کے انقلابات، سیرت انسانی، معاشرت نوع انسانی، تمام چیزیں جو فی الحقیقت موجود ہیں اور تمام وہ چیزیں جن کا تصور مختلف اشیا کے اجزا کو ایک دوسرے سے ملا کر کیا جا سکتا ہے سب شاعری کی سلطنت میں محصور ہیں۔ شاعری ایک سلطنت ہے جس کی قلمرو اسی قدر وسیع ہے جس قدر خیال کی قلمرو۔''

یہ بھی شاعری کی جامع اور مانع تعریف نہیں ہے لیکن اس سے اس کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شاعری کی قوت متخیلہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس کا توسن خیال ہمیشہ نئے اور غیر محسوس میدانوں میں طرارے بھرا کرتا ہے۔ وہ انسانی دلوں کے ان عام جذبات کے علاوہ جو دوسرے ذریعوں سے بھی واضح ہو سکتے ہیں۔ ان غیر محسوس جذبات کو بھی نمایاں کرتا ہے جن کے اظہار کے لیے شاعری کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں اور اکثر ان الہامی باتوں کو بھی بیان کرتا ہے جو انسانی نظر سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس طرح شاعر کی طبیعت قدرت کے پوشیدہ رازوں کی مظہر اور اس کی زبان رموز مخفی کی ترجمان ہے۔ دنیا و مافیہا میں جو کچھ موجود ہے وہ شاعری کے احاطے سے باہر نہیں اور قدرت جن جدید رموز کا انکشاف چاہتی ہے وہ بھی

اکثر شاعر ہی کی طبیعت کے ذریعے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے شعرا تلامیذ الرحمٰن کہے جاتے ہیں اور ان کی شاعری اکثر حالتوں میں ملہم غیبی کی آواز ہوتی ہے۔

شاعر، مصوّر، بُت تراش، موسیقار، اور ایکٹر سب ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ لیکن شاعر کے پاس اپنے حریفوں کے مقابلے میں ایک ہتھیار نہایت زبردست ہے اور وہ تشبیہ و استعارہ ہے جسے شاعر کے سوا کوئی نہیں استعمال کرسکتا۔ مصور، بت تراش، موسیقار اور ایکٹر سب کے سب اپنے کمالات کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اور اسی وجہ سے شاعر کے مقابلے میں ان کا رنگ پھیکا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مضمون آفرینی کے میدان میں سب یکساں ہیں۔ جدت بھی ایک حد تک مشترک ہے۔ سادگی و اختصار سے بھی سب یکساں فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اور یہ تو مسلم ہے کہ ان میں ہر شخص اپنے کمال کے اظہار کے لیے کوئی دلکش مضمون انتخاب کرتا ہے جو بجائے خود دلچسپ و اثر انداز ہو۔ لیکن کمزور مضمون کو زوردار بنانے کے لیے غالباً شاعر کے سوا کسی کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے۔ شاعر کمزور سے کمزور مضمون میں تشبیہ و استعارہ کا رنگ بھر کے اسے دلفریب بنا دیتا ہے اور اس طرح اپنے حریفوں سے بازی لے جاتا ہے۔

انسان کے قوائے دماغی کی نشوونما کے لیے شاعری سے بہتر کوئی میدان نہیں جس کی وسعت نامحدود ہے۔ اگر انسان میں شاعری کا مادہ نہ ہوتا تو اس کی قوت متخیلہ ایک تنگ دائرے میں محدود ہوجاتی۔ اس کے دلی جذبات، ولولے، اور امنگیں سرد پڑ جاتیں اور وہ ایک حیوان ناطق سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا۔ اس کے تمدن کی رفتار بہت دھیمی ہوتی اور کیا عجب ہے کہ اس کی فطری مدنیت کا مادہ ہی زائل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب قوت خیال ہی کمزور یا محدود ہوتی تو قوت ارادی میں زور پیدا ہونا معلوم۔

یہ شاعری کی چند نامکمل خصوصیات ہیں جن کے بعد اس کے تاثیرات کی باری آتی

ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شاعری براہِ راست دل پر اثر ڈالتی ہے اور اقلیم دل پر اس کی حکمرانی عام ہے۔ ایک دل سے دوسرے دل پر روشنی ڈالنے کے لیے اس سے بہتر کوئی آلہ نہیں ایجاد ہوا۔ یوں تو انسان رنج میں رو کر اور خوشی میں ہنس کر اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے۔ لیکن جب انھیں جذبات کو شاعری کا جامہ پہنایا جاتا ہے تو کچھ اور ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور سننے والے خود بھی رونے یا ہنسنے لگتے ہیں۔ بلکہ شاعری ہی کی بدولت یہ جذبات قابل اعتنا ہو گئے ورنہ ہنسنا یا آنسو بہانا انسان کے معمولی حرکات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ جس طرح سونا، جاگنا، انگڑائی، ڈکار، اور چھینک لینا انسان کے معمولی حرکات خیال کیے جاتے ہیں اسی طرح رونا اور ہنسنا بھی۔ لیکن جب رونے کو ''آنسوؤں کا دریا بہادینا'' اور ہنسنے کو پھول جھڑتے یا بجلی چمکنے سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس کی تاثیر بے پایاں ہو جاتی ہے اور ممکن نہیں کہ سننے والے کے دل پر اثر نہ کرے۔ اس طرح شاعری کی بے شمار تاثیریں ہیں اور سب براہ راست دل پر اثر کرتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شاعری کا نشتر رگِ دل پر کھٹکتا ہے اور اپنی کھٹک عرصے تک باقی رکھتا ہے۔ اس کا اثر دوسری چیزوں کی طرح جلد زائل نہیں ہوتا بلکہ بعض حالتوں میں مستقل ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھولتا۔

عام مذاہب نے شاعری ہی کی مدد سے کامیابی حاصل کی۔ بلکہ اسی کے لباس میں جلوہ افگن ہو کے اس قدر اثر انداز ہوئے کہ لوگ ان کے لیے اپنی جانیں دینے کو تیار ہو گئے۔ میدان جنگ میں بھی شاعری ہی نے بہادر اور سورما سپاہیوں کو تلواروں کے منہ پر ڈال دیا ہے اور جوش و ہمت کی وہ آگ بھڑکائی ہے جو بغیر خون کی چھینٹوں کے فرو نہیں ہو سکی۔ اسی طرح عشق و محبت کے جذبات۔ ہجر و فرقت کی مصیبتیں، رنج و راحت کے قصے سب اپنی اثر اندازی کے لیے شاعری کے محتاج ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بے تاثیر شاعری ایک پیکر بے روح ہے۔ شعر کی عام تعریف یہ ہے کہ وہ زبان سے نکلتے ہی سننے والے کی

لوحِ دل پر مرتسم ہو جائے اور اگر اتنی دیر پا تاثیر نہ ہو تو کم از کم اپنے لیے "آہ" یا "واہ" کا نعرہ فوراً نکلوا لے۔

دنیا کے نامور شعرا کے کلام میں شاعری کی بہت سے خصوصیات اور تاثیر شعری کا مادّہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی ایک شاعر کے کلام میں شاعری کے تمام خصوصیات مجتمع نہیں ہوئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شاعر کی طبیعت خواہ کتنی ہی ہمہ گیر ہو اور اس کا طائر خیال خواہ کتنا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو اقلیم سخن اتنی وسیع ہے کہ وہ اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ فردوسی ایسے یگانۂ آفاق شاعر نے اپنی تیغ زبان کے جو جوہر میدان رزم میں دکھائے ہیں وہ بے مثال ہیں۔ لیکن بزم کی شہ نشین پر اس کا چراغ نہیں جلتا۔ اسی طرح ہر شاعر ایک خاص مذاق کا پابند ہے اور سوسائٹی کا اثر اسے اس پابندی کے لیے خاص طور پر مجبور کرتا ہے۔ آخر الذکر شق نے بہت سے خوش فکر شعرا کے فطری رجحان کو بھی خاک میں ملایا ہے اور اکثر انھیں ایسی اخلاق سوز شاعری پر مجبو کیا ہے جو تہذیب و شائستگی کے صاف دامن پر ایک بدنما داغ ہے۔

اس کی مثالیں گزشتہ دور کی اردو شاعری سے واضح طور پر مل سکتی ہیں جس کی اصلاح کے لیے نصف صدی کی مسلسل کوشش بھی کافی نہیں ہوئی اور اب تک ملک میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو محض حُسن و عشق کے جذبات اور نفس پرستیوں کی تفصیل کو عین شاعری کہتا ہے۔ اس کے نزدیک دنیا و مافیہا میں عامیانہ عشق اور ہوس پرستی کے سوا کوئی دوسری چیز ہی نہیں۔ لیکن مصلحان شاعری کی آوازیں بھی بیکار نہیں گئیں اور شمس العلما آزاد و حالی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کو بہت سے ہونہار اور خوش فکر شاعر موجود ہو گئے۔

انھیں شعرا میں جام سرور کا مصنف بھی تھا جس کی بے وقت موت کا رنج ابھی بالکل تازہ ہے۔ سرور جہان آبادی نے اپنے تھوڑی سی زندگی میں شہرت و ناموری کے بہت سے مدارج طے کئے اور اپنی شیوا بیانیوں سے ہر طبقے میں ہر دل عزیزی حاصل کی۔ سخن سنجوں

میں ان کا نام ہر زبان پر تھا اور جدید شاعری کے دلدادہ عام طور پر ان کے مداح تھے۔ ان کے کلام کی خصوصیات میں سوز و گداز کو زیادہ دخل ہے۔ حسن فطرت کی تصویر کشی بھی ان کا خاص حصہ تھی اور اس میں سوز و گداز کی حرارت سے جو ان کی طبیعت کا جزو اعظم تھی در حقیقت جان پڑ جاتی تھی۔ لیکن ان کی شاعری کی سرحد یہیں نہیں ختم ہوتی بلکہ خیالات کی بلندی طرز بیان کی جدت مضمون آفرینی اور بہت سی خصوصیات شعری ان کے کلام میں التزاماً پائی جاتی ہیں۔ ان کے کلام پر بالاستیعاب نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صحیفۂ فطرت کا ایک ایک صفحہ غور سے پڑھا تھا اور اس کے معانی و مطالب کو شاعری کا لباس دینے میں خاص قدرت رکھتے تھے۔ بطون انسانی کے باریک اور گہرے جذبات کی وضاحت میں بھی انھیں خاص ملکہ تھا۔ کارگاہ ہستی کی بہت سی چیزوں پر ان کی توجہ مائل ہوئی ہے اور عام جذبات و احساسات کے علاوہ مناظر قدرت مخلوق خدا۔ نیرنگی عالم اور واقعات وغیرہ پر ان کی خاص نظر تھی۔

ان تمام شاعرانہ لوازم کے ساتھ جو ایک اعلیٰ شاعر کی طبیعت کے لیے مخصوص ہیں سرور میں دو بڑی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اول قادر الکلامی دوم خیالات کی کثرت۔ قادر الکلامی کا یہ حال ہے کہ ایک ایک موضوع پر متعدد نظمیں کہی ہیں اور سب کا رنگ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے۔ اور اس کا تو ذکر ہی فضول ہے بے شمار مختلف اور متضاد خیالات کو شاعری کا نہایت لطیف لباس پہنادیا ہے اور کہیں تکلف نظم نہیں پایا جاتا۔ خیالات کی کثرت کا بھی یہی عالم ہے۔ کوئی مضمون ہو وہ اپنے مسلسل خیالات نظم کرتے چلے جاتے ہیں اور کبھی کبھی ان کا سلسلہ بہت طولانی ہو جاتا ہے۔

قریب قریب اردو کے تمام اصناف سخن میں ان کا کلام موجود ہے۔ مثلاً مسدس مخمس، مربع، ترجیع بند، ترکیب بند، تضمین، قصیدہ، قطعہ، مثنوی، رباعی اور غزل وغیرہ۔ لیکن طرز بیان میں وہ جدت ہے کہ نہ قصیدہ، قصیدہ معلوم ہوتا ہے نہ غزل، غزل۔

اگر چہ سرور غزل گوئی کے مرد میدان میں تھے لیکن ان کے کلام کا رنگ تغزل اس قدر عام ہے کہ اس کمی کی پوری تلافی ہوگئی ہے حالانکہ وہ زلف یار کی پُر پیچ گلیوں میں نہیں بھٹکتے، وہاں یار کی تنگی اور اس کی معدومیت میں انھوں نے مضامین کے خرمن نہیں لگائے ہیں، لیکن اس قسم کے نازک تشبیہات و استعارات سے ان کا کلام لبریز ہے۔

وہ جدید قسم کی شاعری کے دلدادہ تھے اور قدرت نے انھیں جذبات کی تصویر کشی کے لیے پیدا کیا تھا۔ قدیم اصناف سخن میں جدید مذاق کا رنگ بھر کے اور اس میں اپنے دلگداز طرز بیان کی روح پھونک کے وہ نظم کو ایک دلکش مرقع بنا دیتے تھے جس میں جذبات کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ گویا مشرقی شیشوں میں مغربی شراب جھلک رہی ہے۔ اس جدت کے ساتھ بعض نظموں میں مغربی اصناف سخن سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً ذیل کے اشعار میں جو ایک مربع کے پہلے بند سے تعلق رکھتے ہیں اول اور آخر کے مصرعے ہم قافیہ ہیں:

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول — اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن میں ہے
بیکس غریب فرقتِ احباب میں ملول — دھندلا سا اک چراغ سحر انجمن میں ہے

ہر نظم کے ساتھ ان کی وسعت معلومات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ جس مضمون کو اٹھایا ہے اسے کافی معلومات کے ساتھ ختم کیا ہے۔ اگر چہ یہ میدان ایسا نہیں ہے کہ انسانی طبیعت اس پر احاطہ کر سکے اور خیالات کا سلسلہ کبھی ختم ہو سکے۔ تاہم ضروری معلومات کے بغیر اس قسم کی نظموں کا کوئی لطف نہیں۔ مثلاً پھول پر نظم کہنا ہے تو اگر چہ فن باغبانی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم پھول کا تھوڑا بہت فلسفہ جانے بغیر صرف اس کے رنگ اور نزاکت کی تعریف کر دینا جدید اصول فن کی رو سے گناہ ہے۔ سرور کی طبیعت فلسفیانہ نہیں واقع ہوئی ہے۔ لیکن جذبات پر ان کی اس قدر گہری نگاہ ہے کہ ایک حد تک اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

اس مجموعہ میں زیادہ تر مصنف کی طبع زاد نظمیں ہیں۔ لیکن ایسی نظمیں بھی کثرت سے موجود ہیں جو کسی غیر زبان کی نظم کا ترجمہ ہیں یا کسی نثر مضمون کے خیالات و مطالب کو نظم کا لباس دیا گیا ہے۔ اس قسم کی نظموں میں کسی نظم یا نثر کا لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ تھوڑی بہت تصرف کے ساتھ ان مطالب کو اپنی زبان میں لے لیا ہے۔ مثلاً '' کارزارِ ہستی'' مسز پراکٹر کی ایک مشہور انگریزی نظم کا ترجمہ ہے۔ لیکن نقل مطابق اصل نہیں ہے۔ رویائے اکبر' بھی ایسی ہی نظم ہے جس میں لارڈ ٹی سن کی ایک بسیط اور پرزور نظم (Akber's Dream) کے بعض بندوں کا مفہوم لے لیا ہے۔ اسی طرح ''کوئل'' '' مرغابی'' ''جمنا'' '' ترانۂ خواب'' حسرتِ دیدار'' سال گزشتہ'' وغیرہ سب انگریزی نظموں سے ماخوذ ہیں۔ علی ہذا۔ دیوارِ کہن'' فلک اخضری'' مطالعۂ کتب، نابینا پھول والی وغیرہ سب نثری مضامین سے ماخوذ ہیں۔

اگر چہ سُرور نے مختلف موضوع پر متعدد نظمیں کہی ہیں اور ہر قسم کے جذبات نظم کیے ہیں۔ مگر حب الوطنی پر سب سے زیادہ طبع آزمائی کی ہے۔ ہر شاعر خواہ کیسی ہی ہمہ گیر طبیعت کیوں نہ رکھتا ہو ایک خاص رجحان ضرور رکھتا ہے۔ نظر بریں سرور کا خاص رُجحان حُب الوطنی ہی کی طرف پایا جاتا ہے۔ اگر چہ سوز و گداز اور حسرت کشی ان کے کلام کی خاص خصوصیات ہیں لیکن جس نشے میں وہ سرشار تھے وہ غالباً حب الوطنی ہے۔ اس موضوع پر ان کی چھ نظمیں موجود ہیں، جن میں بعض طبع زاد ہیں اور بعض ترجمہ یا ماخوذ۔ '' خاک وطن'' میں ہندوستان کی گزشتہ عظمت کی عبرت انگیز تصویر کھینچی ہے۔ عروس حُب الوطن'' کا انداز بالکل جداگانہ ہے جس میں اردو کے پُرانے مذاق کو نیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیسری نظم ''مادرِ ہند'' کے عنوان سے ہے چوتھی ''اندوہ غربت'' پانچویں ''یاد وطن'' اور چھٹی نظم ''حسرت وطن''۔ لیکن باوصف ایک ہی موضوع ہونے کے سب کا انداز و طرز بیان جداگانہ ہے۔

حب الوطنی کے دوسرے نمبر پر عہد طفلی کے جذبات اور اس کی حسرت خیز یاد ہے۔
''دیوار کہن'' اسی قبیل کی نظم ہے جو اگر چہ سرور کی طبع زاد نہیں لیکن اظہار جذبات میں شاعر نے کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ ''یاد طفلی'' ''بچہ اور ہلال'' ''امید اور طفلی'' ''بچپن کی یاد'' سب معصومانہ جذبات سے معمور ہیں اور سب کا طرز بیان مختلف، مؤثر اور دلگداز ہے۔

کوئل کی کوک، شفق شام کی دلآویزی، نسیم سحر کے جھونکے، مرغان قفس کی فریاد، گل وبلبل کے افسانے، شمع و پروانہ کے راز و نیاز۔ داغ جگر کی سوزش بے ثباتی دنیا، عرفان و تصوف، حسرت شباب، ماتم آرزو، بے قراریٔ دل، سودائے عشق وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن پر شعرائے اردو نے قلم توڑ دیے ہیں اور انھیں اتنے مختلف طریقوں سے باندھا ہے کہ اب ان میں بظاہر کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ لیکن شاعری ایسا فن ہے جو کبھی محدود نہیں ہوسکتا اور مبدائے فیاض سے اس کے لیے نئے نئے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ سرور نے ان مضامین پر متعدد نظمیں لکھی ہیں جن کا رنگ نہایت دلکش ہے۔ ہر نظم میں قدرتی جذبات موجزن ہیں اور خیالات کی کثرت، طبیعت کی روانی اور طرز بیان کی جدت سے ایک بالکل نیا طلسم پیش نظر ہو جاتا ہے۔ مناظر قدرت پر بھی انھوں نے بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے اور مشکل سے کوئی دلفریب منظر ان کی نظر سے بچ رہا ہے۔ عورتوں کے جذبات اور ان کے فطری اوصاف پر سرور نے نہایت غائر نگاہ ڈالی ہے اور اس صنف خاص میں انھیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ''پدمنی'' ''دمن اور ہنس'' ''سیتا کی گریہ و زاری'' ''زنِ خوشخو'' ''ادائے شرم'' وغیرہ سب اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ اصلاح معاشرت کے متعلق اگر چہ انھوں نے بہت کم کہا ہے تاہم بیوگی کی رسم سے خاص طور پر متاثر ہوئے ہیں اور ''سوز بیوگی'' کے عنوان سے ایک درد بھری نظم اس مجموعے میں موجود ہے۔ ایسے خشک مضامین میں شاعرانہ ندرت اور دلکشی پیدا کرنا آسان بات نہیں ہے۔ مشاہیر کی موت پر

خصوصیت کے ساتھ انھوں نے طبع آزمائی کی ہے اور یہ رنگ ان کی دلگداز طبیعت سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ نظر بریں اس صنف میں ان کا قلم خاص طور پر زوردار ہو گیا ہے اور بعض مشاہیر کی وفات پر انھوں نے بڑے بڑے اور زوردار مرثیے لکھے ہیں جن میں نہایت عمیق جذبات منظوم ہیں۔

عام شاعرانہ اوصاف کے علاوہ سرور میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ ہر قسم کے خیالات پر قادر تھے اور جس میدان میں قدم رکھتے تھے اس کی انتہائی منزل تک پہنچ جاتے تھے۔ چنانچہ جو نظمیں انھوں نے مذہبی مذاق پر لکھی ہیں ان کا طرز بیان اگر چہ نہایت سادہ ہے لیکن مقدسانہ جذبات کے دریا بہا دیے ہیں۔ ''لکشمی جی'' اور ''وید مقدس کی روشنی'' وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو تقدسانہ جذبات کے ساتھ خاص جدت رکھتی ہیں۔ اس صنف میں انھوں نے بہت کچھ کہا تھا۔ لیکن اس مجموعے میں ان تمام نظموں کو داخل نہیں کیا۔

اس مجموعے میں ان کی جتنی نظمیں شامل ہیں وہ نئی صدی کے آغاز سے پیشتر کی نہیں ہیں۔ صرف تین نظمیں۔ ''نور جہاں کا مزار'' ''نیچرل شاعری'' اور ''بے ثباتی دنیا'' جو آخر میں درج ہیں 1899 کی تصنیف ہیں اور رسالہ ادیب فیروز آباد میں شائع ہوئی تھیں جو مولوی عبدالواجد صاحب رئیس فتح گنج غربی کی عنایت سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ان نظموں میں اگر چہ ابتدائی مشق کی اکثر خامیاں موجود ہیں تاہم شاعر کی قادر الکلامی کا عمدہ نمونہ ہیں۔ سرور مرحوم ایک زمانے میں مولوی صاحب موصوف کی معلمی پر مامور تھے اور مبارکباد عید کے عنوان سے اپنے شاگرد کے لیے ایک قطعہ کہا تھا جو دعائیہ ہے۔ چونکہ اس قسم کی شاعری ان کے رنگ سے بالکل جداگانہ ہے لیکن ان کی ہمہ گیر طبیعت پر روشنی ڈالتی ہے اس لیے وہ قطعہ خصوصیات کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

ان فطری شعرا میں جو اپنی شاعری کا مادہ بدو فطرت سے ساتھ لاتے ہیں سرور

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ ایسے مقام پر پیدا ہوئے جہاں شاعری وزبان دانی کے لیے کوئی آسانی نہ تھی۔ شعروسخن کی وہ صحبتیں جو اہل دہلی ولکھنؤ کو بالعموم حاصل رہتی ہیں انھو ں نے خواب میں نہیں دیکھی تھیں۔ ان کا وطن ''جہان آباد'' ضلع پیلی بھیت کا ایک قصبہ ہے جسے انھیں کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ یہاں کی زبان لکھنؤ اور دہلی کے دیہات کی زبان سے بھی ہمسری نہیں کرسکتی۔ بااین ہمہ ان کا کلام کسی اہل زبان کا کلام معلوم ہوتا ہے اور زبان پر ان کی قدرت اس قدر زیادہ ہے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ خیالات کو بھی آسانی سے نظم کردیتے ہیں۔ یہ قدرت صرف اساتذۂ قدیم وحال کی تصنیفات کے غائر مطالعہ سے پیدا ہوئی ہے اور ان کی ذہانت وطباعی نے اسے اپنا حصہ کرلیا ہے۔ طرز بیان کے اعتبار سے وہ غالب ومومن کے مقلد معلوم ہوتے ہیں اور ان اساتذہ کی فارسی ترکیبوں کو اس بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں جو ان کی استعداد علمی کے اعتبار سے بالکل معجزہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں کہیں کہیں میر انیس کی صفائی اور حسن بندش کی جھلک موجود ہے اور مرزا دبیر کی شوکت الفاظ کا شائبہ بھی اور میر کا دلگداز رنگ اس عمومیت سے موجود ہے کہ مشکل سے کوئی نظم اس سے معرا ہوگی۔

ان خصوصیات کو فطری جذبات کی صورت کشی نے ایک رنگ خاص دے دیا ہے اور طرز جدید میں ایسی شان پیدا کردی ہے جس کی دلکشی غیر معمولی ہے۔ زور طبیعت کے لحاظ سے بھی سرور ایک زبردست شاعر تھے اور ان کی آورد میں آمد کا لطف موجود ہے۔ خصوصاً سوز وگداز کے بیان میں ان کے قلم سے چنگاریاں اڑتی ہیں اور آگ کے شعلے آسمان تک پہنچتے ہیں۔ اسی مناسبت سے انھوں نے اپنے طرز بیان میں اساتذۂ قدیم کی تقلید کی ہے۔ جن کا رنگ سخن سوز وگداز اور حسرت کشی کے جذبات سے مملو ہے۔ ان کے کلام میں ''آہ'' کا لفظ اس کثرت سے آیا ہے کہ بظاہر ان کا سخن تکیہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ ان کی دلگداز

طبیعت کا مقتضیٰ تھا جسے ان کی شاعری کے لیے ناگزیر سمجھنا چاہیے۔ تشبیہ و استعارہ سے بھی ان کا کلام ایک حد تک مالا مال ہے اور نقادانِ فن کے قول کے مطابق یہ شاعری کی آخری منزل ہے۔ اس آسمان پر پہنچ کر شاعر کو معراج حاصل ہو جاتی ہے۔ دنیا کے جتنے بڑے بڑے شاعر گزرے ہیں سب کے کلام میں یہی مابہ الامتیاز ہے۔ سرور کی اس قسم کی نظموں میں ''بیر بہوٹی'' والی نظم خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ان کی آخری نظموں میں لا جواب ہے۔ حالانکہ ان کی سب سے آخری نظم ''ترانۂ وحدت'' ہے جسے مرحوم نے اپنی وفات سے چند ہی یوم پیشتر کہا تھا اور دسمبر 1910 کے ادیب ''الاباد'' میں شائع ہو چکی ہے۔

سرور کی شاعری کی تشریح کرتے ہوئے مجھے اپنی ہیچمدانی کا اعتراف ہے۔ میں نے ایسی جرأت صرف مرحوم کے اس اصرار پر کی ہے جو انھوں نے اپنا مجموعۂ کلام مرتب کرنے پر مجھ سے کیا تھا۔ چونکہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں اور معذرت کا کوئی موقع نہیں باقی رہا ہے لہٰذا امتصال امر کے طور پر اپنے کمزور دماغ اور معذور قلم سے جو کچھ ہو سکا ہے نذر کیا گیا ہے۔ غالباً مرحوم کی روح ناخوش نہ ہوگی اور احباب مجھے اس ہرزہ سرائی کے لیے معاف فرمائیں گے جس کا خیال مجھے مرحوم کی وفات پر ایک دوستانہ فرمائش کی تعمیل کے طور پر پیدا ہوا ہے اور نہایت عجلت میں انجام پذیر ہوا ہے۔

منشی نوبت رائے نظر لکھنوی

حالات مصنف

منشی درگا سہائے صاحب سرور، حکیم پیارے لال صاحب بن منشی کشن لال صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی ولادت ماہ پوس سمبت 1929 مطابق دسمبر 1873 میں بمقام جہان آباد ضلع پیلی بھیت ہوئی تھی۔ آپ کے بزرگ اس قصبہ کے قدیم رئیس اور زمیندار تھے اور آپ کے والد جو ایک حاذق حکیم ہیں علاوہ رئیس و زمیندار ہونے کے ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ بھی ہیں۔ آپ فرقہ سکسینہ سے تعلق رکھتے تھے جو قوم کایستھ میں اپنی دماغی قابلیت کے لیے قدیم الایام سے مشہور ہے۔ آپ پانچ بھائی تھے جن میں سے ایک کا انتقال آپ کی حیات میں ہو چکا تھا۔

اول اول آپ کی تعلیم جہان آباد کے تحصیلی مدرسہ میں ہوئی اور آپ نے اردو میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ دوران تعلیم میں آپ ہمیشہ اپنے ہم سبقوں سے اول رہتے تھے اور آپ کے معلم ہمیشہ آپ کی ذہانت سے خوش رہے۔ امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے مولوی سید کرامت حسین متخلص بہ بہار سے فارسی تعلیم شروع کی اور شعر و سخن کا شوق بھی اس وقت سے پیدا ہوا۔ پڑھنے لکھنے سے جس قدر وقت بچتا وہ آپ شعر گوئی اور شعرا کا کلام دیکھنے میں صرف کرتے تھے۔ اور اپنے اشعار پر اصلاح بھی مولوی صاحب موصوف ہی سے لیا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ کو انگریزی زبان کی تحصیل کا شوق بھی پیدا ہوا۔ لیکن اس زمانے میں جہان آباد میں کوئی انگریزی اسکول نہ تھا، نہ سارے قصبے میں کوئی انگریزی جانتا تھا۔ صرف منشی شب سہائے پوسٹ ماسٹر جہان آباد انگریزی دان تھے۔ آپ نے انھیں سے اس زبان کی تحصیل شروع کی۔ یہ زمانہ آپ کی فارغ البالی اور عیش وعشرت کا زمانہ تھا۔ جوانی کی اُمنگوں کے ساتھ شعروسخن سے دلچسپی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ شام کو دو چار احباب روزمرہ جمع ہوتے اور آٹھ نو بجے رات تک شعروشاعری کے چرچے ہوا کرتے تھے۔ دو سال کے عرصے میں آپ نے انگریزی مڈل کا امتحان بھی پاس کیا اور انٹرنس کورس کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے۔ ساتھ ہی شعروسخن کا مشغلہ بھی جاری رہا اور شعرائے ماضی وحال کا کلام دیکھتے دیکھتے طبیعت میں شعرگوئی کا ملکہ پیدا ہوگیا۔ اس عہد کے شعرا میں آپ کو جناب بیان ویزدانی میرٹھی کا کلام سب سے زیادہ مطبوع طبع ہوا۔ اور اپنے کو بجائے خود ان کا شاگرد قرار دے کر اپنا تخلص ''وحشت'' اختیار کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد ''سرور'' تخلص کرنے لگے جو آخر وقت تک قائم رہا۔ یہ گزشتہ صدی کے آخری زمانے کے واقعات ہیں۔ اس زمانے میں میرٹھ سے ایک اخبار ''انیس ہند'' شائع ہوتا تھا۔ آپ نے اول اول اپنا کلام اسی اخبار میں شائع کرانا شروع کیا۔ اسی دوران میں پنڈت لیکھ رام صاحب آریہ مسافر کے افسوسناک قتل کا واقعہ ظہور پذیر ہوا اور بعض آریہ اصحاب نے آپ سے اس واقعہ پر ایک نوحہ کہنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ آپ نے ایک طولانی مسدس کہا جو کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے کو شاگرد حضرت بیان و یزدانی لکھا تھا لہٰذا حضرت موصوف کے بعض شاگرد اس کتاب کو ان کے پاس لے گئے اور دریافت کرنے لگے کہ یہ آپ کے کون سے شاگرد ہیں۔ جناب یزدانی نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے اس کتاب میں کوئی اصلاح نہیں دی ہے۔ یہ مصنف کی خوشی ہے کہ

وہ مجھے اپنا استاد قرار دیتا ہے۔ بعد ازاں کتاب مذکور کو پڑھوا کر سنا اور کہنے لگے کہ کسی روز یہ شاگرد میرا نام روشن کرے گا۔

یہ سرور صاحب کی ابتدائی تصنیف تھی تاہم اس قدر مقبول ہوئی کہ آپ دفتر انیس ہند میں نہایت خاطر و مدارت سے بلائے گئے اور کچھ عرصے تک میرٹھ میں مقیم رہے۔ بعد آپ کو ہلدور (ضلع بجنور) کے ایک رئیس نے معقول مشاہرہ پر طلب کیا اور عرصے تک بہ سلسلۂ ملازمت وہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد نہٹور میں بھی طلب کیے گئے اور وہاں بھی یہی سلسلہ رہا۔ دونوں جگہ کے لوگ آپ کے کلام سے محظوظ ہوتے رہے۔ اس اثنا میں آپ کا کلام اکثر اخبارات میں بھی شائع ہوتا رہا اور شاعری گویا جزو طبیعت ہوگئی۔ لیکن یکا یک آپ کو اپنی اہلیہ کی علالت کی خبر پہنچی اور آپ نے وطن واپس آکر ان کے علاج میں غیر معمولی سرگرمی ظاہر کی۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بالآخر مرض الموت نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس سانحہ سے ان کی دلی اُمنگیں پست ہوگئیں، لیکن غم غلط کرنے کے لیے ایک بچہ موجود تھا جس کی عمر اس وقت ایک سال کے قریب تھی۔ آپ اس کی پرورش میں مصروف ہوئے اور ساتھ ہی شاعری کا شغل بھی ترقی پذیر ہوگیا۔ اگر چہ اس وقت آپ نوجوان تھے لیکن دوسری شادی کرنے کا خیال تک نہیں پیدا ہوا۔

1899 سے آپ کا کلام ادبی رسالوں میں بھی شائع ہونے لگا، جس کی ابتدا رسالہ ادیب فیروز آباد سے ہوئی تھی۔ اس رسالہ میں جو پورے ایک سال تک بھی نہیں جاری رہا آپ کی تین نظمیں ''نیچرل شاعری 1 '' ''نور جہاں کا مزار 2 '' اور '' بے ثباتی زمانہ 3 '' شائع ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اکثر پرچوں میں آپ کا کلام خصوصیت کے ساتھ شائع ہونے لگا، لیکن آپ کی شہرت کی بنیاد متذکرہ صدر رسالہ ہی سے قائم ہوئی تھی۔ ادیب فیروز آباد کے کئی سال بعد لاہور سے رسالہ مخزن ایسی آب و تاب سے شائع ہوا کہ تمام اہل

قلم اس کی طرف جھک پڑے۔ سرور صاحب کا کلام اس میں معمول سے زیادہ نکلتا رہا اور آخر وقت تک اس پرچے سے آپ کو خصوصیت رہی۔ ''مخزن'' کے تھوڑے ہی عرصے بعد رسالہ ''زمانہ'' اولاً بریلی سے اور بعد ازاں کانپور سے شائع ہوا۔ اس میں بھی سرور صاحب کا کلام نکلنے لگا، اور بعد ازاں اردو کے جتنے عمدہ رسالے نکلے سب نے آپ کا کلام حاصل کیا۔

شاعری کے ساتھ آپ نے فن حکمت میں دخل حاصل کیا تھا اور اپنے قصبے میں علاج ومعالجہ کا شغل رکھتے تھے، لیکن طبیعت کا رجحان زیادہ تر شاعری میں اسی کی طرف رہا اور اپنی حیات بھر محض اسی فن کی تکمیل میں مصروف رہے۔ ان خوش نصیب شعرا میں جنھیں فکر سخن کے سوا کوئی دوسری فکر لاحق نہیں ہوتی، سرور صاحب خاص طور پر قابل الذکر ہیں۔ ہر جگہ اور ہر وقت انھیں شاعری کے سوا کوئی دوسرا شغل نہیں رہا اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس قدر جلد مشاق اور نازک خیال شعرا کے زمرے میں داخل ہو گئے۔

ایک عرصے تک یہی لیل ونہار رہے۔ لیکن فلک کج رفتار کسی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ چنانچہ آپ کا اکلوتا بیٹا جس کی ذات سے آپ کی تمام امیدیں وابستہ تھیں اور جس کو اس کی والدہ کی وفات کے بعد سے آپ ''یتیم'' کہہ کر پکارتے تھے، دفعتہ مرض نمونیا میں مبتلا ہو گیا۔ حالانکہ علاج میں سخت جدوجہد کی گئی لیکن مرض اس قدر جلد ترقی کر گیا کہ دو ہی چار روز میں اس معصوم کا چراغ ہستی گل ہو گیا۔ یہ ایسی مصیبت تھی جس نے آپ کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا اور رنج وغم آپ کی طبیعت کا جزو اعظم بن گیا۔ ابتداً اس سانحۂ جانکاہ کا اتنا اثر ہوا کہ دنیا سے قطع تعلق کر کے آپ فقیری اور آوارہ گردی پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن فہم سلیم رکھنے کی وجہ سے صبر اختیار کیا اور مایوسانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ ساتھ ہی غم غلط کرنے یا رشتۂ حیات منقطع کرنے کی غرض سے مے نوشی شروع کر دی اور رفتہ رفتہ اس کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ کئی کئی روز تک مست وبے ہوش رہنے لگے۔ اسی زمانے میں

آپ کانپور گئے اور تھوڑے عرصے تک رسالہ زمانہ کی منیجری کرتے رہے۔ لیکن اس کام سے آپ کو طبعی مناسبت نہ تھی لہٰذا پھر اپنے وطن کو واپس آئے۔ اس وقت سے اکثر اوقات ادھر اُدھر جاتے رہے لیکن کہیں مستقل قیام نہیں رہا۔

جنوری 1910 سے رسالہ ادیب الہ آباد غیر معمولی آب و تاب سے شائع ہوا۔ آپ کا کلام اس رسالہ کے پہلے ہی نمبر سے نکلنے لگا اور اس عرصے میں آپ نے جو کچھ کہا اس کا زیادہ حصہ ادیب ہی میں شائع ہوا۔ ادیب کا پہلا ہی نمبر دیکھ کر آپ نے چند رباعیات ''ادیب کا خیر مقدم'' کے عنوان سے شائع کرائیں جسے یہ پتہ بآسانی لگ سکتا ہے کہ آپ کے دل میں اس پرچے کی کس قدر وقعت تھی۔ 3 اپریل 1910 کو آپ نے اپنا مجموعۂ کلام مرتب کرنے کی غرض سے الہ آباد کا سفر کیا اور جناب شاکر صاحب میرٹھی کے مہمان رہے جن کی مدد سے یہ مجموعہ مرتب ہو گیا۔ 20 جون کو آپ الہ آباد سے اپنے وطن تشریف لے گئے اور وہیں سے اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت کے متعلق معاملات طے کیے۔ اس کی اشاعت کی انھیں بے انتہا آرزو تھی، لیکن عین اسی وقت جب کہ اس کے چھپنے کے ابتدائی مراحل طے ہو چکے تھے اور وہ نہایت شوق و مسرت کے ساتھ اس کے پروف کی صحت کی غرض سے دوبارہ الہ آباد آ رہے تھے، یکا یک بخار اور درد سینہ میں مبتلا ہو گئے اور دو ہی ایک روز میں ذات الجنب پیدا ہو گیا۔

آپ 30 نومبر 1910 کو بیمار ہوئے تھے اور 3 دسمبر 1910 کو اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ حالت نزع میں بھی اپنے مجموعہ کی اشاعت کا خیال رہا اور حسرت و افسوس کے ساتھ کہا کہ اب میں اسے اپنے ہاتھ سے اپنے احباب کو تقسیم نہ کر سکوں گا۔ آسمان ظالم نے میری آخری حسرت بھی خاک میں ملا دی۔

آپ نے اعزا و احباب کو تسکین دیتے ہوئے یہی کہا کہ میں آپ حضرات کو اپنا

کلام ہمیشہ کے لیے اپنی یادگار دیتا ہوں جس کی اہل مذاق ہمیشہ قدر کریں گے۔ آپ نہایت نیک طینت، حلیم، اور راست باز تھے۔ گفتگو کا انداز خاص تھا جس میں منکسر مزاجی ایک قسم کی شیرینی پیدا کر دیتی تھی۔ طبیعت میں ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی لیکن اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات کے بعد سے عموماً مغموم اور خاموش رہتے تھے۔ آپ گندم رنگ۔ میانہ قد اور نازک اندام تھے۔ خط و خال کشیدہ اور آنکھیں بڑی بڑی جب کسی سے ملاقات کی تقریب ہوتی تو کہتے تھے کہ ''میں سرور جہان آبادی ہوں'' بندہ نواز ان کا تکیہ کلام تھا اور بات بات پر ''معاف فرمایئے گا'' بھی کہا کرتے تھے۔ ان کی ضرورت سے زیادہ منکسر مزاجی سے ان کے ملنے والوں کو اکثر تصنع کا گمان ہوتا تھا لیکن درحقیقت انکسار ان کا جز و طبیعت تھا۔ سیر چشمی اور دریا دلی بھی ایک حد تک ان کی طبیعت میں موجود تھی۔ روپیہ پیسہ جب تک پاس رہتا تھا اس کے صرف کرنے کو طبیعت بے چین رہتی تھی شاعری کے اثر سے طبیعت میں ایک وارفتگی پیدا ہوگئی تھی اور تنہائی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ عام شعرا کی طرح ان کی طبیعت میں انانیت کا مادہ بالکل نہ تھا۔ اپنے اشعار سنانے کو ادنیٰ تحریک پر بھی مستعد ہو جاتے تھے بشرطیکہ سامع میں ان کے سمجھنے کا مادہ ہو۔ غیر شاعر یا ایسے شخص کو جس میں سخن فہمی کا مادہ نہ ہو سخت اصرار پر بھی اپنا کلام نہیں سناتے تھے۔ جن شعرا کی ان کے دل میں وقعت تھی ان کی ثنا و صفت میں حاضر و غائب یکساں مصروف رہتے تھے اور ان کے اشعار مزہ لے کر پڑھا کرتے تھے۔ فکر سخن کی عادت سے ہر وقت ایک محویت سی طاری رہتی تھی اور عالم خیال کی سیر میں مصروف رہتے تھے۔ شعر کہنے کے لیے انھیں بہت کم سوچنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن جو نظم محنت سے کہتے تھے اس کی تنظیم میں غیر معمولی غور و خوض سے کام لیتے تھے اور کئی کئی دن تک اسی خیال میں مستغرق رہتے تھے۔

☆☆☆

''خمخانۂ سرور''

تمہید

شاعر رنگیں نوا منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم ماہ پوس 1929 مطابق 1873 مسیحی قصبہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔

سرور مبرور کے والد حکیم پیارے لال صاحب قصبۂ جہان آباد کے رؤسا میں سے ہیں اور زمین داری و مطب وجہ معاش ہے، وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی ہیں۔

جناب سرور مرحوم نے مدرسہ تحصیلی جہان آباد سے مڈل ورنیکولر کا امتحان پاس کیا۔ پھر انگریزی مڈل کے امتحان میں شریک ہوئے۔ اور بطور خود انگریزی میں انٹرینس کلاس کی استعداد بہم پہنچائی۔

مولوی سید کرامت حسین صاحب بہار تخلص سے فارسی کی کتابیں پڑھیں اور فن شعر میں بھی انھیں سے اصلاح لی، کچھ عرصہ کے بعد حضرت بیان ویزدانی میرٹھی کے کلام کو دیکھ کر پسند کیا، اور اپنے آپ کو ان کا شاگرد معنوی سمجھنے لگے۔ وہ پہلے وحشت تخلص کرتے تھے، پھر سرور تخلص قرار دیا،

وہ کچھ عرصہ تک ایک رئیس ضلع بجنور کے صاحبزادے کی تعلیم پر مامور اور دو تین سال رسالہ ''زمانہ'' کانپور کے دفتر میں رہے۔ بعدہٗ اپنے وطن جہان آباد میں آ کر مطب شروع کیا مگر اس کو وجہ معاش قرار نہیں دیا، اگر کوئی مریض فیس کے قبول کرنے کے لیے

اصرار کرتا تھا تو کہہ دیتے تھے کہ "تھوڑی سی شراب لے آ۔

سرور مرحوم متواضع، نیک طینت اور راست باز تھے، اور شعر و سخن ہر وقت ان کی دل بستگی کا مشغلہ تھا۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑے عالم یا صاحب ثروت و جاہ نہ تھے، لیکن شاعر کو ان میں سے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے، وہ عالم خیال کا بادشاہ ہوتا ہے، اور کسی کی دولت و ثروت کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہوتی نیچر اس کی روح کے لیے اپنی کرشمہ سازیوں کی وہ رنگینیاں پیش کرتی ہے جس سے اس کی زندگی خوشگوار اور اس کا وقت بہار بے خزاں بن جاتا ہے اور اہل دانش اس مہبط انوار قدسی کو اپنے سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔

جب ان کی اہلیہ اور اس کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے نے (جو سات سال تک آغوش سرور میں پرورش پاتا رہا) ان سے مفارقت دائمی اختیار کی، اُس وقت سے سرور مبرور نے اس نشا فانی کے عیش و راحت کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا تھا، اور دنیا کے کار و بار کی وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، البتہ اس تنہائی اور بے کسی کے ایام میں شاعری ان کی مونس و رفیق تھی، مگر فن سخن کے ساتھ کم بخت شراب بھی غم غلط کرنے کے لباس میں ان کی مصاحب ہو گئی، جس نے بالآخر ذات الجنب کی صورت اختیار کی اور وہ 30 نومبر 1910 کو بیمار ہو کر 3 دسمبر 1910 کو 37 سال کی عمر میں بمقام پیلی بھیت جہاں وہ اپنے بھائی منشی مصری لال صاحب ورما کے پاس مقیم تھے راہی ملک بقا ہوئے، افسوس! سرور سا نونہال گلزار سخن صرصر فنا کے ایک جھونکے سے پژمردہ ہو گیا، اور ایسے گوہر آبدار کو دستبرد زمانہ نے ہم سے چھین لیا جواں مرگی کا داغ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے، پھر ایسا بلبل ہزار داستان چار روز کی بیماری میں ہنستا بولتا دفعتہ نقاب احتجاب میں چھپ جائے وہ زخم ہے جس کا التیام ممکن نہیں۔ سرور نہیں گئے۔ سوز و گداز، کاہش و درد، افسوں و افسانہ ساقی و پیمانہ،

حسرت وعبرت، طریقت ومعرفت کی مجلسوں اور ہنگامہ آرائیوں کو درہم وبرہم کر گئے آہ! ؎

نہ نقش پائے عزیزاں، نہ بانگ کوس رحیل
یہ کب، کدھر کو گیا کارواں نہیں معلوم

حالت مرض میں شراب کی احتیاط کی جاتی تھی جب ایک روز خدمت گار نے بجائے شراب مرحوم کو پانی کا گلاس دیا تو ہنسے اور فرمایا ؎

بجائے مے دیا پانی کا ایک گلاس مجھے
سمجھ لیا مرے ساقی نے بد حواس مجھے

پنڈت دیا شنکر نسیم کے بعد اب تک کسی شاعر کو فرقۂ ہنود میں یہ مقبولیت نصیب نہیں ہوئی۔ ابتدا میں ان کا کلام اخبار انیس ہند، میرٹھ میں شائع ہوتا رہا، اس کے بعد رسالہ اردوے معلیٰ ومخزن کو ان کی نظم نے زینت دی۔ اور زمانہ کے لیے تو سرور نے اپنے آپ کو وقف ہی کر دیا تھا،

رسالۂ ادیب کی عمر ابھی صرف ایک سال کی ہے اس میں بھی مرحوم نے اپنی گل افشانی کی۔

نیچرل نظم کے موجد اگرچہ پروفیسر آزاد مرحوم اور شمس العلما حضرت خواجہ حالی مدظلہ العالی ہیں مگر سرور مبرور نے اس کو ایشیائی شاعری کی رنگینی سے بہت کچھ دل آویز کر دیا۔

فارسی ترکیبیں وہ حسن وخوبی کے ساتھ اپنے اشعار میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے سوا تشبیہات بلیغ اور استعارات لطیف سے ان کا کلام دلربائی کی ایک خاص شان رکھتا ہے۔

سرور مرحوم کی شاعری میں جوش طبیعت میں سوز وگداز اور بیان میں تاثیر ہے البتہ ''آہ'' کا بہت استعمال کیا ہی بلکہ یہ غلط کیا ہے کہ کہیں کہیں شعر میں کی الفاظ کو بلا ضرورت بھی اسی لفظ سے پورا کیا ہے جابجا کچھ اور کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں جن پر ہم نے صفحات

آیینہ میں ان کے انتخاب کلام میں خط کھینچ دیا ہے، مگر جب ہم روح رواں شاعری یعنی جذبات وواردات، خیالات کی فراوانی، مضامین متنوعہ پر قدرت نظم اور اصناف سخن پر تسلط کی کیفیت کا معائنہ کرتے ہیں اور ان کا کلام پڑھتے ہیں تو یہ کمزوریاں ہمارے سرور میں خلل انداز نہیں ہوتیں، بلکہ حسن معانی ہم کو ان کے احساس ہی کی فرصت نہیں دیتا۔

تعجب ہے کہ وہ ایسے مقام میں پیدا ہوئے جس کی آب وہوا میں شاعری کا نشونما پانا غیر ممکن نہ تھا، نہ وہاں شعر وسخن کا چرچا تھا، اور نہ کوئی علمی سوسائٹی تھی ان حالات پر نظر کر کے ان کی سخن پروری اور نکتہ پردازی ایک معجزہ معلوم ہوتی ہے۔

اس تمام ترقی کا سبب سوا اس کے کچھ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے اردو اساتذہ دہلی کے کلام کا مطالعہ خوب غور سے اور بار بار کیا، اور صحیفۂ فطرت پر بھی وقتاً بعد وقت نگاہ ڈالتے رہے، اور سب سے زیادہ وہ اس بات میں خوش قسمت ہوئے کہ نیچر نے ان کو شاعر بنانے میں بخل نہیں کیا، بلکہ فیاضی سے درد وتپش، سوز وگداز کی دولت عطا فرمائی۔

غزل گوئی کی جانب گو انھوں نے توجہ نہیں کی مگر کوئی نظم ان کی ایسی نہیں ہے جس کو تغزل کی رنگ آمیزی نے شوخ نہ بنا دیا ہو۔

افسوس ہے کہ مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ یہ تمام محاسن جن پر ان کی ذات سے فن شعر کو آج ناز ہے پایہ کمال کو پہنچ جاتے۔

ہندو اور مسلمان دونوں نے ان کے کلام کی داد دی، اور یہ دونوں گروہ ان کی مرگ ناہنگام کے ماتم میں شریک ہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ مناظر قدرت، نیرنگی عالم اور وطن پرستی پر ایسی دلکش سخن طرازی پھر دیکھنے اور سننے میں آئے گی،

اب ہم ان کے کلام کا نمونہ جو انھوں نے بعض مقاصد مختلفہ پر لکھا ہے ہدیۂ ناظرین کرتے اور مرحوم کو ادائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔

عرض مرتب

کلیات سرور مرتب کرتے وقت درگا سہائے سرور کے دونوں شعری مجموعوں جام سرور اور خمخانۂ سرور کے دیباچے اور حالات مصنف من وعن کلیات میں شامل کیے گئے ہیں۔ جام سرور کا دیباچہ اور حالات مصنف منشی نوبت رائے نظر لکھنوی نے لکھے ہیں اور خمخانۂ سرور پر تمہید جناب ثاقب لکھنوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں اصحاب کی تحریروں کو کلیات میں شامل کرنے کا واحد منشا تھا کہ قارئین سرور کی قادر الکلامی سے بخوبی بہرہ ور ہو جائیں۔ سرور کو اپنی زندگی میں ایسی مقبولیت حاصل تھی جو بہت کم شاعروں کو نصیب ہوئی ہے۔ ان کے معاصرین نے دل کھول کر داد دی ہے۔ اپریل 1906 کے معیار میں محشر لکھنوی لکھتے ہیں: ''سرور جہان آبادی اور مجھ سے شناسائی ہے۔ ان کی خوش گوئی اور خوش فکری سے بہت عرصہ ہوا کہ میں ان کا مشتاق ہوں۔ انھوں نے فطری مادۂ شاعری سخن سنجی کو اختیار کیا ہے اور مذاق سلیم ان کا خاص حصہ ہے۔''

''زبان'' دہلی کے ایڈیٹر مائل دہلوی فروری 1910 کے شمارے میں لکھتے ہیں ''سرور کا کلام درد و تاثیر سے ہوتا ہے اور ان کا رنگ اتنا اچھوتا ہے کہ ان کے معاصرین میں کسی ایک کو بھی نصیب نہیں ہے! ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشند خدائے بخشندہ۔

''مشرق'' گورکھ پور کے ایڈیٹر لکھتے ہیں کہ 'نظم ادائے شرم' پر جو کچھ سرور نے لکھا ہے وہ خاص ان کا حصہ ہے۔ جدید دور کے اردو شاعروں میں اور جدید اردو شاعری میں سرور کا سکہ چلے گا۔ لوگ نثر میں بھی یہ خوبصورت تصویریں کھینچ سکتے۔ تمام اوصاف شاعرانہ کے ساتھ جناب سرور نے صحیح تصویر 'ادائے شرم' کی کھینچ دی ہے اس کی تعریف کیا ہو سکتی ہے۔

''اردوئے معلیٰ'' کے ایڈیٹر حسرت موہانی لکھتے ہیں کہ نظم میں منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی کے جادو نگار قلم نے بیر بہوٹی کی تصویر کشی میں حد درجہ پسندیدہ الفاظ کا اور نئی نئی تشبیہوں سے کام لیا ہے۔'' دیا شنکر نسیم کی مرگِ بے ہنگام کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے جس کا ماتم دنیائے ادب کے ہر گوشے میں ہوگا اور آئندہ اردو شاعری کے جتنے تذکرے لکھے جائیں گے ان سب میں سرور کے نام کے ساتھ ان کی جواں مرگی پر ہر تذکرہ نویس اظہار افسوس کرے گا۔

ہم کو سرور کی ذات سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں لیکن افسوس کہ ان کی بے وقت وفات نے ان سب کا خون کر دیا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اگر سرور کی زندگی وفا کرتی تو خدا جانے ان کی شاعری کا مرتبہ کہاں پہنچ جاتا۔ اس قلیل مدت عمر میں بھی وہ جو کچھ لکھ گئے ہیں بقائے دوام کی سند حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی ہے۔''

جوش ملیح آبادی ''خم کدۂ سرور'' میں تمہید کے تحت لکھتے ہیں کہ'' سرور جہان آبادی کے کلام کو میں نے جستہ جستہ پڑھا ہے جس کا میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ مرحوم سینے میں ایک دردمند دل رکھتے تھے جنھوں نے جھوٹی اور مہمل شاعری کو جو آج تک اردو کی دنیا میں نظر آ رہی ہے سرور نے کبھی منہ نہیں لگایا۔ وہ جو چیز محسوس کرتے تھے اس کو نظم کرتے تھے اور اس طرح نظم کرتے تھے کہ اشعار کے اندر ان کا دل دھڑکتا نظر آتا تھا۔ یہ درست ہے کہ سرور کے سے شاعر کم پیدا ہوا کرتے ہیں۔

نیاز فتح پوری خم کدۂ سرور پر تبصرہ کرتے ہوئے 'نگار' بابت جولائی 1936 میں لکھتے ہیں: ''سروران شعرا میں سے تھے جنھوں نے موجودہ شاعری کی طرح ڈالنے میں حصہ لیا تھا اور جن کی خدمات اردو زبان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ سرور کے کلام کی معنی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔''

پنڈت آنند نرائن ملا کے شعری افکار و میلانات کا تجزیہ کرتے ہوئے آل احمد سرور لکھتے ہیں کہ ملا صاحب کی شاعری پر کچھ اثر سرور جہان آبادی کی شاعری کا بھی ہے۔ ملا صاحب کی انتہائی مشق کا زمانہ سرور کی شاعری کے شباب کا زمانہ تھا اور اس کا اثر اس زمانے کے بہت سے شعرا نے قبول کیا ہے۔ عام طور پر شعرا اپنے معاصرین کی تعریف کو اپنے کمال کے نقصان کے مرادف سمجھتے ہیں۔ سرور بڑے ظرف والے اور تہ دار انسان تھے۔ علامہ اقبال نے انگلستان جا کر خاموشی اختیار کر لی تو سرور نے ایک محبت آمیز نظم کہہ کر انھیں دعوت شعر و سخن دی۔ اس نظم کا عنوان ''فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال'' ہے

ترانۂ لبِ شیریں نوا کے دن آئے
غزل سرا ہو کہ تیری صدا کے دن آئے

اس پر اقبال نے ایک خط اور غزل بھیجی تو مخزن بابت دسمبر 1906 میں شائع ہوئی۔ اقبال کی غزل کا مطلع ہے:

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

جب سرور اپنے لخت جگر کو نذر آتش کر کے لوٹ رہے تھے تو راستے میں اپنے ایک دوست منشی عبداللہ خاں کے مکان پر بیٹھ گئے۔ یہاں انھوں نے ''دلِ بے قرار سو جا'' کے نام سے اپنے لخت جگر کے لیے ایک لوری لکھی اور کاغذ اپنے دوست کو تھما کر چل دیے۔ یہ

سرور کے دکھے دل کی آواز تھی۔ مدتوں یہ لوری ماؤں کی ورد زباں رہی ۔

کسی مست خواب کا ہے عبث انتظار سوجا
کہ گذر گئی شب آدھی دلِ بے قرار سوجا
یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا کے سرد جھونکے
تجھے دے رہے ہیں لوری مرے غم گسار سوجا

ہمارے ادیبوں اور شاعروں کی تنگ دستی اور مفلوک الحالی ضرب المثل ہے اور یہ تنگ دستی بہت سے شاعروں کی اپنا کلام غیر شاعروں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول بیچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اردو ادب میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں۔ مصحفی اردو شاعری کی بدولت کیسے کیسے بنا شاعر شاعر بنا بیٹھے۔ سرور جہان آبادی شاعروں میں سے تھے جنھیں نا مساعد حالات سے مجبور ہو کر اپنا کلام دوسروں کے ہاتھ بیچنا پڑا۔ یہی اردو ادب کی بیشتر تاریخوں اور تذکروں میں کلام سرور کے ضائع ہو جانے اور دوسروں کے نام سے چھپنے پر اظہار افسوس کیا گیا ہے۔ جناب رام بابو سکسینہ تاریخ ادب اردو (انگریزی) میں لکھتے ہیں:

'سرور کا بہت سے کلام ضائع ہو گیا یا نا شاعروں اور کم مایہ لوگوں نے ہتھیا لیا' کبھی حقیر معاوضہ دے کر کبھی معاوضہ کے بغیر۔ سرور کی وفات کے بعد فروری 1915 میں کچھ خطوط شائع ہوئے تھے جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جو کہ کم از کم ایک شخص نے سرور کی تنگ دستی سے فائدہ اٹھا کر ان سے مختلف عنوانات پر نظمیں لکھائیں اور ادبی دنیا کے سامنے اپنے نام سے پیش کیں''۔

لالہ شری رام دہلوی لکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ کہ سرور نے اپنے بیش بہا کو کوڑیوں کے بدلے فروخت کیا اور ہندوستان کے جادو بیاں شاعر کالی داس کی نظموں کو اردو لباس پہنا کر ایسے لوگوں کے نام سے موسوم کیا جو اس کی باریکی نازک خیالی اور لطافت کو سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔

جگر بریلوی رقم طراز ہیں: ''سرور کی بے شمار رباعیات پیارے لال شاکر میرٹھی کے نام سے شائع ہوئیں۔ ایسی نظموں میں ایک مجموعہ ''اکسیر سخن'' ہے جو کالی داس کے رتو سنگھار کا منظوم ترجمہ ہے اور نیچرل شاعری کا بے نظیر نمونہ ہے۔ رسالہ 'زمانہ' بابت ماہ فروری 1995 میں 'سرور و شاکر' کے نام سے ایک مفصل مضمون درج ہے۔ اس میں خود شاکر کے خطوط سے ثابت کیا ہے کہ اکسیر سخن اور بعض دوسری نظمیں جو شاکر کے نام سے شائع ہوئیں، سرور کی تصنیف تھیں۔ موصوف اپنی 'کتاب یاد رفتگاں'' کے صفحہ 4 پر رقم طراز ہیں کہ سرور کے کلام کی کشش مولانا الطاف حسین حالی کو جہان آباد کھینچ لے گئی۔ جب خواجہ صاحب آپ کے مکان پر وارد ہوئے تو آپ خلوت خانہ میں شراب کے نشہ میں چور ایک ٹوٹی چار پائی پر بے ہوش پڑے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے معزز مہمان کو اپنے دیوان خانہ میں ٹھہرایا اور بیٹے کو غسل کرایا، کپڑے بدلوائے اور ملاقات کے لیے باہر بھیجا۔ بڑی دیر تک خواجہ صاحب آپ کی نظمیں سن سن کر سر دھنتے رہے۔

مندرجہ بالا حکایات کو قارئین سے روشناس کرانا ضروری سمجھا گیا۔

سرور کی شاعری قدیم اور جدید کلاسیکیت اور رومانیت کا خوشگوار اور حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ قدیم اور جدید خیالات اور اسالیب کو جذب کر کے اردو نظم کو ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ جدید نظم کو اپنی فنکاری اور خلوص سے لذت کام و دہن عطا کر کے اس مرتبے کی چیز بنا دیا ہے کہ وہ غزل سے آنکھیں ملا سکے۔ سرور کی آواز میں ایک اثر اور جادو تھا جس نے شعرا کو اپنی طرف کھینچ لیا ان کا اثر ایک پوری نسل نے قبول کیا۔ اس فہرست میں جوش ملیح آبادی پنڈت برج نرائن چکبست تلوک چند محروم، منشی مہاراج بہادر، برقؔ دہلوی، ساغر نظامی، روش صدیقی وغیرہ شعرا کے نام شامل ہیں۔ اس اعتبار سے سرور جہان آبادی کی شاعری سارے ادب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ چند سطور لکھتے وقت جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے ان کے نام ہیں۔

1۔ سرور جہاں آبادی ، حیات اور شاعری، (مصنفہ ڈاکٹر حکم چند نیر، شعبۂ اردو بنارس یونیورسٹی)

2۔ نوائے سرور (سرور جہان آبادی کے منتخب کلام مصنفہ ڈاکٹر حکم چند نیر)

بندے ماترم

یہ بنگالیوں کی مشہور نظم کا ترجمہ ہے

اُف، یہ تیری چاندنی، راتوں کا منظر خوشنما — آہ! یہ اشجار، یہ پھولوں کا زیور خوشنما
سو تبسم تیرے انداز تکلم پر نثار — دل کو کرتی ہیں تری شیریں صدائیں بے قرار

سرزمین عیش ہے اے مادرِ دل سوز تو
آرزوؤں کی ہے بزم انبساط افروز تو

تیرا دیوا ستھان دیوی دل کے کاشانے میں ہے — تیری تصویر مقدس ہر صنم خانے میں ہے
بجلی تو ہے زمانہ میں اجالا ہے ترا — ہر کنول کا پھول پانی میں شوالا ہے ترا

سرسوتی کا روپ ہے درگا کا ہے اوتار تو
نطق و دانش کی ہے دیوی مادرِ غمخوار تو

لکشمی جی

اس نظم میں سرور مرحوم نے ہندی الفاظ کو اس حسن کے ساتھ نظم کیا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ اجنبیت کے سبب سے شعر میں ثقل پیدا کریں، دل کو نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں،

سُبھ صورت وہ عجب تھی، وہ عجب سبھ تھی لگن — کہ جب آکاش سے اترا تھا ترا سنگھاسن
نظر آئی تری صورت عجب حُسن کی جوت — تو نے دیوی ہمیں اپنی جو دکھائے درشن
اک چکا چوند کا عالم دمِ نظارہ تھا — گورا گورا تنِ نازک تھا سراپا کندن
شعلۂ حُسن دل افروز بھڑک اٹھتا تھا — رُخِ روشن پہ جو پڑ جاتی تھی سورج کی کرن

شعلۂ حسن دل افروز بھڑک اٹھتا تھا　　رُخِ روشن پہ جو پڑ جاتی تھی سورج کی کرن
تھی چمک آہ ترے چاندی رخساروں کی　　کسی مندر میں تھی یا گھی کے دیے دو روشن
ترچھی بانکی وہ کمانیں تھیں کڑی دونوں بھویں　　لیے پھرتے تھے کبھی بن میں جنھیں رام لکھن
تیری ماتھے پہ تھا چندن کا لگا یا ٹیکا　　اپسراؤں نے کیا تھا تری رخ پر اُبٹن
رخ تاباں پہ برستا تھا ترے نورا زل　　بن کے ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن

گنگا جی

او پاک نازنین! او پھولوں کے گہنے والی　　سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی
او ناز آفریں! او صدق و صفا کی دیوی　　او عفتِ مجسم اپربت کی رہنے والی
صلِ علیٰ! یہ تیری موجوں کا گنگنا نا　　وحدت کا یہ ترانا! او چپ نہ رہنے والی
حسنِ غیور تیرا ہے بے نیازِ ہستی
تو بحرِ معرفت ہے او پاک بازِ ہستی
ہاں تجھ کو جستجو ہے کس بحرِ بیکراں کی　　ہم پر تو کچھ حقیقت کھلتی نہیں جہاں کی
اے پردہ سوزِ امکاں اے جلوہ ریزِ عرفاں　　تو شمعِ انجمن ہے کس بزمِ داستاں کی
کیوں جادۂ طلب میں پھرتی کشاں کشاں ہے　　تجھ کو تلاش ہے کس گم گشتہ کارواں کی
جاتی ہے تو کہاں کو، آتی ہے تو کہاں سے
دل بستگی ہے تجھ کو کس بحرِ بے نشاں سے

شفق شام

سکوت شام میں ہے جلوہ بہار شفق
کنول کے پھول ہیں یا زینت کنار شفق

خوشا وہ عالم طفلی خوشا وہ موسم گل
خوشا وہ دن کہ میں تھا محو انتظار شفق

سحر کو آنکھوں میں ڈوری وہ سرخ سرخ دریغ
ہزار حیف وہ سر مستی خمار شفق

سواد شام کا منظر وہ چشم پر خوں میں
وہ شب کو نیند نہ آنا وہ انتظار شفق

کہاں وہ ذوق تماشا، کہاں وہ ابر بہار
لہو کی بوند ہے اک دل میں یادگار شفق

کدھر گئی وہ گل افشانی عروس فلک
بہت دنوں سے ہوں حسرت کش بہار شفق

شباب ہٹ! کہ میں طفلی کی نیند سو جاؤں
نسیم دے مجھے لوری لب کنار شفق

بیر بہوٹی

یہ نظم کیٹس کی مشہور نظم "ڈیمیکیل" کے انداز پر تحریر کی ہے، کیٹس نے اپنی نظم میں ایشیائی شاعری کی تمام خوبیاں صرف کی ہیں، بلکہ یہاں تک رنگین بیانی کی ہے کہ ایک مقام پر "آتش گل" کا بھی ترجمہ کر دیا ہے، جناب سرور نے بھی اس نظم میں تشبیہات مرغوب اور استعارات خوش اسلوب سے حق شاعری ادا کیا ہے۔

آہ! او ننھے سے کیڑے نازش صحرا ہے تو
شعلہ زار حسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہے تو

کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا
سرخ ڈورا ہے کسی چشم فسوں پرداز کا

گل بداماں ہے شفق میں شعلہ تنویر حسن
خون عاشق یاز میں پر ہے گریباں گیر حسن

جلوۂ گل ہے فضائے وادیٔ پُر خار میں　　سرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں
مختصر خون شہیداں ہے ترا دامان سرخ　　یا ہے خون کشتگان عشق کا عنوان سرخ
بادۂ گلگوں ترے چھوٹے سے پیمانے میں ہے　　عالم نیرنگ و فسوں تیرے میخانے میں ہے
جلوۂ گل سے ہے رنگین روی زیبائے بہار　　نازنیں ہے یا کوئی محو تماشائے بہار
سبزۂ کہسار نے یا لعل ہے اگلا کوئی　　چھن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

نوحہ شمس العلماء پروفیسر آزاد

تو کہاں ہے آہ! اب اونازش بزم سخن　　محشر ستان عزاداری ہے تیری انجمن
تیرے غم میں تیرے دیوانے ہیں سرگرم تپش　　بجھ گئی شمع اور پروانے ہیں سرگرم تپش
چھپ گیا کیا آہ! تو اے نیر اوج کمال　　شام غم کا ہے سیہ خانہ تری بزم خیال
تری محفل میں کہاں اب وہ چراغ آرزو　　اب نظر آتا ہے اک دھندلا سا داغ آرزو
اب نہ وہ صحرا نوردی ہے نہ وہ ایذائے خار　　اب اڑائے پھرتی ہے باد صبا تیرا غبار
اب کہاں دلی کی گلیاں اب کہاں جوش جنون　　اب کہاں زلفِ پریشاں دوش بدوش جنوں
اب رگ جاں میں کہاں وہ نوک نشتر کی خلش　　جسم لاغر میں کہاں اب تار بستر کی خلش
اب کہاں وہ آہ! سر پر طرۂ دستار کج　　جوش وحشت میں کہاں وہ شوخیٔ رفتار کج
اب کہاں وہ صحبت احباب سے بیگانگی　　نازشِ فرزانگی، اب وہ کہاں دیوانگی
ہائے آشفتہ بیانی کا وہ عالم پھر کہاں　　شاہد مضموں کے وہ گیسوے برہم اب کہاں

سیتا جی کی گریہ وزاری

(رام چندر جی کی بن باس کے وقت)

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
رکھا تمھارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو

نازک ہے میرا شیشہ دل ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمھارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا

راتیں نہ کٹ سکیں گی اکیلے فراق میں
کڑیاں وہ جس نے جھیلی ہوں جھیلے فراق میں

قسمت نے جب سے باپ کے گھر سے کیا جدا
سوامی! مجھے نہ تم نے نظر سے کیا جدا

پتلی کی طرح آنکھوں میں شام وسحر رہی
پہلو میں بن کے صبر و شکیب جگر رہی

دُکھ آج تک سہا نہ غم روز گار کا
مجھ پر کرم رہا ستم روز گار کا

صدمے تمھارے ہجر کے کیوں کر اٹھاؤں گی
میں مر مٹوں گی دکھ جو یہ دم بھر اٹھاؤں گی

ہمراہ بن کو ناتھ مری روح جائے گی
سائے کی طرح ساتھ مری روح جائے گی

مجھ سے شب فراق میں تڑپا نہ جائے گا
روز سیاہ ہجر کا دیکھا نہ جائے گا

گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو

مانا کہ دشت میں غم وآلام ہیں بہت
بن باسیوں کو دکھ سحر و شام ہیں بہت

ایذا اگر چہ آبلہ پائی کی ہے کڑی
دوزخ سے بڑھ کے آگ جدائی کی ہے کڑی

یہ آگ وہ ہے جو دل مضطر کو پھونک کر
بجھتی ہے آرزو کے بھرے گھر کو پھونک کر

وابستہ آہ! تم سے ہیں سارے جہاں کی عیش
رنج فراق دوں جو تمھیں تو کہاں کے عیش

تاریک تم بغیر ہے عالم مرے لیے
فردوس بھی ہے آہ! جہنم مرے لیے

جلوہ امید

خوشنما چوٹی ہمالہ کی تھی اک پیش نظر تھاسکوت شب میں اس پر اک ستارہ جلوہ گر
ہلکی ہلکی کچھ عجب تسکیں فزا تھیں روشنی پیاری پیاری تھیں شعاعیں، دلربا تھی روشنی
رومی روشن کی ضیا تھی جلوہ افروز نشاط تھا فروغ حسن دلکش شمع بزم انبساط
نجم نورانی نہ تھا اک کوکب امید تھا پر تو حسن ازل تھا جلوۂ جاوید تھا
کچھ عجب دلکش ادا سے تھا فلک پر جلوہ گر تھا نگاہ نازکا جادو مسلط خلق پر
یہ وہ جادو تھا، دلوں پر جس نے افسوں کردیا موتیوں سے دامنِ امید جس نے بھر دیا
تھے پریشاں آہ! اک مدت سے جو اجزائے قوم متحد ہوکر وہ آخر بن گئے شیدائے قوم
بھائی بھائی آہ! جو برسوں کے تھے بچھڑے ہوئے تھے جو زنجیر نفاق قوم میں جکڑے ہوئے
ان میں یک رنگی کا عالم پھر نظر آنے لگا اور ہم آہنگی کا عالم پھر نظر آنے لگا
سونے والو خواب سے چونکو سحر ہونے کو ہے آفتابِ ذب قومی جلوہ گر ہونے کو ہے

ترانۂ وحدت

یہ نظم مرحوم کی ایک آخری یادگار ہے۔

دل میں آنکھوں میں ترے حسن کی ہے جلوہ گری یہ وہ شیشے ہیں کہ جن میں مئے وحدت ہے بھری
تو وہ خود بیں وخود آرا کہ پس پردہ ناز محو آئینہ تمکین ہے تری عشوہ گری
میں وہ سرگرم تحیر کہ دم آرائش تک رہی ہے ترا منہ میری پریشان نظری

دین و دنیا کا رہا ہوش نہ مےخواروں کو　　تیری آنکھوں نے پلائی وہ مے بےخبری
محفل یار میں دل اور کوئی دم جلتا　　ساتھ تونے نہ دیا آہ! چراغ سحری
اشک کہتے ہیں کہ پھیکا ہے ابھی رنگ وفا　　المدد المدد اے لخت خون جگری
اس کے کوچے میں مری خاک کو کرنا برباد　　آخری تجھ سے وصیت ہے نسیم سحری
دل بیتاب ہے جولاں نگہہ صد برق تپش　　رخصت اے قافلۂ صبر شکیب جگری
حسن پنہاں ہے چراغ تہ داماں تیرا　　برق بے پردہ ہے پردہ میں تری جلوہ گری
یادگار اپنی تجھے، کنج قفس میں دم مرگ　　چھوڑے جاتے ہیں ہمارے حسرت بےبال وپری
شعبدے ہوتے تھے برپا نہ جہاں میں شب وروز　　تیری آنکھوں میں یہ پہلے تو نہ تھی فتنہ گری
اٹھ گیا دامن صحرا سے ترا دیوانہ　　سر پٹکتی ہوئی اب پھرتی ہے شوریدہ سری
کوئی دن اور ہے اڑنے کی تمنا صیاد　　خاک اڑائے گی کبھی حسرت بے بال و پری
تکتی ہے تیرے تصور میں دم بازپسیں　　ہائے کس یاس سے منہ سب کا پریشاں نظری
اپنے بیمار محبت کی خبر لے اب تو　　کہ ہے مہماں کوئی دم کا یہ چراغ سحری

ـ کہ ہے مہمان کوئی دم کا یہ چراغ سحری، ہائے وہی ہوا اس کے بعد اب پھر کبھی سرور کے دم سے چراغ سخن روشن نہیں ہوگا۔

علی گڑھ مارچ 1911

نمقہ تردامن حسن المتخلص بثاقب (مدیر قند پارسی)

زمزمۂ توحید

عقل دقیقہ رس کا دوڑا سمند برسوں　　روندا کیا جہاں کے پست و بلند برسوں
ڈھونڈا کیا تجھے میں زار و نثرند برسوں　　بامِ فلک پہ پھینکی اڑ کر کمند برسوں
تیرا پتہ نہ پایا او لامکان والے
سارے جہاں میں ڈھونڈا سارے جہان والے

بلبل کا ہم نوا میں اکثر رہا چمن میں　　بیٹھا کیا بہت دن پھولوں کی انجمن میں
خلوت نشیں رہا یوں غنچوں کے پیرہن میں　　دوڑا کیا میں برسوں اس وادی کہن میں
دنیا کو چھان ڈالا تیرا پتہ نہ پایا
نقش قدم کا تیرے جلوہ نظر نہ آیا

اک عمر بت کدے میں رگڑا کیا جبیں میں　　کعبے میں بن کے بیٹھا اکثر حرم نشیں میں
برقِ خیال بن کر دوڑا تہ زمیں میں　　تاروں کی انجمن میں اکثر رہا مکیں میں
لیکن کہیں تجلی تیری نظر نہ آئی
وہم و گماں نے یارب! تیری نہ کنہ پائی

جنگل میں آہ! برسوں دھونی رما کے بیٹھا　　پربت پہ بن کے جوگی آسن جما کے بیٹھا
صحرا کی وادیوں میں آنکھیں بچھا کے بیٹھا　　تیرے لیے جہاں سے میں ہاتھ اٹھا کے بیٹھا
محوِ طلب رہا ہوں دیوانگیوں میں برسوں
بیٹھا فقیر ہوکر میں تیاگیوں میں برسوں

وحدت کا آہ! تیری رازِ نہاں نہ پایا — ایسا نشان لیکن او بے نشاں نہ پایا
وہ سر زمین نہ پائی۔ وہ آسماں نہ پایا — خلوت نشیں جہاں ہے تو، وہ جہاں نہ پایا

ذرّوں میں اڑ کے چمکا، تاروں میں جا کے جھلکا
جلوہ نظر نہ آیا پر شاہد ازل کا

لیکن نہ آستاں تک تیرے ہوئی رسائی — دوڑا کیا بہت دن سر شوق جبہ سائی
تیری مگر تجلی مجھ کو نظر نہ آئی — دیر و حرم میں برسوں کی قسمت آزمائی

تو جلوہ گر کہاں ہے؟ او دو جہاں کے مالک
شمس و قمر میں کیا ہے؟ او آسماں کے مالک

یارب! ہے کس چمن میں بادِ نسیم تیری — پھولوں میں آہ! کیا ہے موجِ شمیم تیری
آرام گاہ ہے کیا باغ نعیم تیری — پھولوں میں کیا ہے بوئے رازِ قدیم تیری

تو عرش کی فضا میں ہے یا بہشت میں ہے
کعبے میں تجھ کو ڈھونڈوں یا تو کنشت میں ہے

کھویا گیا ہوں اکثر میں کوئے آرزو میں — آوارہ مدّتوں سے ہوں تیری جستجو میں
کیا تیرے زمرے ہیں بلبل کی گفتگو میں — جلوہ فزا ہے کیا تو پھولوں کے رنگ و بو میں

میں محوِ ذوق تیری وحدت کے راگ کا ہوں
پروا نہ آہ! تیری الفت کی آگ کا ہوں

ہے شیخ و برہمن کے لب پر ترا فسانہ — حسرت کشِ تکلم ہے آہ! اک زمانہ
کچھ سوز عاشقانہ کچھ ساز مطربانہ — وحدت کا آہ تیری میں بھی سنوں ترانہ

پردے میں بانسری کی مجھ کو صدا سنا دے
بنسی بجانے والے! وحدت کا گیت گا دے

لکشمی جی

شُبھ مہورت وہ عجب تھی وہ عجب سبھ تھی لگن
کہ جب آکاش سے اترا تھا ترا سنگھاسن
نظر آئی تری صورت میں عجب حسن کی جوت
تو نے دیوی ہمیں اپنے جو دکھائے درشن
اک چکا چوند کا عالم دمِ نظارہ تھا
گورا گورا تن نازک تھا سراپا کندن
شعلۂ حسن دلِ افروز بھڑک اٹھتا تھا
رخِ روشن پہ جو پڑ جاتی تھی سورج کی کرن
تھی چمک آہ! ترے چاند سے رخساروں کی
کسی مندر میں تھے یا گھی کے دیے دو درشن
ترچھی بانکی وہ کمانیں تھیں کڑی دونوں بھویں
لیے پھرتے تھے کبھی بن میں جنھیں رام و لکھن
دل کو چھینے لیے جاتی دمِ نظارہ تھی
پیاری پیاری تھی عجب چاند سے مکھڑے کی پھبن
تیرے ماتھے پہ تھا چندن کا لگا یا ٹیکا
اپسراؤں نے کیا تھا ترے رخ پر اُبٹن

اور کنول کے تجھے پھولوں کا پہنا کر زیور
اُف رہی مشاطہ گری تجھ کو بنایا تھا دلہن

ناز تھا شاہد رعنائے ازل کو جن پر
ترے حصے میں وہ بتیسوں تھے آئے ابھرن

رخ تاباں پہ برستا تھا ترے نور ازل
بن کے ساون کی جھڑی، اور کبھی بھادوں کی بھرن

بھولی بھولی سی وہ صورت، وہ ادائیں پیاری
پینچی پینچی وہ نگہ، اور وہ انوکھی چتون

کوکلا سی وہ تری ہائے سریلی آواز
میٹھے میٹھے ترے ڈوبے ہوئے امرت میں بچن

گوری گوری تھی جبیں برج کی سندر کوئی نار
زلف تھی یا کوئی متھرا کی سکھی شام برن

خوشنما کانوں میں کنڈل تھے تو ہاتھوں میں کنول
اوڑھنی ہلکی سی ریشم کی تھی ایک زیب بدن

مچ گئی دھوم تری جلوہ گری کی پھر تو
پھوٹ نکلی تری شہرت کی زمانے میں کرن

اہل نظارہ سے تصویر تری بول اٹھی
لکشمی ہوں، تمھیں دینے کو ہوں آئی درشن

□□□

آہ! اے رونقِ خلوت کدۂ عیش و نشاط
آہ! اے شاہدِ رعنائے ازل کی دُلہن
آہ! اے عفت و عصمت کی مجسم دیوی
میرا منہ کیا ہے کروں جو تری مہمابرنن
سب سے پہلے ترا بھارت میں ہوا آہ! ظہور
سب سے پہلے یہیں اٹھی ترے در کی چلمن
تو وہ مورت تھی کہ اے بعت زیبا تمثال
سب سے پہلے ترا بھارت میں ہوا استھاپن
سب سے پہلے تھی جو رشیوں کی زمیں پر چمکی
وہ ترے حسن کی ضو تھی، ترے جلوہ کی کرن
جس میں امید کا چہرہ نظر آیا ہم کو
تیرے ہی حسن دل افروز کا تھا وہ درپن
کھڑکیاں تیرے شوالے کی تھیں آنکھیں اپنی
ان جھروکوں سے کیا کرتے تھے تیرے درشن
یاتری آتے تھے دیوی ترے لللہ جھانکنے کے لیے
دھوم متھرا سے جو تھی حسن کی تابندرا بن
جوت اس روپ سے تیری نظر آئی ہم کو
ہم یہ سمجھے، ہوئے ہردوار میں ہر کے درشن
گھی کے پریاگ میں جلتے تھے ادھر آہ! چراغ

کاشی والے تھے اُدھر تیری عبادت میں مگن
جے مناتے تھے غرض سب تری بھارت باسی
کہیں پوجا تھی تری او رکہیں ترا پوجن
روری اکشت تھا چڑھاتا کوئی دیوی تجھ کو
اور لگاتا کوئی ماتھے پہ تھا گھس کر چندن
پیاری پیاری کہیں دلکش تھی عجب سنکھ کی دھن
کہیں گھڑیال کے گھنٹے کی صدا تھی ٹن ٹن
دھوپ اور دیپ کی خوشبو تھی کسی مندر میں
اور کسی مٹھ میں تھیں کافور کی شمعیں روشن
الغرض ایک چراغاں کا تھا عالم ہر سو
روز و شب نور برستا تھا زمیں پر چھن چھن
آہ! سونے کی تھی لنکا کبھی بھارت کی زمین
بھاگوان ایسے عجب کچھ ترے دیوی تھے چرن
وہی مٹی ہے یہ، پارس کا اثر تھا جس میں
وہی ذرّے ہیں چمکتے تھے جو بن کر کندن
شان اگلی سی مگر آہ! کہاں اب ان میں
نہ وہ ضو ہے، نہ تجلی، نہ وہ تاثیر کہن
تیل بھی اب نہیں بھارت کے چراغوں کو نصیب
ہائے وہ دن کہ دیے گھی کے تھے گھر گھر روشن
تیرے مندر میں نہ بتی، نہ دیا ہے افسوس

آہ! دیوی ترا سونا ہے پڑا سنگھا سن
نظر آتی نہیں اب ہم کو تجلی تیری
لگ گیا چاند سے رخ کو ترے کیا آہ! گہن
نہیں ملتے کہیں ہم کو ترے قدموں کے نشاں
جستجو میں تری برسوں سے ہیں پھرتے بن بن
کنج گلیوں میں بھی متھرا کی نہ پایا تجھ کو
نظر آئے کہیں گوکل میں نہ تیرے درشن
جذبۂ شوق ترا ہم کو لیے پھرتا ہے
کبھی کاشی، کبھی پریاگ، کبھی بندرا بن
نہیں ملتی تری اب دل سے نگاہیں افسوس!
دیکھتے دیکھتے ہی پھر گئی تیری چتون
ہم وہ مشتاق زیارت ہیں کہ جوگی بن کر
رہ گزر میں ہیں جمائے ہوئے بیٹھے آسن
ایک بار اور دکھا جا ہمیں درشن اپنے
آرپن آہ! ہے دیوی، ترے سب تن، من، دھن
گرچہ برسوں سے نہیں جلوہ فزائی تیری
اب بھی دھندلا سا دیا ہے ترے مٹھ میں روشن
اب بھی دیوالی کو جلتے ہیں ترے آہ! چراغ
اب بھی بھارت میں ہے دیوی تری پوجا کا چلن
اب بھی مندر میں ترے گھستے ہیں ماتھا اپنا

تیری تقدیس کی ہم جپتے ہیں اب بھی سُمرن
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر سو تجھے بھارت واسی
کبھی پورب، کبھی پچھم، کبھی اُتر، دکھن
تیرے مندر کے پوجاری ہیں دیا کر ان پر
کہ یہ بیراگ لیے پھرتے ہیں تیرے کارن
تیرے چرنوں پہ ہیں یہ سیس نوانے والے
تک رہے راہ ہیں تیری، انھیں ماتا درشن!
خوش نصیب آہ! ہے وہ قوم، جہاں ضو ہے تری
بھاگ اس دیس کے جس دیس میں ہیں تیرے چرن

□□□

دیوارِ کہن

از نقش و نگارِ درِ و دیوارِ شکستہ
آثار پدیداست صنا دید عجم را

ہوا میں رات قیامت کی سنسناہٹ تھی
اور اس پہ تاڑ کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ تھی
جھکا اداس قمر جارہا تھا مغرب کو
غریب پچھلے پہر جارہا تھا مغرب کو
جگر پہ کھائے ہوئے داغ بے ثباتی کا
کسی درخت کی شاخوں سے ہورہا تھا جدا
خراب و کہنہ و بشکستہ ایک تھی دیوار

تھے جس نے دیکھے لڑکپن کے میرے لیل ونہار
قریب اس کے میں اس دم کھڑا ہوا تنہا
زمانہ اپنے لڑکپن کا یاد کرتا تھا
وہ دلفریب نہ صورت، نہ تھے وہ نقش و نگار
کھڑی ہوئی تھی زمیں پر نحیف وخستہ و زار
ہزار دل سے بھلاتا تھا پچھلی باتوں کو
خیال یاد دلاتا تھا پچھلی باتوں کو
دکھارہی مجھے عبرت تھی کس غضب کا سماں
خدا دکھائے کسی کو نہ ایسی شب کا سماں
اُداس ہائے وہ اس دم کی چاندنی ڈھلتی
بڑھارہی تھی جو رہ رہ کے بے کسی اس کی
بناگئی مجھے کچھ ایسا محوِ نظارا
زمانہ آنکھوں میں بچپن کا پھر گیا سارا
جمایا ایسا تصور نے روبرو نقشہ
دکھادیا مجھے طفلی کا ہو بہو نقشہ

❑❑❑

گزر گیا ترے آگے زمانہ اے دیوار!
کہ تیرے، شہر میں سب سے قدیم ہیں آثار
پڑا ہے آج جو یہ بے مکین ویرانہ
بنادیا ہے جسے بیکسی نے غم خانہ

کسی زمانے میں عیش و طرب کا یہ گھر تھا
چہل پہل تھی غضب کی ،غضب کا یہ گھر تھا
اگر چہ اب نہ رہا بام و در کا وہ نقشہ
مگر مجھے نہیں بھولا ہے گھر کا وہ نقشہ
یہاں تھا صحن، وہاں سائبان، ادھر دالان
اُدھر کو آہ! تھی اک کوٹھری رفیع الشان
ادھر کو وہ مری خلوت تھی آہ! خوش منظر
پُرانے تاڑ یہ آتے تھے جس جگہ سے نظر
میں گرمیوں میں یہاں آہ! شام کو اکثر
تھا لیٹتا کبھی ہلکی سی اک مسہری پر
وہ چھوٹی چڑیوں کا کنگنی پہ تیری اے دیوار
چہک چہک کے ہم آہنگیوں سے گانا ملار
وہ لاڈلی مری بچپن کی فاختہ ہے کدھر
تھا آشیانہ کبھی آہ! جس کا کوٹھے پر
غضب کی درد بھری جس کی تھی کبھی ''کوکو''
تھی دوپہر کو جو سر گرم نالۂ یاہو
گزر گئی ہو نہ جی سے اجل نصیب کہیں
کہ اب نظر نہیں آتے مجھے غریب کہیں
میں کاش اس کے پرو بال کا نشاں پاتا
تو پاس رکھ کے دل غمزدہ کو بہلاتا

یہاں پر آہ! وہ دالان تھا جو خوش منظر
میں گرمیوں میں جہاں محوِ خواب تھا اکثر
اسی کی اک یہ شکستہ ہے رہ گئی دیوار
اسی کی ہائے ! یہ خستہ ہے رہ گئی دیوار
یہیں تو راتوں کو جلتے تھے خوشنما فانوس
یہیں بلور کے روشن تھے جا بجا فانوس
یہیں کے فرش پہ میں لوٹتا تھا بچپن میں
کہ چاندنی میں یہیں کھیلتا تھا آنگن میں
خوشی برستی تھی دیوار ! تیرے منظر سے
کہ تجھ کو آہ! محبت تھی میرے گھر بھر سے
مری رفیق تھی، اور میری ہم خیال تھی تو
کہ رنج و عیش میں میری شریک حال تھی تو
مرا تھا ان دنوں ساون میں جب مرا بھائی
اداسی چہرے پہ گھر بھر کے غم میں تھی چھائی
پڑا ہوا تھا میں اک کھری چار پائی پر
ملول و خستہ و ماتم زدہ لپیٹے سر
تو غمزدہ سی تھی اس وقت تو بھی اے دیوار
اداس مجھ کو نظر آتے تھے تیرے رخسار
جگر خراش فسانہ وہ یاد ہے اگلا
کہ گرمیوں کا زمانہ وہ یاد ہے اگلا

وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ جیٹھ کی وہ سموم
وہ دل ملول، وہ چہرہ فسردہ و مغموم
تھے دے رہے مجھے جب گرمیوں کے دن آزار
تو ہورہی تھی پریشان تو بھی اے دیوار
کدھر ہے آہ! وہ عہد گذشتہ اے دیوار؟
گزر گئے مرے طفلی کے کیا وہ لیل و نہار
وہ کم سنی کا زمانہ نہ آئے گا پھر کیا؟
وہ دن نہ مجھ کو زمانہ دکھائے گا پھر کیا؟
نسیم دے کے ہوا مجھ کو اپنے دامن کی
وہ میٹھی نیندیں سلائے گی کیا نہ بچپن کی؟
پسند آہ! تھیں جب کھیل کود کی باتیں
پلٹ کے کیا نہ وہ آئیں گی چاندنی راتیں؟
رہا نہ آہ! وہ اگلا سا خوش نما چہرہ
اداس اب نظر آتا ہے چاند کا چہرہ
ہیں تیوریاں بھی تو تاروں کی آہ! بدلی سی
دکھائی دیتی ہے مجھ کو نگاہ بدلی سی
برادروپدر دخویش و اقربا و عزیز
بدل گئی مرے بچپن کی ہائے اک اک چیز
جب آہ! ہوگئیں ان سب کی صورتیں تغیر
تو کیا عجب ہے جو تیری بدل گئی تعمیر

مگر ہے آہ! یہ کیا کم تری وفاداری
نبا ہے جاتی ہے بچپن کی شرط غم خواری
اگر چہ تجھ کو زمانے نے کردیا ہے نزار
بری نہیں ہے مگر اپنے جی سے تو دیوار!
کہ آج بھی تو مجھے سہ پہر کو اے غم خوار
پناہ دینے کو سائے میں اپنے ہے تیار
وہ چھوٹے چھوٹے ترے ہائے! خوش نما پتھر
میں شیفتہ بھی بچپن میں آہ! تھا جن پر
وہ کم سنی کی تری غم گسار ٹھیکریاں
وہ دل میں چُبھتی ہوئی نوک دار ٹھیکر یاں
جو مجھ سے نوک کی بچپن میں لیتی تھیں اکثر
نہیں ہے ان کی کوئی آج لینے والا خبر
ہے آفریں تری ہمت کو لیکن اے دیوار
کہ بے کسی میں بھی تو آج ان کی ہے غم خوار
ملول و بے کس وافسردہ وفراق نصیب
پڑے ہوئے تیرے سائے میں آج بھی ہیں غریب

□□□

بجا ہے آہ! یہ میرا خیال کیا دیوار!
کہ تو مجھے بھی نہ بھولی ہوا ے مری غم خوار!

مگر یقین مرے دل کو آہ! کیوں کر ہو
کہ میری یاد ابھی نقش تیرے دل پر ہو
خدا کرے مجھے اے کاش! تو نہ بھولی ہو
مجھے بھی آہ! تری آرزو نہ بھولی ہو
اگر چہ دور رہا تجھ سے میں فراق نصیب
اگر چہ سائے سے تیرے بچھڑ گیا میں غریب
گزر گئے تری فرقت میں آہ! کتنے سال
رہا میں وادیٔ غربت میں آہ! کتنے سال
میں گو رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
زمانہ یاد لڑکپن کا جب کبھی آیا
ترا خیال وہیں بن کے بے کسی آیا
ملے تھے مجھ کو جو طفلی کے آہ! دن دو چار
وہ گزرے گود میں تیری ہی اے مری غم خوار
تجھی نے مجھ کو سکھائے خرام کے انداز
تجھی نے مجھ کو بتائے خرام کے انداز
وہ چھوڑ دینا لڑکپن میں مجھ کو دایہ کا
ترے سہارے سے چلنا وہ سیکھنا میرا
وفا کے اگلے وہ پیمان یاد ہیں تیرے
مُربیہ! مجھے احسان یاد ہیں تیرے

مچل کے جب کسی شے پر میں روٹھ جاتا تھا
کسی کی گود میں جب آہ! میں نہ آتا تھا
تو تجھ سے لگ کے میں ہوجاتا تھا کھڑا دیوار!
ملا کے تجھ سے میں روتا تھا غمزدہ رخسار
اداس دیکھ کے مجھ کو گلے سے لپٹا کر
لگا کے سینے سے، آنسو تھی پونچھتی اکثر
نہیں ہوں آہ! لڑکپن کی وہ ادا بھولا
میں جب بڑا ہوا اور گیند کھیلنا سیکھا
مرے رفیق نہ جب کھیلنے کو آتے تھے
نکل کے گھر سے کہیں اور میں نہ جاتے تھے
برستی ہوتی تھی جب گھر میں مینہ کی بوچھار
تو کھیلتا تھا میں اس وقت تجھ سے اے دیوار
تجھے میں گیند تھا دیتا، مجھے تو دیتی تھی
بلائیں دور سے ہو کر نثار لیتی تھی
گزر گئی مری طفلی تو آہ! کتنی جلد
بدل گئی تری ظالم، نگاہ کتنی جلد
دیا نہ ساتھ جو طفلی نے میرا اے غم خوار!
تو کاش! ویسی ہی بچپن کی رہتی تو دیوار
یہ میں نے مانا کہ بچپن نہ پھر مرا آتا
مگر نہ آہ ! زمانہ شباب کا آتا

دو تا جو کاش! ضعیفی سے قدمرا ہوتا
تو تجھ سے تکیہ لگانے کا آسرا ہوتا
رلا رہی ہے لہو مجھ کو تیری حالت زار
کہ کچھ دنوں کی تو مہماں ہے اے مری غم خوار
جگر میں زخم ہیں، پہلو میں سیکڑوں ناسور
نہ تمکنت ہے، نہ اب وہ شباب کا ہے غرور
جھکا رہی ہے بڑھاپے کی کیا زمیں گیری
ملا کے خاک میں چھوڑے گا عالم پیری

□□□

تھا اتفاق کہ تیرے قریب آنکلا
ادھر کو بھول کے میں غم نصیب آنکلا
نصیب پھر ترا دیدار دیکھئے کب ہو
ادھر کو عزم دل زار دیکھئے کب ہو
جدا میں ہوتا ہوں تجھ سے ترا خدا حافظ!
نکلتی ہے مرے دل سے دعا خدا حافظ!
ہوا لپٹ کے جو دیوار سے جدا میں غریب
دکھا کے پیٹھ جو چُپ چاپ چل دیا میں غریب
نگاہ یاس سے پہلے مری طرف دیکھا
زبان حال سے پھر یوں کہا کہ اے بیٹا

تمام زیست کے دن ہو چکے اجل ہے قریب
کہ پاؤں قبر میں لٹکائے بیٹھی ہوں میں غریب
ہوں مہماں کوئی دن کی قضا ہے سر پہ سوار
نصیب تم کو نہ شاید ہو پھر مرا دیدار
مگر نہ دل سے بھلانا مری وصیت کو
کہ چھوڑے جاتی ہوں میں یادگار عبرت کو
جب آہ! مجھ کو نہ تم اس جگہ کھڑا پاؤ
زمین پہ خاک کا پتلا مرا پڑا پاؤ
تو مجھ پہ ہو کے نہ اٹھلا کے یوں گزر جانا
کہ بے رخی کہیں عبرت سے تم نہ کر جانا
نہ بھول کر بھی اسے دیکھنا حقارت سے
کہ پاک تر نہیں صحبت ہے کوئی عبرت سے

□□□

خاکِ وطن

آہ! اے خاک وطن! اے سرمۂ نورِ نظر
آہ! اے سرمایۂ آسائشِ جان و جگر
تیرے دامن میں شگفتہ تھے کبھی قدرت کے پھول
گندھ رہے تھے تیری جوئی میں کبھی وحدت کے پھول
جب مسلط خلق پر تھی خواب غفلت کی گھٹا
موتی برساتی تھی تجھ پر ابر رحمت کی گھٹا

لوٹتا شب بھر قمر تھا سبزہ زاروں میں ترے
کھیلنے آتا تھا سورج آبشاروں میں ترے
تیرے کنجوں میں ترنم ریز تھے مُرغانِ قدس
تیرے ویرانے میں بھی خاکِ وطن تھی شانِ قدس
رفعتِ بامِ فلک تھی تیری پستی میں نہاں
عظمتِ خور تھی شرارِ اوجِ ہستی میں نہاں
جب تمدن کا بندھا عالم میں شیرازہ نہ تھا
شاہدِ قدرت نے جب رخ پر ملا غازہ نہ تھا
بادۂ تہذیب سے خالی تھا جب یورپ کا خم
ایشیا کا آہ! جب بیڑا تھا تاریکی میں گم
جب نہ تھی یونان میں علم و ہنر کی روشنی
جلوہ افروزِ خرد تھی تیرے گھر کی روشنی

□□□

آہ! اے خاکِ وطن! اے جوہرِ کانِ علوم
آہ! اے شمعِ ادب! اے ابرِ نیسانِ علوم
جلوۂ نورِ ازل کی آہ! تو تنویر تھی
خلد کی دیوی تھی تو عفت کی تو تصویر تھی
بزمِ قدرت میں نہ تھی جب جاں نوازی کی ادا
حُسن میں تیرے تھی شانِ بے نیازی کی ادا
تو اٹھی تھی جس سے وہ خلدِ بریں کی خاک تھی
سرمۂ چشمِ ازل تیری جبیں کی خاک تھی

اڑ رہا تھا پرچم جم جاہیٔ اکبر یہیں
رزم گہہ میں خوں فشاں راناؔ کا تھا خنجر یہیں
شان اونچی تھی تری اونچا گھرانا تھا ترا
بام ودر اونچے تھے، اونچا آستانہ تھا ترا
نجم شہرت جو کبھی تھے شوکتِ افلاک کے
تھے وہ اے خاکِ وطن! ذرّے یہیں کی خاک کے
اف ری تیرے شعلۂ سوز محبت کی تپش
تیرے پروانوں کے دل میں تھی قیامت کی تپش
کھینچ کر جذبہ جولایا گھر سے بابرؔ کو ترا
لے اڑا یوناںؔ سے سودا سکندرؔ کو ترا

□□□

آہ! اے خاک وطن! اے خانہ آرائے ہنر
آہ! اے جولانگہ برقِ تماشائے ہنر
تو وہی ہے اب بھی اور تیرے مناظر ہیں وہی
تھے جو پہلے اب بھی قدرت کے مظاہر ہیں وہی
اب بھی تیرے آبشاروں کی فضا ہے خوشگوار
اب بھی تیرے سبزہ زاروں کی ہوا ہے خوشگوار
اب بھی ہیں زرخیز تیرے آہ! قطعاتِ زمیں
سیر کے قابل ہیں اب بھی تیرے کنج دل نشیں

غنچہ و گل ہیں وہی ، اور ہے وہی شانِ چمن
تھے جو پہلے، ہیں وہ اب بھی سرو وریحانِ چمن
جنبشِ باد صبا میں جان فزائی ہے وہی
سبزۂ صحرا میں اب بھی دلربائی ہے وہی
حُسنِ قدرت آہ! اب بھی تیرے میدانوں میں ہے
اب بھی اک شانِ دلاویزی بیابانوں میں ہے
چوٹیاں اب بھی ہمالہ کی وہی ہیں سر بلند
پھینکتی ہیں اب بھی کرنیں چاند سورج کی کمند
تازگی اب بھی ہے تجھ پر سر بسر چھائی ہوئی
ولولوں میں دل کے پستی ہے مگر چھائی ہوئی

□□□

آہ! اے خاکِ وطن! اے دردمند و بے قرار
آہ! اے شوریدہ قسمت! اے پریشاں روزگار
اُڑ رہا تھا پرچم شوکت ترا افلاک پر
سرنگوں ہے تیری عظمت کا نشاں اب خاک پر
تیری شہرت کے نگیں خاکِ عدم میں ہیں نہاں
اب نہ وہ تختِ مرصع ہے نہ تاجِ زرفشاں
جھلملا کر بُجھ گئے سب تیرے ایواں کے چراغ
ہیں جگر کے داغ اب تیری شبستاں کے چراغ

اُڑ گیا نورِ سحر تاریکیٔ غم چھا گئی
نیّرِ اقبال ڈوبا، شام ماتم چھا گئی
اب کہاں ایثارِ نفس اور اب وہ جانبازی کہاں
حسرتیں خون گشتہ ہیں کچھ دل کی پستی میں نہاں
پھر بھی اے خاکِ وطن! اف رے وفاداری تری
چارسو ہے دہر میں نہرِ کرم جاری تری
ترے جنگل اب بھی ہیں خاکِ وطن مہماں نواز
تیرے پتلے میں ہے قدرت کی ادائے جاں نواز

❑❑❑

عروسِ حبِّ وطن

آ! اے عروسِ حبِّ وطن میرے بر میں تو
آنکھیں تری تلاش میں ہیں محوِ جستجو
آ! اے نگار! تجھ کو گلے سے لگاؤں میں
آ مجھ سے ہم کنار ہو اے شوخ خوش گلو
وہ دن خدا کرے کہ مناؤں شبِ وصال
گردن ہو تیری اور مرے دستِ آرزو
زانو ہو ترا اور سرِ شوریدہ ہو مرا
میرا مشامِ جاں ہو تری زلفِ مشک بو
تیری شرابِ عشق کا آنکھوں میں ہو سرور
خلوت میں ہو نہ ذکرِ مے و شیشہ و سبو
لپٹوں میں بے خودی میں جو تجھ سے شبِ وصال

باہیں ترے گلے میں ہوں، لب پر یہ گفتگو
ٹوٹیں وہ پاؤں جن کو نہ تیری تلاش ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس کو نہ ہو تیری جستجو
وہ گھر ہو بے چراغ جہاں تیری ضو نہ ہو
وہ دل ہو داغ جس میں نہ ہو تیری آرزو
دنیا و آخرت میں نہ انجام ہو بخیر
تیرے سوا جو غیر کی ہو مجھ کو جستجو
حوروں پہ میں مروں تو جہنم نصیب ہو
کافر ہوں میں جو مجھ کو بتوں کی ہو آرزو
ناقوس اور اذاں میں نہیں قید کفر و دیں
اس کے لیے کہ جس کا پرستش کدہ ہے تو
گنگانہائے شیخ، اگر تیرا اذن ہو
تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو
تیرا طریق عشق ہی ایمان ہے مرا
تیرے فدائیوں میں ہوں اے شوخ خوبرو
جلوہ نہ ہو کسی مس رعنا کا سامنے
وہ دن خدا کرے کہ ہو آنکھوں میں تو ہی تو

□□□

کوئل

او چمن کی اجنبی چڑیا! کہاں تھی آہ! تو
کیا کسی صحرا کے دامن میں نہاں تھی آہ! تو
تیرے دلکش زمزمے تھے سبزہ زاروں میں خموش
آشیانہ تھا ترا گلشن میں بزم بے خروش
کھینچتی وقتِ سحر دل کو تری کو کو نہ تھی
چھاؤں میں تاروں کی محوِ نغمۂ دل جو نہ تھی
موسمِ سرما میں اے سرمایہ صبر و شکیب
بے صدا تیرا پسِ پردہ تھا سازِ دلفریب
مرحبا! اے پیکرِ پیکِ سُبک گامِ بہار
لے کے پھر تو گرمیوں میں آئی پیغامِ بہار
تو ادھر آئی فضائے گل کا دور آیا ادھر
تو نے گائے گیت، اور آموں کا بور آیا ادھر
طائرانِ باغ نے چھیڑا ہے سازِ انبساط
ہیں شاخوں پر ہم آہنگ نشاط
تیرے مقدم میں ہیں شاخوں پر ہم آہنگ نشاط
پہنی ننھی ننھی کلیوں نے قبائے شبنمیں
آ رہی ہے کان میں تیری صدائے دلنشیں
کوئی انجم آسمان کا او سبک پرواز شوق
رہنما ہے کیا تیرا دلدادۂ اندازِ شوق

تو جو آنے والے موسم کا نشان پاتی ہوئی
اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے یوں گاتی ہوئی
تیرے مقدم میں شکیب خاطرِ ناشاد! میں
موسم گل کو بھی دیتا ہوں مبارک باد میں
تو چمن میں اڑ کے کیا آئی کہ آپہنچی بہار
گا رہی ہیں چھوٹی چڑیاں سبز کنجوں میں ملار
دامنِ رنگین میں اک دوشیزۂ ناکتخدا
چن رہی ہے ننھی ننھی سرخ کلیاں خوش نما
اور تجھ سے ہم سرودِ نغمۂ اعجاز ہے
بزم قدرت میں تری گویا شریک راز ہے
میٹھے نغمے گانے والی او چمن کی ناز نیں
ہے ترو تازہ ہمیشہ تیرا کنج دل نشیں
اور مصفا ہے فضائے آسماں تیرے لیے
ہے شفق جام شراب ارغواں تیرے لیے
تیرے نغموں میں اثر اندوہ حرماں کا نہیں
سال میں تیرے گزر فصل زمستاں کا نہیں
مجھ کو قسامِ ازل دیتا اگر دو بال و پر
اڑ کے ہوتا میں بھی تیرے ساتھ سرگرمِ سفر
بن کے ہم دونوں رفیق موسم جوشِ بہار
کرتے خوش خوش ہر برس گل گشت دشت وکوہسار

□□□

شفقِ شام

سکوتِ شام میں ہے جلوۂ بہار شفق
کنول کے پھول ہیں یا زینت کنار شفق
فروغ شام جوانی ہے آہ! شمع سحر
بہار عمر ہے گل خندۂ شرار شفق
خوشا! وہ عالمِ طفلی، خوشا! وہ موسم گل
خوشا! وہ دن کہ میں تھا محوِ انتظار شفق
وہ دوڑ تا پسِ قوسِ قزح پھسل کے مرا
گھٹا میں آہ! وہ نظارۂ بہار شفق
سحر کو آنکھوں میں ڈورے وہ سرخ سرخ دریغ!
ہزار حیف! وہ سرمستی خمارِ شفق
سواد شام کا منظر وہ چشم پُر خوں میں
وہ شب کو نیند نہ آنا وہ انتظار شفق
کدھر گیا مرا گہوارۂ گلِ امید
میں کب سے شام جوانی ہوں بے قرار شفق
بہار عالم طفلی کدھر گئی ہے ہے!
رلا رہا ہے لہو شوق لالہ زار شفق
کہاں وہ ذوق تماشا! کہاں وہ ابر بہار
لہو کی بوند ہے اک دل میں یادگارِ شفق

حسرت شباب

نہ چال میں ہے وہ شوخی نہ قد میں رعنائی کہ تیرے ساتھ گئی آہ! شان برنائی
کہاں چھپا ہے تو اے محوِ جلوہ آرائی بیا کہ باز بہ بینم چو پردہ بکشائی
زمیں پہ فرشِ رہِ انتظار ہیں آنکھیں
کہ دیکھنے کو تجھے بے قرار ہیں آنکھیں
وہ صحبتیں ہیں نہ اگلی سی وہ ملاقاتیں مزے سے کٹتی تھیں یاروں کے ساتھ جب راتیں
بتوں سے ملنے کی اب سوجھتی نہیں گھاتیں کہ تیرے ساتھ گئیں حسن و عشق کی باتیں
لہو ٹپکتا ہے آنکھوں کے آبگینوں سے
کہ گرمِ صحبتِ مے اب کہاں حسینوں سے
نہ زورِ آہ ہے اب وہ نہ شور نالوں کا کہ سر میں اب نہیں سودا پری جمالوں کا
وہ خارِ غم نہیں پھولوں کے گہنے والوں کا رہا نہ ذوقِ خلش اب وہ دل کے چھالوں کا
کسی کی یاد میں بے خوابیاں کہاں شب کو
کہ اب وہ اگلی سی بے تابیاں کہاں شب کو
وہ ولولے وہ اُمنگیں وہ آرزو نہ رہی جگر کے داغوں میں وہ سوندھی سوندھی بو نہ رہی
زباں پہ ساغر و مینا کی گفتگو نہ رہی کہ دل میں اب ہوسِ شیشۂ و سبو نہ رہی
کہاں وہ آہ! شراب و کباب کے جلسے
کہ ختم ہو گئے عہد شباب کے جلسے

کدھر گئی وہ گل افشانی عروسِ فلک
بہت دنوں سے ہوں حسرت کشِ بہارِ شفق
شباب، ہٹ! کہ میں طفلی کی نیند سو جاؤں
نسیم! دے مجھے لوری لبِ کنارِ شفق
رُلا نہ خون مرے بچپن کو کھیل لینے دے
ابھی سے شامِ جوانی! نہ کر فشارِ شفق
بہارِ دید تھی موقوف آہ! طفلی پر
جگر کو پھونک نہ آئے آتشِ چنارِ شفق
بلا نہ گھر مجھے مہمان اپنے شامِ نشاط
کہ میں غریب ہوں بیگانۂ دیارِ شفق
وہ آنکھ ہوں کہ ہوں خوں نابہ زیرِ رنگِ نشاط
وہ زخم ہوں مرے پہلو میں ہے مزارِ شفق
دکھاؤں کھول کے جی میں بہارِ داغِ جگر
زمیں پہ تو اتر آئے جو لالہ زارِ شفق
سرورؔ شامِ جوانی بھی ہوگئی آخر
گئی نہ حسرتِ صہبائے خوش گوارِ شفق

□□□

نہ چھیڑ مطرب رنگیں نوا ترانۂ عشق　　مجھے دماغ کہاں جو سنوں فسانۂ عشق
گیا شباب کے ہمراہ کار خانۂ عشق　　کہ مجھ سے چھوٹ گیا آہ! آستانۂ عشق
جگر میں وہ تپش دردِ جاں گزا نہ رہی
سوار سر پہ جو تھی، عشق کی بلا نہ رہی

وہ بھینی بھینی نسیم سحر وہ بادوزاں　　مشام روح میں جھونکے تھے جس کے عطرفشاں
وہ مرغ زار، وہ صحرا، وہ تختۂ ریحان　　سحر کی لب وہ ہوا خوریوں کا لطف کہاں
وہ جھوم جھوم کے چلنا نسیم کا سَن سے
سمن بروں کا نکلنا وہ بچ کے دامن سے

وہ اودی اودی گھٹائیں وہ سبزۂ صحرا　　وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، وہ نور کا تڑکا
علی الصباح وہ قدرت کی دیکھنے کو فضا　　نکل کے گھر سے وہ بے اختیار چل دینا
وہ سیر کرتے ہوئے دشت میں نکل جانا
پلٹ کے جانب دریا وہاں سے پھر آنا

وہ سطح آب، وہ موجیں، وہ جوشِ طغیانی　　وہ آبشار، وہ جھرنے، وہ خوش نما پانی
وہ آفتاب کی کرنوں کی جلوہ افشانی　　وہ طائران چمن زا کی زمزمہ خوانی
پری وشوں کا وہ پنگھٹ پہ جوق جوق آنا
سبو وہ دوش پہ پانی کے بھر کے لے جانا

کہاں وہ صبح کی اگلی سی دلفریب فضا　　کہ تیرے ساتھ ہوا خوریوں کا لطف گیا
نہ ناشتہ میں ہے لذت نہ چاشت میں ہے مزا　　ترے مذاق سے تھا آہ! ذوقِ آب و غذا
اتر کے حلق سے لقمہ فرو نہیں ہوتا
پیوں تو زہر ہلاہل ہے انگبین ہوتا

وہ رنگ روپ، وہ شوخی، وہ خط و خال کہاں　　کہ اب وہ دور جوانی وہ سن وہ سال کہاں
چمن میں غنچۂ یارانِ ہم خیال کہاں　　وہ سیر باغ، وہ اٹھکھیلیوں کی چال کہاں

چلوں نہ راہ میں کیوں میں نحیف رک رک کر
کہ تیر سا تھا جو قدم، ہو گیا کماں جھک کر

وہ دل بغل میں جو تھا شیشۂ مئے انگور　　ہوا وہ سنگِ حوادث پہ گر کے چکنا چور
وہ سر پہ طرہ کج ہے، نہ وہ کلاہِ غرور　　کہ بارِ خاطرِ نازک ہے اب قبائے سمور

گرائے دیتا ہے رعشہ، زمیں پہ، پیری کا
اجل سے کہہ دو کہ موقع ہے دست گیری کا

کہاں ہے آہ! تو عہد شباب واویلا　　کہ چل دیا مجھے کر کے خراب واویلا
نہ یار ہے نہ شب ماہتاب واویلا　　کہ تیرے ساتھ گیا لطفِ خواب واویلا

جو کھیل کود میں میرا سنِ نمو گزرا
تو حُسن و عشق کے جھگڑوں میں آہ! تو گزرا

□□□

مُرغابی

ڈھل گیا دن اور شبنم ہے زمیں پر قطرہ ریز
گوشۂ مغرب میں گل گوں ہے شفق سے آسماں
پڑ رہی ہیں دور تک سورج کی کرنیں زور زور
جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اڑتی کہاں؟

❑❑❑

دیکھتا ہے کیوں عبث صیاد سوئے آسماں
یاس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو
ارغوان زارِ فلک کے منظرِ خوش رنگ نے
کر دیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو

❑❑❑

ڈھونڈتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آبشار
یا کہ سرگرمِ تلاشِ دامنِ دریا ہے تو
یا کسی بحرِ تموج خیز کی ہے جستجو
یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

❑❑❑

تو جو بے سنگ نشانِ جادہ و بے مرحلہ
کر رہی ہے آسماں پر قطع طبقات ہوا
اُڑ سکے بے بدرقہ تُو، یہ کہاں تیری مجال
کوئی طاقت ہے مگر تیری مقرر رہنما

❑❑❑

اے سُبک پرواز! تیری سُرعت پرواز نے
طے کیے کتنے ہی دن بھر سردطبقات نسیم
ہو کے وامانده زمیں پر گر نہ شہپر جوڑ کر
شب کی ظلمت کا ہے گرچہ سر پہ طوفانِ عظیم

□□□

ہو چکی تیری مشقت ختم، تجھ کو عنقریب
گرمیوں کا اک سہانا گھر ملے گا خوش گوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو
اور نشیمن پر ترے ہوگی نیستاں کی بہار

□□□

ہوگئی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو
اور اب آنکھوں میں ہے تیرا تصور یادگار
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن تری پرواز سے
ہے طریقِ زندگی میں تو مری آموز گار

□□□

منطقہ سے منطقہ تک اے سبک پرواز شوق
وسعت اوجِ فلک پر ہے جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائے گا وہ منزل مقصود تک
جب کروں گا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

□□□

پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم   اور پروانوں کو دی سوز وفا کی تعلیم
جب ہر اک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم   آئی حصے میں ترے ذوقِ فنا کی تعلیم
نرم و نازک تجھے اعضا دیے جلنے کے لیے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کے لیے

رنگ تصویر کے پردے میں جو چمکا تیرا   خود بہ خود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبدِ نور میں پُتلا تیرا   یدِ قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا
بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دل میں
رکھ دیا چیر کے اک شعلۂ مضطر دل میں

تو وہ تھی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو   تو وہ لیلیٰ تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو   نازشِ ہمتِ مردانہ بنایا تجھ کو
ناز آیا ترے حصے میں ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی، محبت بھی، وفا بھی آئی

آئی دنیا میں جو تو حسن میں یکتا بن کر   چمنِ دہر میں پھولی گلِ رعنا بن کر
رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بن کر   دلِ شوہر میں رہی خالِ سویدا بن کر
حُسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروت بھی تھی غم خواری بھی　　　تیری صورت میں ادا بھی تھی طرح داری بھی
جلوۂ حُسن میں شامل تھی نکوکاری بھی　　　درد آیا ترے حصے میں، تو خودداری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حُسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی او آئینہ سیما تصویر　　　حسن سیرت سے تھی تیری متجلاً تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تری زیبا تصویر　　　تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر

نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجم ناز کا جھرمٹ رخِ پُرنور میں تھا

لب میں اعجاز حیا چشم فسوں ساز میں تھی　　　کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غمّاز میں تھی　　　برق بے تاب تری جلوہ گہ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ نار عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغ شرر افشاں ہوکر　　　کوند اٹھی قلعہ چتوڑ میں جولاں ہوکر
یہ وہ بجلی تھی جو سوز غم حرماں ہوکر　　　خاک سی لوٹ گئی تیری پشیماں ہوکر

یہ وہ بجلی تھی، تجھے جس کے اثر نے پھونکا
رفتہ رفتہ تپش سوز جگر نے پھونکا

آہ! او عشوۂ و انداز و ادا کی دیوی　　　آہ! او ہند کے ناموس وفا کی دیوی
آہ! او پرتوِ انوار صفا کی دیوی　　　او زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ اب تک
تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ اب تک

آفریں ہے تری جاں بازی و ہمت کے لیے — آفریں ہے تری عفت تری عصمت کے لیے
کیا مٹائے گا زمانہ تری شہرت کے لیے — کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کے لیے
نقش اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں
تو وہ دیوی ہے، ترا لگتا ہے میلہ دل میں

❑❑❑

دمن اور ہنس

اے ہنس آہ! تیری یہ دل ربا ادائیں
یہ نغمہ ہائے دلکش، یہ جاں فزا صدائیں
افسوں ہے عاشقی کا تیری سرود خوانی
کچھ دل کی داستاں ہے، کچھ شوق کی کہانی
نغموں میں آہ! تیرے ہے سوز عاشقانہ
دلکش تری صدا ہے دلکش ترا ترانہ
آنکھیں ہیں آہ! تیری سرمست جامِ الفت
آیا ہے لے کے شاید نل کا پیام الفت
تیری صدا دمن کو بے خود بنا رہی ہے
تیری ادائے دلکش دل کو لبھا رہی ہے

نطق بشر کا جادو تیری زبان میں ہے
نیرنگِ سحروافسوں تیرے بیان میں ہے
ہیں میٹھی میٹھی تیری باتیں عجب سریلی
بولی ہے پیاری پیاری، آواز ہے رسیلی
امرت کی ہیں برستی جھڑیاں تری زباں سے
اور شہد ہے ٹپکتا لعلِ شکر فشاں سے

□□□

اومُرغ خوشنوا! او محوِ فسانہ خوانی
پوچھے دمن کے دل سے کوئی تری کہانی
ہے گوشے شوق تیری آواز پر لگائے
ذکر جمیل جاناں سنتی ہے سر جھکائے
عالم ہے بےخودی کا، آنکھوں میں آہ! طاری
اور اشک کررہے ہیں چہرے پہ غازہ کاری
لیتا ہے آہ! چٹکی شوقِ وصال دل میں
کیا جانے آرہے ہیں کیا کیا خیال دل میں

□□□

او نقشِ دل فریبی! اونازش زمانہ
یہ تیری جامہ زیبی یہ وضع شاہدانہ

ہاں ! اونگار خوش خو! اولعبت پر ی رو
عفت کی تو ہے مورت، دیوی ہے حسن کی تو
نل کا رلارہا ہے جیسے فراق تجھ کو
صدمہ مفارقت کا ہے دل پہ شاق تجھ کو
یوں ہی نہیں گوارا اس کو تری جدائی
اک آگ عشق نے ہے دونوں طرف لگائی
دو دل چھدے ہوئے ہیں اک ناوک الم میں
دو صید ہیں تڑپتے اک دام رنج و غم میں
سینے فگار ہیں دو اک تیغ و خوں فشاں سے
بسمل ہیں دو کلیجے اک تیر جاں ستاں سے

❑❑❑

از بسکہ آہ نل کو ہے اشتیاق تیرا
حد سے گزر گیا ہے دردِ فراق تیرا
آنکھوں میں پھر رہی ہے تصویر آہ! تیری
دل میں کھٹک رہی ہے نوکِ نگاہ تیری
دن بھر ترا تصور، شب بھر خیال تیرا
بے چین کررہا ہے شوقِ وصال تیرا
شام و سحر زباں پر تیری ہی گفتگو ہے
حسرت ہے دید کی اور ملنے کی آرزو ہے

آنکھوں میں بس رہی ہے چھب تیری پیاری پیاری
کچھ انتظار ہے اور کچھ ہے امیدواری

□□□

آنسو بہا نہ رو کر اے شمع انجمن تو
کب تک رہے گی وقفِ سوزِ غم و محن تو
دردِ فراق کا ہے ، پایان کا ر آخر
ہے ختم ہونے والا یہ انتظار آخر
رتھ نل کا او حسینہ! ہے تیری رہ گزر میں
آنکھوں میں تیرا نقشہ، صورت تیری نظر میں
چہرے سے ہے نمایاں رُعبِ جلال شاہی
اور حُسن کا ہے شہرہ، از ماہ تا بہ ماہی
مکھڑا ہے چاند سا اور ماتھا ہے گورا گورا
بازو ہیں لمبے لمبے، سینہ ہے چوڑا چوڑا
نورِ نگاہ عالم ہیں انکھڑیوں کے تارے
روشن ہوں آسماں پر جس طرح دو ستارے

□□□

او نقش ناز خوبی، او عفتِ مجسم
جس طرح حسن میں ہے تو انتخاب عالم
نل آہ! زور بازو میں ہے یوں نہیں یگانہ
طاقت میں فرد، ہمت میں نازش زمانہ

شاہانِ دہر سے ہے یوں دبدبہ میں بڑھ کر
تاروں میں ماہ کامل ہو جیسے جلوہ گستر

□□□

دریارواں ہوکوئی جس طرح سوے قلزم
اور بحر بے کراں میں اپنا نشاں کرے گم
کھویا گیا ہے یوں ہی ئل تری آرزو میں
پھرتا کشاں کشاں ہے تیری ہی جستجو میں
الفت ہے تیری دل میں سودا ہے تیرا سر میں
اک آگ شوق کی ہے بھڑکی ہوئی جگر میں
بے گانہ ہورہا ہے تیرے لیے جہاں سے
مرتا ہے تیرا شیدا تجھ پر ہزار جاں سے
ہر چند غم کا پتلا رنج وملال سے ہے
غافل نہیں مگر وہ تیرے خیال سے ہے

□□□

شمع انجمن

اے شمع! اے حدیثِ سوزِ غمِ نہانی — بھاتی ہے دل کو تیری حسرت بھری کہانی
تیری طرح ہوں میں بھی سرگرم نوحہ خوانی — میرے نصیب میں بھی ہے سوز جاودانی
پروانگی تجھے دی قدرت نے سوز جاں کی
سینے میں آگ رکھدی میرے غم نہاں کی

راتوں کو جس طرح تو جلتی ہے انجمن میں　　　جلتا ہوں میں بھی یوں ہی سوزِ غمِ وطن میں
لپٹے ہوئے ہیں شعلے دونوں کے پیرہن میں　　　آتش بجاں ہیں دونوں اس محفل کہن میں

یعنی گداز الفت دونوں کے ہے دلوں میں
دونوں کی روشنی ہے دنیا کی محفلوں میں

آہوں کا جیسے اٹھتا دل سے ترے دھواں ہے　　　یوں ہی جلی بھنی اک لب پر مرے فغاں ہے
محفل میں چپکے چپکے تو جیسے خوں فشاں ہے　　　آنکھوں سے میرے یوں ہی اک جوئے خوں رواں ہے

تھمتے نہیں ہیں میرے لیل و نہار آنسو
روتی ہے چار آنسو تو میں ہزار آنسو

تو لے رہی سنبھالا رو رو کے ہے سحر کو　　　اس غم کدہ سے میں بھی سرگرم ہوں سفر کو
گل گیر سے ہے کاوش محفل میں تیرے سر کو　　　شہ رگ سے لاگ میری ہے نوک نیشتر کو

تو سوز آشنا ہے۔ ایذا پسند ہوں میں
تو آگ کی ہے مقتل، دود سپند ہوں میں

تو جل کے جیسے اپنی ہستی مٹا رہی ہے　　　سوز فنا کی دل پر بجلی گرا رہی ہے
میرے جگر کو حسرت یوں ہی جلا رہی ہے　　　گرمِ تپش ہوں میں اور تو تھرتھرا رہی ہے

شعلے نکل رہے ہیں میرے دل و جگر سے
اور اٹھ رہا دھواں ہے آہوں کا تیر سر سے

سینے میں آہ! تیرے سوزِ غم وطن ہے　　　داغوں کا اک شگفتہ دل میں مرے چمن ہے
پروانوں کا تجھے غم، اے شمع انجمن ہے　　　قسمت میں آہ! میری دلسوزی وطن ہے

جلتا ہوں سوز غم سے، میں وہ فنا طلب ہوں
ہوں آگ پر لپکتا وہ کبک مضطرب ہوں

جب بے نشاں کہیں تھے کاشانۂ وطن میں　　　پروانے انجمن میں، بلبل نہ تھے چمن میں
شمس و قمر نہ تھے جب دنیا کی انجمن میں　　　شعلے تھے دو فروزاں اس محفل کہن میں
حصے میں تیرے اک اک قسمت میں میری آیا
اک تیری بزم میں، اک خلوت میں میری آیا
اک کھیل امتحاں تھا سوز غم فنا کا　　　دونوں کو رفتہ رفتہ برق اجل نے تاکا
درماں نہ پا کے آخر اس دردلا دوا کا　　　دی تجھ کو آگ غم کی، شعلہ مجھے وفا کا
تصویریں کھینچ دیں دو سوز غم و محن کی
اک سوز انجمن کی اک سوزشِ وطن کی

مادر ہند

آہ! یہ جان بخش پانی یہ ہوائے خوش گوار　　　یہ تروشاداب وشیریں میوہ ہائے خوش گوار
ٹھنڈی ٹھنڈی عطر میں مہکی ہوئی باد جنوب　　　سبز کھیتوں کی فضائیں اور یہ میدانوں کی دوب
ظلِ شفقت ہو تیرا اے مادرِ مشفق دراز
خاک پر کیا کیا تری تیرے مکینوں کو ہے ناز
اف! یہ تیری چاندنی راتوں کا منظر خوش نما　　　آہ! یہ اشجار، یہ پھولوں کا زیور خوش نما
سو تبسم تیرے انداز تکلم پر نثار　　　دل کو کرتی ہیں تری دل کش صدائیں بے قرار
سرزمین عیش ہے اے مادرِ دل سوز تو
آرزوؤں کی ہے بزم انبساط افروز تو

لاکھوں آوازیں ہیں تیرے گھر میں سرگرم خروش — جاں نثاروں میں ہیں لاکھوں تیرے سدست سرفروش
تو جوانوں کی ہے ہمت، تو دلیروں کی سپر — کانپتے ہیں دشمنوں کے تیری ہیبت سے جگر
نورِ دانش تو، فروغِ جلوۂ ایماں ہے تو — دل ہے تو، سرمایۂ صبر و شکیب جاں ہے تو

قوتِ بازو ہے میری مادرِ غم خوار تو
سینۂ پرغم میں ہے میرے نفس کا تار تو

تیرا دیواستھان دیوی دل کے کاشانے میں ہے — تیری تصویر مقدس ہر صنم خانے میں ہے
لکشمی تو ہے، زمانے میں اجالا ہے تیرا — ہر کنول کا پھول پانی میں شوالا ہے تیرا
سرسوتی کا روپ ہے، درگا کا ہے اوتار تو — نطق و دانش کی ہے دیوی، مادرِ غم خوار تو

اُف یہ سندر چھب تری، یہ سانولی صورت تری
دل کے مندر کی ہے زینت موہنی مورت تری

یہ تبسم ہائے شیریں، یہ ادائے جاں نواز — آہ! یہ شفقت بھری تیری صدائے جاں نواز
سبزۂ خودرو کا گہوارہ ہے تیری سرزمین — تختۂ خلد بریں ہے تیری خوش منظر زمیں
پاک گنگا جل سے بڑھ کر ہے ترا آبِ طہور — تیرے پاکیزہ ثمر ہیں، میوۂ شاخ سرور

آسماں کے نور کی ہے جلوہ گاہِ ناز تو
خلد کی ہے پاک دیوی، مادرِ دم ساز تو

□□□

اندوہِ غربت

حسرت! اے صحبتِ مرغانِ چمن زادِ وطن
رخصت! اے جوشِ بہارِ گل و شمشاد وطن

دردِ غربت کی بھی آخر کوئی حد ہے کہ نہیں
ہو نہ سرگرمِ تپش او دلِ ناشادِ وطن
لے ہی جائے گا کبھی جذبۂ یاران وطن
پھر دکھائے گا زمانہ ہمیں بنیاد وطن
شوقِ دیدار میں روزن سے لگی ہیں آنکھیں
کان زندان میں ہیں حسرت کشِ فریادِ وطن
دل یہ کہتا ہے گلا گھونٹ کے مر جاؤں گا
یوں ہی غربت میں جو جاں کاہ رہی یادِ وطن
ہم ستائے ہوئے ہیں گردش ایام کے آہ!
ہم کو یاروں سے نہیں شکوۂ بیداد وطن
ساتھ تو نے بھی نہ ہم دشت نوردوں کا دیا
ہائے رے قافلۂ نکہتِ بربادِ وطن
سرگزشتِ دل آوارہ کہیں کیا تجھ سے
ہم غریبوں سے صبا! پوچھ نہ افتادِ وطن
لکھ کے یاروں نے نہ دو حرف کا پُرزہ بھیجا
اے صبا! تو ہی سنا کچھ ہمیں روداد وطن
ساحل ہند کی جانب جو گزر ہو تیرا
ان سے کہنا یہ پیامِ دل ناشادِ وطن
گیت گاتے تھے کبھی حب وطن کے ہم بھی
وہ بھی دن تھے کہ چمن میں تھے ہم آزادِ وطن

ہم اسیری کے سزا وار نہ تھے اوصیاد!
تیرے دشمن تھے نہ ہم آرۂ شمشاد وطن
رحم کر رحم! کہ صیاد قفس میں افسوس
چیختا کب سے ہے اک مرغ چمن زادِ وطن

□□□

مُرغانِ قفس (تضمین)

جو تجھ پہ بیتے تو تو جانے مرغِ بستانی　　قفس میں کیسے تڑپتے ہیں آہ! زندانی
تپش فزا ہے قیامت کا دردِ پنہانی　　تو اے کبوتر بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ برپارا
اسیر دام نہ ہو کوئی مرغ بستانی　　خدا کسی کو نہ دے حسرتِ پرافشانی
سمجھتا ہے مرے نالوں کو زمزمہ خوانی　　تو اے کبوترے بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ برپارا
ہنسی نہ مجھ سے کر او محوِ زمزمہ خوانی　　ہو گنگرے پہ مبارک تجھے خوش الحانی
خدا وہ دن نہ دکھائے کہ تو ہو زندانی　　تو اے کبوتر بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ برپارا

□□□

یادِ طفلی

کدھر گیا آہ! میرا بچپن، نجات تھی جب غم جہاں سے
نہ دل تھا حسرت کشِ تمنا، نہ تھی زبان آشنا فغاں سے
کہاں گئی وہ بہارِ طفلی، کدھر گئے وہ نشاط کے دن
گلاب سا آہ! میرا چہرہ نہ زرد تھا جب غم خزاں سے
کبھی تھا کوئل کا ہم نوامیں، کبھی تھا میں ہم سرود قمری
چمن میں کرتا تھا چھیڑ پہروں میں جا کے مرغانِ نغمہ خواں سے
میں دل میں خوش تھا کہ گا رہی ہے مری محبت کا یہ ترانہ
کھلا نہ تھا رازِ عشقِ گل کا جو مجھ کو بلبل کی داستاں سے
بہت دنوں ہم صفیر تیرا رہا ہوں بچپن کی صحبتوں میں
ہزار نغمے سنا کیا ہوں، میں اوپپیہے تری زباں سے
بہائیں کاغذ کی میں نے ناویں بہت لب جو بنا بنا کے
برس گئی کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی جھڑی جو ساون کی آسماں سے
کبھی شگوفوں کو چومتا تھا، کبھی تھا کلیوں کو پیار کرتا
نثار میں بھی تھا آہ! بلبل۔ ادائے گل پر ہزار جاں سے
پھسل کے سبزہ پہ تیرے پیچھے میں قوس!دوڑا کیا ہوں اکثر
کہ جیسے چھوٹے خدنگ خاراشگاف کوئی کڑی کماں سے
کبھی تمنا، کہ چاند کو میں گھر اپنے لاؤں بنا کے مہماں
کبھی یہ حسرت کہ توڑ لاؤں میں جا کے تاروں کو آسماں سے

وہ شوق افزا عجب تھیں راتیں میں جب اُچکتا تھا توڑنے کو
اگر چہ اونچے بہت ستارے تھے دست وبازوئے ناتواں سے
کبھی جو آئینہ میں یکایک نظر پڑی مجھ کو اپنی صورت
رہا ہوں پہروں میں محوِ حیرت، کہ پیاری شکل آئی یہ کہاں سے
لبوں پہ بچپن کی کیا نہ آئے گی اب وہ معصوم مسکراہٹ؟
ادھورے الفاظ اے جوانی! وہ کیا نہ نکلیں گے اب زباں سے
نسیم دینے کو مجھ کو لوری ، نہ شام فرقت میں آئے گی کیا؟
جگر کے ٹکڑے اڑیں گے کب تک ہوا میں آہِ شررفشاں سے
بتوں کے تیرِ نظر کا بسمل نہ تھا خوشا روزگارِ طفلی
نہ لاگ شہ رگ کو نیشتر سے ، نہ چھیڑ پہلو کو تھی سناں سے
نہ دل کو فکرِ معاش کا غم، نہ مرگ احباب کا تھاما تم
لہو کے آنسو نہ آہ! راتوں کو تھے رواں چشم خون فشاں سے
نہ تھی گراں بازیِ مشاغل، نہ تھی یہ پابندی علائق
اسیرِ زنجیرِ غم نہ تھا میں، نجات تھی شورشِ جہاں سے
جگر پہ میرے نہ طعنہ ہائے کرخت پڑتے تھے تیغ بن کر
شہید تشنیع اقربا تھا نہ برشِ دشنۂ زباں سے
مرا ہنڈولا تھا عرش اعظم، میرے کھلونے تھے چاند سورج
اتار لاتا تھا جاکے تارے ، زمیں پہ راتوں کو آسماں سے
مرا گھروندا تھا گھر کا آنگن، اسی میں مہمان تھا میرا بچپن
تجھے بلا یا تھا کس نے ظالم؟ شباب تو آگیا کہاں سے؟

رہے جو تو اے شباب ! مہماں بایں غم و رنج و یاس حرماں
نہیں ہے یہ بھی مجھے توقع طلسم نیرنگ آسماں سے
ابھی ہے تیرا فشار باقی، ابھی بڑھاپا ہے آنے والا
فلک کو لینا ابھی ہیں بدلے بہت سے اک جزو ناتواں سے
ہزار جھگڑے ہیں زندگی کے ، ہزار دنیا کے ہیں بکھیڑے
سردر صدے اٹھیں، تو کیونکر اٹھیں یہ اک مشتِ استخواں سے

□□□

مقدمِ برشگال؟

آؤ اے ساون کے جھالو! اے فضائے برشگال
آہ! اے صحرا کے نالو! اے ہوائے برشگال
اودے اودے بادلو! آغوش رحمت کی قسم
تھے کہاں اگلے برس تم ، جوش رحمت کی قسم
تیرے اشکوں کا کہاں تھا ابر باراں سلسلہ
آنسوؤں کا خلق کے تھا تابداماں سلسلہ
یوں نہ اڑتے تھے ہوا میں لکۂ ابر سیاہ
تھی زمانے کے لے بارانِ رحمت! تیری چاہ
سبزۂ صحرا میں یہ شانِ دلاویزی نہ تھی
جوش باران کرم میں یہ گہر ریزی نہ تھی

لالہ وگل سے تھی خالی موج آغوش زمیں
یوں نہ تھیں پھولوں کی بیلیں دوشِ بردوشِ زمیں
لاجوردی تھیں نہ سبزہ سے زمیں کی ڈوریاں
نیلگوں تھیں خیمہ عرش بریں کی ڈور یاں
جوش پر آئی ہوئی ساون کی اوکالی گھٹا!
تو کہاں تھی؟ لمبے لمبے گیسوؤں والی گھٹا
تیری جھڑیاں تھیں کہاں؟ اے ابر باران کرم
خلق تھی تشنہ لب سرجوش پنہانِ کرم
تجھ کو اے ابر سیہ! امساک باراں کی قسم
نالہائے خلق کے دودِ پریشاں کی قسم
اے بہار عالم نیرنگِ پہنائے زمین
تو کہاں اتنے دنوں سے آہ! تھی خلوت نشیں
تیری جھڑیوں کی ضرورت آہ! دہقانوں کو تھی
پیاس تیرے شوق کی سوکھے ہوئے دھانوں کو تھی
دیکھتے تھے راہ تیری سرو ریحانِ چمن
تیرے مقدم کے تمنائی تھے مرغان چمن
لب پہ قمری کے صدائے نغمہ دل جو نہ تھی
کنگرہ پر، فاختہ کی صبح دم کوکو نہ تھی
بزم قدرت میں نہ تھی، رعنائی رنگِ نشاط
بے صدا تھا تیرے غم میں ساز آہنگ نشاط
کھیلتی کالی گھٹا، یوں سبزہ زاروں میں نہ تھی

آہ یہ عالم فریبی آبشاروں میں نہ تھی
ذرّہ ذرّہ آہ! وقفِ بارشِ خوں ناب تھا
قطرہ قطرہ آہ! تیرا گوہر نایاب تھا
قحط کا بارِ گراں تھا بار عصیاں دوش پر
بارے آیا، شکر ہے، دریائے رحمت جوش پر
پھر سہانی رت تری اے ابر باراں آگئی
ٹھنڈی ٹھنڈی مینہ کی پھر لے کے جھڑیاں آگئی
ڈال دی پھر تو نے دہقانوں کے ارمانوں میں جان
پڑ گئی قدرت کے پھر زرخیز میدانوں میں جان
تیرے آنے سے ہوئی ابرِ کرم! خلقت نہال
پھر نکالیں کونپلیں، پھر روپ پر آئے شجر
پھر چمن کا رنگ بدلا، پھر نکھر آئے شجر
لوٹتا ہے دل ، ادائے سبزۂ کہسار پر
کردیا قدرت نے مینا وادیٔ پُرخار پر
لاکھ جانیں تیرے صدقے! ابرِ نیسانِ کرم
ڈال دی مٹی میں تو نے جان بارانِ کرم

□□□

فلکِ اخضری ہے جام میرا

لگاؤں گا نہ تجھے منہ میں او مئے انگور
کہ تو ہے مایۂ فسق و فجور و عُجب وغرور
میں وہ نہیں کہ ترا جام پی کے ہوں بدمست
وہ بادہ کش ہوں کہ کہتے ہیں مجھ کو مستِ الست
مری شراب ہے تجھ سے کہیں مصفا تر
لطیف و خوش مزہ وخوش گوار وزیبا تر
تری شراب سے پرہیز گار ہوں ساقی
کہ مستِ بادۂ جوشِ بہار ہوں ساقی
وہ رند ہوں کہ خُم آسماں ہے جام مرا
بلند صوفی و واعظ سے ہے مقام مرا
ایاغ ساقیِ گردوں جو میرا بھرتا ہے
دماغ عالمِ بالا کی سیر کرتا ہے
ہوں مستِ نشہ جام مظاہرِ قدرت
غضب کے ہوش ربا ہیں مناظر قدرت
پہاڑیوں کی فضائیں ہیں خوش گوار عجب
رواں ہیں کوہ کے دامن میں آبشار عجب

مقام یہ نہیں دیکھے ہیں نیش کر تو نے
کیا نہیں ابھی کہسار کا سفر تو نے
یہ دل فریب مقامات چل دکھا لاؤں
پہاڑیوں کی ہوائے خنک کھلا لاؤں
پئیں گے مل کے مئے آفتاب چل تو سہی
عجب بہار ہے گل گشت کو نکل تو سہی
نثار میں ترے اوکر دگار قدرت کے
کہ چپے چپے پہ جلوے ہیں تیری صنعت کے
ازل میں صانع ارض و سماتھی ذات تری
دلیل ہے تری ہستی کی کائنات تری
کہاں تھا میں مری قسمت مجھے کہاں لائی
عدم سے جانب ہستی کشاں کشاں لائی
گراں ہے ہجر ترا جانِ ناشکیبا کو
تلاش ہے ترے جلوے کی چشم بینا کو
کرے نہ روح مری کیوں تری طرف پرواز
کہ زیست ہے تری قربت میں تفرقہ انداز
میں کاش عمر رواں! تجھ کو چھوڑ کر بھاگوں
طلسم خانہ ہستی کو توڑ کر بھاگوں
مکیں جو روح سے خالی مکان دیکھتے ہیں
تو سر اٹھا کے سوئے آسمان دیکھتے ہیں

کوئی عقاب کی چنگل میں جیسے ہو کودک
نگاہ یاس سے ماں دیکھتی ہو سوئے فلک
نجات دے مجھے ان شورشوں سے تو یارب!
کہ مجھ کو ہے ترے جلوے کی جستجو یارب!

□□□

گُل و بلبل کا فسانہ

وہ بلبل ہوں گلشن میں حسرت کشیدہ
کہ ہوں شیون گل کا اشکِ چکیدہ
میں وہ مرغ شوریدہ سرہوں چمن میں
وہ صید شکستہ جگر ہوں چمن میں
زمیں پر تڑپتا ہوں بے آب و دانہ
بُرا ہو ترا انقلاب زمانہ
شب و روز آہیں ہیں نالے ہیں لب پر
کلیجے میں ناسور چھالے ہیں لب پر
ہر اک پھول گل چیں نے چُن چُن کے توڑا
شگوفہ کوئی شاخ گل پر نہ چھوڑا
وہ کلیاں جو پھولوں کے ہاروں میں گندھ کر
حسینوں کی کرتی تھیں چوٹی معطر

وہ گل جو کبھی یادگار چمن تھے
وہ غنچے جو آئینہ دار چمن تھے
ہوئے سوکھ کر خار حسرت چمن میں
برستی ہے اب ان پر عبرت چمن میں
شگوفے چمن میں ہیں خوں نابہ غم
کہ جاتا رہا جوش گل کا وہ عالم
چمن میں نہیں یادگار چمن کچھ
پریشان زمیں پر ہیں خار چمن کچھ
وہ مرغان طناز اوج ہوا کے
جو اڑتے تھے جھونکوں میں موج ہوا کے
چمن میں چہکتے تھے جو شاخ گل پر
خزاں آتے ہی اڑ گئے تول کر پر
مگر میں نے چھوڑا نہ دامان گلشن
کہ ہے یہ مری آرزو کا نشیمن
یہ مانا کہ کمھلا گئے پھول کھل کر
بہار اپنی دکھلا گئے پھول کھل کر
چمن سے بہت دن ہوئے چل بسے وہ
نہ دو روز بھی کھل کھلا کر ہنسے وہ
ہوا گو کہ عہد شباب ان کا رخصت
یہ مانا کہ جاتی رہی وہ صباحت

مگر میرے نالوں کا عالم وہی ہے
وہی ان کا شیون ہے ماتم وہی ہے
وہی عشق ہے ، بے قراری وہی ہے
تپش ہے وہی آہ وزاری وہی ہے
وہی لب پہ اب تک ہیں نالے سحر کو
زمیں پر پٹکتا ہے صیّاد! سر کو
اسی گھر میں صیاد پیدا ہوا ہوں
یہیں شاہد گل کا شیدا ہوا ہوں
یہیں میں نے نالوں کا انداز سیکھا
یہیں سوز سیکھا یہیں ساز سیکھا
یہیں میری صیاد تربت بنانا
یہیں میری مٹی ٹھکانے لگانا
اگر چہ میں صیاد اک جانور ہوں
ہوں از خود رمیدہ ، وہ شوریدہ سر ہوں
مگر جانتا ہوں محبت کی رسمیں
نہیں ربط ممکن ہے عشق اور ہوس میں
ہے عشق اور شے،اور ہوس اور شے ہے
کہ گل اور شے خاروخس اور شے ہے
نہیں عاشقی خام کاروں کا شیوہ
کہ ہے پختہ مغزوں کا حصہ یہ میوہ

روایت سناتا ہوں ایک عاشقانہ
غضب کا ہے حسرت بھرا یہ فسانہ
ہوا میں تھی کچھ خاک مجنوں پریشاں
کسی نے یہ پوچھا کہ اے خانہ ویراں
وہی عشق لیلیٰ ہے کیا تیرے دل میں
وہی جوش سودا ہے کیا تیرے دل میں
کہا خاک مجنوں نے یہ آہ بھر کر
گیا ہے کہیں عشق اے نکتہ پرور
وہی نجد کا ہے بیاباں۔ وہی میں
وہی میری وحشت کا میداں وہی میں
وہی شورشِ عشق اب تک ہے سر میں
کہ پھرتا ہے لیلیٰ کا ناقہ نظرمیں
اگر چہ میں ہوں مشتِ خاک پریشاں
مگر ذرّہ ذرّہ میں ہے عشق پنہاں
محبت نہیں ہے فنا ہونے والی
نہیں حُسن کی طرح یہ لا آبالی

□□□

سیتا کی گریہ وزاری

(رام چندر جی کے بن باس کے وقت)

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
ریکھا تمہارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
نازک ہے میرا شیشۂ دل، ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمھارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا
راتیں نہ کٹ سکیں گی اکیلے فراق کی
گھڑیاں وہ جس نے جھیلی ہوں جھیلے فراق کی
قسمت نے جب سے باپ کے گھر سے کیا جدا
سوامی! مجھے نہ تم نے نظر سے کیا جدا
پتلی کی طرح آنکھوں میں شام و سحر رہی
پہلو میں بن کے صبر و شکیب جگر رہی
دکھ آج تک سہا نہ غمِ انتظار کا
مجھ پر کرم رہا ستمِ روز گار کا
صدمے تمھارے ہجر کے کیوں کر اٹھاؤں گی
میں مر مٹوں گی دکھ جو یہ دم بھر اٹھاؤں گی
ہمراہ بن کو ناتھ مری روح جائے گی

سائے کی طرح ساتھ مری روح جائے گی
مجھ سے شب فراق میں تڑپا نہ جائے گا
روز سیاہ ہجر کا دیکھا نہ جائے گا
گھر میں جو چھوڑ جاؤں گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آ کے نہ جیتا غریب کو
مانا کہ دشت میں غم و آلام ہیں بہت
بن باسیوں کو دکھ سحر و شام ہیں بہت
ایذا اگر چہ آبلہ پائی کی ہے کڑی
دوزخ سے بڑھ کے آگ جدائی کی ہے کڑی
یہ آگ وہ ہے جو دلِ مضطر کو پھونک کر
بجھتی ہے آرزو کے بھرے گھر کو پھونک کر
وابستہ آہ! تم سے ہیں سارے جہاں کے عیش
رنج فراق دوں جو تمھیں تو کہاں کے عیش
تاریک تم بغیر ہے عالم مرے لیے
فردوس بھی ہے آہ! جہنم مرے لیے
میکے میں باپ ماں سے ہے تسکین روح کو
اور اہل خاندان سے ہے تسکین روح کو
سسرال میں ہے ساس سسر پر مدارِ عیش
شوہر بغیر آہ! خزاں ہے بہار عیش
کیا مال سیم و زر کہ ہر اک شے ہے گھر میں ہیچ

دنیا کی سلطنت بھی ہے زن کی نظر میں ہیچ
زینت بھی آہ ہیچ ہے، زیور بھی ہیچ ہے
دنیا کی سیر، خلد کا منظر بھی ہیچ ہے
صدے شبِ فراق میں اف! کس بلا کے ہیں
سارے جہاں کے لوگ فرشتے فضا کے ہیں
شوہر بغیر قالبِ بے جاں ہے آہ! زن
شمع خموش خانۂ ویراں ہے آہ! زن
صحرا مجھے چمن ہے رفاقت میں آپ کی
دنیا کے سارے عیش ہیں خدمت میں آپ کی
یوں ہر تمھارے ساتھ پھروں گی میں بن میں خوش
بھونرا کلی کلی پہ ہو جیسے چمن میں خوش
ویرانہ ہوگا خانۂ دل جو مرے لیے
پر وار ہوں گے بن کے پکھیرو مرے لیے
پیتا مبر سمجھ کے درختوں کی چھال کو
آراستہ کروں گی قدِ نو نہال کو
سوامی جو تم ہو ساتھ تو کیسا الم کدہ
خس پوش جھوپڑا مجھے ہوگا صنم کدہ
سبزہ بنا کے لائے گا بستر مرے لیے
جھولا جھلانے آئے گی صرصر مرے لیے
صورت تمھاری دیکھ کے غم بھول جاؤں گی
صحرا کے سارے رنج و الم بھول جاؤں گی

ہوگی نہ بن میں کوئی اذیت مرے لیے
تم ہو تو کند مول ہیں امرت مرے لیے
پلکوں سے راہ دشت کی جھاڑا کروں گی میں
داسی ہوں لے چلو مجھے سیوا کروں گی میں
پنکھا جھلوں گی راتوں کو ہے ناتھ! آپ کا
سرمایہ میری زیست کا ہے ساتھ آپ کا
کرپاندھان! مجھ کو نہ دو دُکھ بیوگ کا
پرانوں کے پران! مجھ کو نہ دو دُکھ بیوگ کا

□□□

زنِ خوش خو

بہتر نہیں غم خوار زنِ خوب ونکُو سے   گھر سارا مہک اٹھتا ہے اس پھول کی بو سے
آجاتا ہے نور آنکھوں میں آئینۂ رو سے   مٹ جاتی ہے قسمت کی سیاہی شبِ مُو سے
چہرے میں ترِ زلف جو ہے بدر کا عالم
پھر جاتا ہے آنکھوں میں شبِ قدر کا عالم
شوہر کی زنِ نیک جو ہو مونس و دل سوز   بھونڈی بھی کالی ہو تو ہے شمعِ دل افروز
تاکید جو پردے کی حیا کو ہے شب و روز   ہوتی نہیں گستاخ نگاہِ ادب آموز
پہرے پہ ہے عصمت کوئی بیگانہ نہ آئے
فانوس پہ اُڑ کر کوئی پروانہ نہ آئے

ڈر ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے روزنِ در سے　　تاروں سے حیا آتی ہے پردہ ہے قمر سے
چادر کبھی خلوت میں سرکتی نہیں سر سے　　بیگانہ نظر رہتی ہے شوہر کی نظر سے
خلوت میں نگاہوں سے نگاہیں نہیں ملتیں
دل ملتے ہیں دل ملنے کی راہیں نہیں ملتیں

جب چادر خورشید چھپاتی ہے قمر کو　　اور باد صبا لاتی ہے بوئے گل تر کو
اُٹھ بیٹھتی ہے چھاؤں میں تاروں کی سحر کو　　کر دیتی ہے روشن رُخ پُر نور سے گھر کو
شوہر سے کبھی دیر میں سو کر نہیں اٹھتی
نکہت سے پریشان کبھی ہو کر نہیں اٹھتی

بل کھا کے جو ہو جاتے ہیں رخساروں پہ برہم　　بکھرے ہوئے آتے ہیں نظر گیسوئے پُر خم
بالوں میں جو ہوتا ہے پریشانی کا عالم　　سلجھاتی ہے اٹھ کر انھیں شانہ سے سحر دم
غازہ رُخ گل رنگ پہ ملتی ہے سحر کو
خلوت سے دُلہن بن کے نکلتی ہے سحر کو

چلتی نہیں شوخی سے لگاتی ہوئی ٹھوکر　　ڈر ہے کہ نہ پامال کہیں ہو دلِ شوہر
کرتی نہیں اٹھلا کے بپا فتنہ محشر　　رکھتی ہے قدم تول کے آہستہ زمیں پر
توام جو نہیں شوخیٔ رفتار قدم سے
بجتے نہیں گھنگرو کبھی پازیب کے چھم سے

ہوتی نہیں زیور کی طلب گار زیادہ　　رکھتی نہیں تزئین سے سروکار زیادہ
کرتی نہیں شوخی دمِ رفتار زیادہ　　ملبوس پہنتی نہیں زرتار زیادہ
چلتی نہیں اٹھلا کے نسیم سحری سے
شوہر کا لبھاتی نہیں دل عشوہ گری سے

رکھتی ہے دل و جان سے جو شوہر سے محبت　　　دھوتی ہے جو دامن سے غبارِ غم و کلفت
رہتی ہے جو ہر وقت شریکِ غم و راحت　　　کرتی ہے بصد صدق جو اظہار اطاعت
دو باتوں میں دیوانہ بنا لیتی ہے اس کو
دل سوزی سے پروانہ بنا لیتی ہے اس کو

خوش چہرہ، خوش وضع، خوش اسلوب، خوش اندام　　　دل سوز، دل افروز، دل آویز، دل آرام
گل پیرہن و غنچہ لب و شاہد گلفام　　　آسایش پہلو و شکیب دل ناکام
صورت ہے جو پاکیزہ تو سیرت بھی نکو ہے
خوش رنگ جو ہے پھول تو نکہت بھی نکو ہے

فرزانہ ہے، زیرک ہے، عقیلہ ہے، نکو ہوش　　　کم گو ہے، مودب ہے، رضا جو ہے، وفا کوش
صرفِ سخن خوب ہے گاہے گہے خاموش　　　آرامِ جگر، راحتِ جان، زینت آغوش
حسن اس میں نہیں ہے کہ وفائیں نہیں اس میں
ہاں! کونسی پاکیزہ ادائیں نہیں اس میں

دیتی ہے ہر اک کام سلیقے سے سر انجام　　　دھندوں میں لگی رہتی ہے گھر کے سحر و شام
ہو کام کا موقع تو یہ کرتی نہیں آرام　　　اور تھک کے نہیں بیٹھتی باخاطر ناکام
نازک ہے اگر چہ، پہ جفاکش یہ بڑی ہے
ہر وقت اطاعت کو کمر بستہ کھڑی ہے

غافل نہیں دل جوئی شوہر سے کوئی دم　　　ڈر ہے کہ نہ ہو خاطر نازک کہیں برہم
شوہر ہے اگر خوش تو ہے زن بھی خوش و خرم　　　ناشاد ادھر وہ تو ادھر یہ بھی ہے پُرغم
چہرے پہ شکن واں ہے تو یاں بل ہے جبیں پر
واں دل میں تپش صدمہ ہے یاں جان حزیں پر

لب پر ہے گر انبار وہاں نالۂ شب گیر　　یاں زلف رسا پاؤں میں ہے حلقۂ زنجیر
الٹا ہوا ہے واں ورقِ خاطر دل گیر　　نمناک یہاں اشکوں سے ہے سرے کی تحریر
واں دل خلشِ غم سے جو خونابہ فشاں ہے
یاں پان کا لاکھا لبِ نازک کو گراں ہے

واں شانہ کشِ زلف ہے آشفتہ طبیعت　　یاں آئینہ حسنِ دل افروز ہے حیرت
واں پردہ درِ چاک گریبانی ہے وحشت　　آنچل ہے نقاہت سے یہاں بارِ نزاکت
دامن ہے ادھر پرُ زے تو مجرم ہے ادھر چاک
اک تیر کے پیکاں سے ہیں دونوں کے جگر چاک

واں دشت میں مجموعہ خاطر ہے پریشاں　　یاں دوش پہ ہے زلف دوشا شامِ غریباں
تلوؤں میں وہاں ہے خلشِ خارِ مغیلاں　　نشتر سے کھٹکتے ہیں یہاں ناوکِ مژگاں
واں خارجنوں نوک کی لیتے ہیں سفر میں
یاں پھانس پڑی غم کی کھٹکتی ہے جگر میں

کانٹے ہیں ببولوں کے جو واں خون کے پیاسے　　یاں آگ لگی رہتی ہے تلوؤں میں حنا سے
لپٹی ہوئی واں گرد ہے دامانِ قبا سے　　یاں ناک میں دم زلفِ معنبر کی ہوا سے
صرصر کی طرح ہوتا ہے شوہر جو سفر میں
نکہت سی پریشاں یہ پھرا کرتی ہے گھر میں

راحت نہیں ملتی دلِ اندوہ طلب کو　　فرصت نہیں ہوتی کوئی دم نالوں سے شب کو
خلوت میں جو پروانے کو پاتی نہیں شب کو　　یہ شمع لگا دیتی ہے آگ عیش و طرب کو
گل کھا کے پگھل جاتی ہے سوزِ جگری سے
بجھ جاتی ہے پہلے یہ چراغِ سحری سے

رہ رہ کے غمِ ہجر ستاتا ہے جو اکثر — بہ جاتا ہے خون آنکھوں سے ہوکر دلِ مضطر
کیا دخل ہے نیند آئے ذرا آنکھوں میں چھپ کر — سونے نہیں دیتا ہے خیال رُخ شوہر
پھرتی ہے جو وہ چاند سی تصویر نظر میں
راتوں کو ستارے یہ گنا کرتی ہے گھر میں

رہتی ہے جو گیسو کے تصور میں پریشان — ہوجاتی ہے تاریک نگاہوں میں شبستان
آتا ہے جو رہ رہ کے خیالِ رخِ تاباں — تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع فروزاں
ہوتا ہے جو گردوں پہ گریبان سحر چاک
رو رو کے کیا کرتی ہے دامان جگر چاک

شوہر کی کبھی یاد سے غافل نہیں ہوتی — بیگانہ کی جانب کبھی مائل نہیں ہوتی
تیرنگہ غیر کی بسمل نہیں ہوتی — شوہر کے سوا اور کی قائل نہیں ہوتی
اس شمع کو جلتے ہوئے پروانہ نہ دیکھا
شوہر کے سوا اور کا دیوانہ نہ دیکھا

وہ آنکھ لڑے غیر سے کیا روزنِ در سے — شوہر کو بھی دیکھے جو نہ دزدیدہ نظر سے
بے مقنع و چادر یہ نکلتی نہیں گھر سے — ڈرتی ہے بہت دیدۂ بد بین کے اثر سے
رہتی ہے سمائی ہوئی شوہر کی نظر میں
چبھ جاتی ہے ایک ایک ادا اس کی جگر میں

انداز بھی ہے، ناز بھی، عشوہ بھی، ادا بھی — صورت میں پری چہرہ بھی ہے حور لقا بھی
آنکھوں میں مروت ہے نگاہوں میں حیا بھی — حُسن اس کو جو قدرت نے دیا ہے تو وفا بھی
شوہر کو غرض مایۂ آسایش جاں ہے
وہ قالب بے جان ہے تو یہ روح رواں ہے

جمنا

دھیمی دھیمی بہنے والی ایک نہر دل نشین
آبجو چھوٹی سی اک نازک خرام و نازنین
تشنگی شوق گنگا میں بجھانے کے لیے
جا رہی ہے اپنی ہستی کو مٹانے کے لیے
یہ وہ جمنا ہے کہ دلکش جس کا ہے انداز حسن
یکھتے ہیں آہ! عاشق جس کا خواب ناز حسن
یہ وہ جمنا ہے کہ گاتے ہیں سخن ور جس کے گیت
طربان خوش گلو کی ہیں زباں پر جس کے گیت

❑❑❑

یہ وہ جمنا ہے جہاں لے لے کے خلوت کے مزے
لوٹے ہیں عشاق نے برسوں محبت کے مزے
چاہنے والوں نے لپٹا کر حسینوں کے لیے
ہیں لب ساحل پہ بوسے نازنینوں کے لیے
یہ وہ جمنا ہے کہ رادھا سی حسیں نے مدتوں
برج کی اک پاک دامن نازنین نے مدتوں
بنسی والے کی جدائی میں اڑا کر سر پہ خاک
اپنے اشکوں سے کیا ہے دامن ساحل کو پاک
یہ وہ جمنا ہے جہاں اک بانوئے پردہ نشیں!
آگرہ میں محو آسائش ہے جو زیر زمیں

رُخ سے آہستہ الٹ کر چادرِ آبِ رواں
دیکھتی تھی مسکرا کر منظرِ آبِ رواں

□□□

آہ! اے نہرِ لطافت! آہ اے بحرِ جمال
دل میں ہے پہلو نشین اب تک ترا نقشِ خیال
گرچہ تجھ میں اب نہیں وہ جلوۂ شانِ کہن
وہ حسین تو ہے کہ اے شمعِ شبستانِ کہن
حسنِ رفتہ میں ہے تیرے اب بھی اک دل کش ادا
تیرے کمھلائے ہوئے پھولوں میں ہے بوئے وفا

□□□

تو وہ دریائے مقدس ہے کہ ہے عصیاں سے پاک
تیرا دامن اب بھی ہے آلائشِ انسان سے پاک
تیری شوکت کے ہیں شاید اے وفادارِ کہن
تیرے بُرجوں اور ترے قلعوں کے آثارِ کہن
تیرے ساحل سے ٹپکتی اب بھی ہے شانِ بلند
آسماں فرسا ہیں اب بھی تیرے ایوانِ بلند
تیرے فرسودہ نشاں ہیں نقشِ نازِ حسن و عشق
تیری موجوں میں نہاں ہے آہ! رازِ حسن و عشق

□□□

آہ! او رنگیں ادا، او دلی والی نازنیں
او دو عالم کے حسینوں سے نرالی نازنیں

یاد آیا میکہ دل کش تھے ترے نقش ونگار
دن مرادوں کے تھے اور جوشِ جوانی کا اُبھار
چڑھ کے جب مینار پر اک لعبتِ[1] ناز آفریں
دیکھتی تھی تیری موجوں کی ادائے دل نشیں
وہ کفِ سیلاب وہ شورِ تلاطم ہائے ہائے
تیری موجوں کا وہ اندازِ تبسم ہائے ہائے

❑❑❑

دھیمی دھیمی وہ تری رفتارِ بل کھائی ہوئی
وہ نظر جھپکی ہوئی ، چتون وہ شرمائی ہوئی
وہ حسینوں سے نرالی تیری البیلی روش
دل پہ جادو کرنے والی تیری البیلی روش
وہ سریلی نغمۂ جوشِ تلاطم کی صدا
آہ! وہ دلکش ترے سازِ ترنم کی صدا
برج کی او پاک دامن! او مقدس نازنیں!
نقش ہے دل پر تری اک اک ادائے دل نشیں

---

[1] روایت ہے کہ پرتھوی راج نے دہلی کا وہ مینار جو آج ''قطب کی لاٹ'' کے نام سے مشہور ہے، اس غرض سے بنوایا تھا کہ اس کی چہیتی بیٹی مینار پر چڑھ کر جمنا جی کے درشن کر سکے۔ 12

❑❑❑

اب کہاں جمنا! تری موجوں کی وہ مستانہ چال
اب کہاں پانی کے جھرنے اور وہ لطفِ برشگال

اب کہاں چھوٹا سا وہ رادھا کا کُنجِ خوش گوار
اب کہاں وہ آہ! متھرا تیرے پھولوں کی بہار
اب کہاں وہ بنسی والے کی ادائے جاں نواز
اب کہاں وہ آہ! مرلی کی صدائے جاں نواز
اب کہاں وہ خلوتِ راز ونیازِ حسن وعشق
بے صدا زیرِ زمیں ہے آہ! سازِ حسن وعشق

□□□

وہ محبت، وہ نشاط و عیش، وہ انداز حسن
آہ! وہ سر مایۂ ناز بقائے ساز حسن
وہ ترے دلکش ترانو ں کی صدائے بازگشت
اب بھی ہے لذّت فزا تیری نوائے بازگشت
تیرے دل میں اب بھی سر جوشِ محبت ہے وہی
آبِ شیریں میں ترے جمنا! حلاوت ہے وہی

□□□

او تلون کیش! او کافرادا! اودوں شعار
تو نے بدلے رنگ لاکھوں آہ! وضعِ روزگار
اک طلسمِ حیرت افزا ہے تری بزمِ نشاط
اک خیال روح فرسا ہے تری بزمِ نشاط
خاک اٹھ کر آہ! سر پر دامن ساحل اڑا
ٹکڑے ٹکڑے کر جگر کو پارہ ہائے دل اڑا

سوزشِ غم سے پگھل جا آہ! اے ریگِ رواں
ذرّے ذرّے میں تری تصویرِ عبرت ہے نہاں
اب کہاں وہ کُنجِ دلکش، اب کہاں رادھا کا عیش
ہے برنگِ خندہ گُل بے بقا دنیا کا عیش

□□□

اے خوشا قسمت تری جمنا! خوشا تیرے نصیب
واہ وا تیرا مقدر واہ وا تیرے نصیب
تو نے دیکھی ہے بہت دن مرلی والے کی ادا
دونوں عالم کے حسینوں سے نرالے کی ادا
اور سنی بنسی کی ہے برسوں صدائے دل نواز
داستانِ دردِ دل ،افسانۂ سوز و گداز
محشرستانِ الم کم بخت ہے کر دل کو چاک
چیر پہلو کو کہ نکلیں نالہ ہائے دردناک
ترجمانِ عشقِ رادھا ہیں کنھیا کو سنا
نالہائے ناشکیبا ہیں کنھیا کو سنا

□□□

سوئے متھرا آہ! لے چل میرے نالوں کے لیے
ارمغانِ عشقِ رادھا برج والوں کے لیے
تیرے درد انگیز نغمے ہیں جہاں گونجا کئے
سر کو ہیں دیوارِ قصرِ شہ سے ٹکرایا کیے

رو کے کہنا مرلی والے سے مرے سر کی قسم
تیرے غم میں اب بھی رادھا آہ! ہے تصویرِ غم

□□□

تاکجا یہ سرِ گذشتِ داستان درد و غم
چھیڑ اے جمنا! کوئی تازہ بیاں دردِ غم
ہو نہ لیکن آہ! تیرا شور ماتم دل خراش
تیرے نالوں کی صدا یعنی ہو کم کم دل خراش
اے لبِ ساحل آشنا ستیوں کی عصمت کا بیاں
پردہ افسانہ میں سوز محبت کا بیاں
تیرے پہلو میں ہے یہ کس حور وش کی یادگار
جس سے راتوں کو اٹھا کرتے ہیں آہوں کے شرار

□□□

آہ! فرسودہ نشانِ عصمت جاں باز تو
کس پری پیکر کا ہے نقشِ وفائے ناز تو
ہے تری تعمیر میں مضمر وہی شانِ وفا
تیری ہر خشتِ کہن ہے جو ہر کان وفا
غل نہ کر، آہستہ آہستہ ہوائے جمنا رواں
تاج عصمت کا یہاں ہے اک دریکتا نہاں

□□□

آہ! جمنا، اب بھی میدانوں میں ہنستی کھیلتی
بہ رہی ہے تو بیابانوں میں ہنستی کھیلتی

تیری موجوں میں وہی اب تک ہے متوالی ادا
تجھ میں ہے دل کش وہی اوگیسوؤں والی ادا
تیرے ساحل پر اچھلتا جیسے آہو ہوکوئی
محوِ رقصِ ناز یا طاؤس دل جو ہو کوئی

❑❑❑

اے زہے شوکت تری جمناز ہے اعزاز وشان
تجھ پہ لہرایا کیا اسلام کا صدیوں نشان
تیرے دل میں آہ! اب بھی ہے قیامت کی تپش
تیرے پہلو میں ہے اب بھی خارحسرت کی خلش
حسرتیں ہیں سیکڑوں تیرے دلِ مایوس میں
گوش بر آواز ہے ذوقِ سماعِ کوس میں
ہائے! وہ ترکوں کے دستے اور سنگینوں کی شان
ترچھے بانکے وہ جواں، وہ چار آئینوں کی شان

❑❑❑

بے صدا زیرِ زمیں ہے بزم شاہان غیور
آہ جمنا تجھ میں لیکن ہے وہی شان غرور
آہ! اے شکوہ طراز دستِ بیدادِ اجل
رونہ خونِ آرزو، اے محوِ فریاد اجل
آہ! اس دار فنا میں ہے بقا کس کے لیے
چھوڑنے والا ہے شاہین قضا کس کے لیے

❑❑❑

آہ! اس خواب شبانہ کا ہے مجھ کو انتظار
اس سرودِ عاشقانہ کا ہے مجھ کو انتظار
تیری اک اک موج تھی جب آہ! طوفاں کوشِ شوق
حلقۂ گرداب تھا جب ہالۂ آغوشِ شوق
جب کسی کے گیسوئے پُرخم کی سودائی تھی تو
اور لبِ ساحل پہ روضہ کی تماشائی تھی تو
آہ! جمنا تجھ کو دورِ باستانی کی قسم
شوکتِ دیرینۂ صاحب قرانی کی قسم
کیا نہ ہوں گے تجھ کو وہ دلکش مناظر پھر نصیب
عظمت اسلام کے اگلے مظاہر پھر نصیب
ہو کے مضطر آہ! جوشِ اضطراب دل سے کیا
یوں ہی ٹکرایا کرے گی سر کو تو ساحل سے کیا

□□□

کون یہ پردہ نشیں ہے تیرے دامن میں نہاں
کس کا چہرہ ہے نقابِ زلف پُرفن میں نہاں
تیری موجوں میں ہے یہ کس کی صدائے دل فریب
گا رہی ہے کون یہ غارت گرِ صبر و شکیب
خانۂ دل میں ہے تیرے کون محوِ رقصِ ناز
آ رہی ہے کس کی چھاگل کی صدائے جاں نواز

وہ سمن اندام ہے یہ شاہد پردہ نشین
جس کے پھولوں میں ہے لب تک بوئے فردوس بریں
حوریں آ کر خلد سے طوفِ مزارِ پاک کو
جھاڑتی پلکوں سے ہیں اپنے خس و خاشاک کو

□□□

آہ! اے ممتاز! تیرے عشوہ ہائے دل فریب
وہ تبسم ہائے شیریں وہ ادائے دل فریب
وہ لبِ نازک پہ موجِ خندہ ہائے شکریں
آہ! وہ جمنا کا منظر وہ نگاہِ شرمگیں
بکھری بکھری زلف وہ چہرے پہ بل کھائی ہوئی
شہ کی چتون آہ! وہ دزدیدہ للچائی ہوئی۔

□□□

چھپ کے خلوت میں وہ آہستہ بڑھانا پائے شوق
سر میں آشوبِ محبت، دل میں اک غوغائے شوق
منہ چھپا کر آہ! وہ زیرِ نقاب ریشمیں
روٹھ کر کہنا لگاوٹ سے ترا اے نازنین
روزنِ در سے نہ دیکھے مجھ کو چھپ چھپ کر کوئی
پیار سے ڈالے نہ دزدیدہ نظر مجھ پر کوئی

□□□

وہ نگاہِ شرگیں وہ عرضِ منت کے مزے
وہ سکوت افزا تبسم، وہ محبت کے مزے
شوخیِ حُسن جنون زا مانعِ زنجیرِ شوق
نیچی گردن میں حمائل دست دامن گیرِ شوق
رازِ الفت کے وہ پیغامِ نہانی ہائے ہائے
سرگزشتِ دیدہ و دل کی کہانی ہائے ہائے
آہ! جمنا اب کہاں وہ داستانِ حسن و عشق
نقشِ عبرت اب ہیں فرسودہ نشانِ حسن و عشق

□□□

آہ! اے نقش و نگارِ شوکتِ عہدِ کہن
آہ! اے آئینہ دارِ شوکت عہد کہن
ہم نے مانا تجھ میں اب وہ شانِ برنائی نہیں
وہ غرورِ حُسن وہ تمکیں، وہ رعنائی نہیں
ہم نے مانا تیرے چہرے کی ضیا جاتی رہی
تیری موجوں کی وہ مستانہ ادا جاتی رہی
منہ پہ گمنامی کا آنچل لے نہ اے پردہ نشیں
یوں ہی سرگرمِ خرامِ ناز رہ اے نازنیں
غم نہ طوفانِ حوادث کا کر اے سرجوشِ حُسن
ریگِ نسیانِ فنا میں ہو نہ خلوت کوشِ حُسن

سر کو ٹکرایا کرے ساحل سے سیلِ روزگار
تیری شہرت کے نشاں صدیوں رہیں گے یادگار

□□□

خستہ حالوں کی پریشانی مٹانے کے لیے
بھوک میں ڈھارس غریبوں کی بندھانے کے لیے
سبزہ و گل دشت وہامون میں اُگانے کے لیے
کشتِ باران کرم کو لہلہانے کے لیے
جانِ شیریں تو نے کر دی آہ! اے جمنا نثار
تیری فیاضی دے دھیچی کی طرح ہے یادگار

□□□

اے مقدس نازنیں! اے شاہد نازک خرام
تو اگر چہ آہ! پورا کر چکی سب اپنا کام
گرچہ صدیوں سے نہیں اب وہ شکوہ و شان ہند
پنجۂ آشوب سے صد چاک ہے دامان ہند
رہ گزر پست اپنے بہنے کے لیے کر اک پسند
اور وہاں پر چھیڑ اپنے نغمہ ہائے درد مند
شوکتِ دیرینہ پر اے نازنین! اترا نہ دیکھ
جھونپڑے میں شاہزادی خواب محلوں کا نہ دیکھ

---

1 ایک راجہ کا نام جس نے پیرانہ سالی میں اپنی جان ملک پر نثار کر دی۔

□□□

بچہ اور ہلال

رنگین ادا ہیں دونوں، رنگین جمال دونوں نورس ثمر ہیں دونوں، اور نونہال دونوں
بچے ابھی اگر چہ ہیں خرد سال دونوں بڑھ کر کریں گے اک دن کسب کمال دونوں
آ! مل کے ساتھ کھیلیں، ہم تم ہلال دونوں

تو بڑھ کے بدر ہوگا جس طرح آسماں پر ڈالے گا اپنی کرنیں اس تیرہ خاک داں پر
میرا شباب یوں ہی آئے گا عنفواں پر شفقت کا نور میں بھی برساؤں گا جہاں پر
آ! مل کے ساتھ کھیلیں، ہم تم ہلال دونوں

جس طرح تیرے دل کو اللہ داغ دے گا سوز جگر کا یوں ہی مجھ کو چراغ دے گا
تیری طرح مجھے بھی روشن دماغ دے گا مجھ کو مئے محبت، تجھ کو ایاغ دے گا
آ! مل کے ساتھ کھیلیں، ہم تم ہلال دونوں

وہ دن بھی ہوں گے، ہم تم آفاق گرد ہوں گے ہاموں نورد ہوں گے، گردوں نورد ہوں گے
اوج کمال ہستی میں دونوں فرد ہوں گے پھر ولولے جوانی کے آہ! سرد ہوں گے
آ! مل کے ساتھ کھیلیں، ہم تم ہلال دونوں

تو بن کے ماہ کامل یعنی ہلال ہوگا گردوں پہ رفتہ رفتہ تجھ کو زوال ہوگا
میرے قدِ خمیدہ کا یوں ہی حال ہوگا پیری میں لہو و بازی کا کب خیال ہوگا
آ! مل کے ساتھ کھیلیں، ہم تم ہلال دونوں

چھوٹی سی کیا ہی دلکش ہے یہ کمان تری مجھ کو پسند دل سے ہے آن بان تیری
پھر یہ نہیں رہے گی بچپن کی شان تیری وہ چار دن کی طفلی ہے مہمان تیری
آ! مل کے ساتھ کھیلیں، ہم تم ہلال دونوں

کشتی اتار لا، ہاں، چھوٹی سی آسماں سے ایسا کہاں کا اونچا ہے تو مرے مکاں سے
ہوں تیر چھوڑنے کو مضطر تری کماں سے تیرے لیے تڑپتا ہوں میں غم نہاں سے
آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

ننھے سے او کھلاڑی! او آسماں کے ساکن آ! کھیل لیں کہ دونوں بچے ابھی ہیں کم سن
دو چار دن کے مہماں ہیں کھیل کود کے دن بچپن میں ولولے ہیں طفلی کے غیر ممکن
آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

یارب نہ چشم بد سے پہنچے گزند تجھ کو ہو شام کی سیاہی دودِ سپند تجھ کو
گردوں کرے بڑھا کر بالا بلند تجھ کو ہاں کون سے کھلونے ہیں دل پسند تجھ کو
آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

ترانۂ خواب

پھولوں میں اے دل تجھ کو چھپا کر
سورج کی کرنوں سے بچا کر

دن بھر تیری کی رکھوالی
تجھ پہ کسی نے آنکھ نہ ڈالی

سوجا! سو گئیں چڑیاں کب کی
رہ گئیں آدھی گھڑیاں شب کی

باد صبا دیتی ہے لوری
چاندنی ہے کیا گوری گوری

شام سے ہے کیوں مضطر سوجا!
پھولوں کے بستر پر سوجا
سوگئے اے دل دنیا والے
اب تو ذرا آنکھیں جھپکالے
دریا کی خاموش ہیں لہریں
نیند سے ہم آغوش ہیں لہریں
سوگیا سبزہ نہر کنارے
سوجا! میرے راج دلارے

□□□

اس گلشن کا ہوں شیدائی
جس کی انوکھی ہے رعنائی
اونچے اونچے جس کے شجر ہیں
میٹھے میٹھے جس کے ثمر ہیں
پکتے نہیں گلزاروں میں جو
بکتے نہیں بازاروں میں جو
عالم رویا، تیرے صدقے
طرفہ تماشا تیرے صدقے
دل کو ہوا پر اڑتے دیکھا
مثل کبوتر اڑتے دیکھا

وا تھیں آنکھیں بسانِ نرگس
تھی رنجور میں شانِ نرگس

□□□

میٹھی نیندیں سو جا! اے دل
اب تو ذرا چپ ہو جا! اے دل
یاس گہہ غم ہے یہ دنیا
بزمِ ماتم ہے یہ دنیا
بارِ الم اس میں نہ اٹھا تو
نادان غم اس میں نہ اٹھا تو
سو جا میرے پیارے سو جا!
میری آنکھوں کے تارے سو جا!

□□□

نیا سال اور نئی امیدیں

صبحِ بہار لے کر پھولوں کے ہار آئی　　دوشِ صبا پہ نکہت ہو کر سوار آئی
پہلو میں پھر مسرت بن کر نگار آئی　　مردہ دلوں کے قالب میں جان زار آئی
پھر سالِ نو نوید عیشِ دوام لایا
نوروز پھر خوشی کا ہم کو پیام لایا

دورِ افق پہ سورج نو روز کا پھر آیا　　پھیلا کے اپنی کرنیں ذروں کو جگمگایا
پھر صبح آرزو نے جلوہ ہمیں دکھایا　　خوابیدگانِ شب کو پھر نیند سے جگایا

پھر جوشِ حبِّ قومی اٹھا امنگ ہوکر
آئی وطن کی الفت دل میں ترنگ ہوکر

کونپل نئی نکالی ہر نخل بوستاں نے　　بدلا بہار کا پھر جوڑا نیا خزاں نے
دورِ کہن کو پلٹا پھر گردشِ جہاں نے　　چھیڑا نیا ترانہ یاران نکتہ داں نے

پھر سالِ نو کے مقدم کا غل ہے انجمن میں
نوروز کا ہے طوطی پھر بولتا چمن میں

کروٹ بدل رہا ہے سبزہِ کنارِ جو پھر　　پھولوں میں بھینی بھینی ہے عطر کی سی بو پھر
نوروز کی ہے لب پر بلبل کے گفتگو پھر　　شاخوں پہ ہیں چہکتے مرغانِ خوش گلو پھر

آئی بہارِ تازہ پھر باغِ آرزو میں
نزہت بھری ہوئی ہے پھولوں کے رنگ و بو میں

دورِ نشاطِ گردوں، پھر دورِ جامِ جم ہے　　پھر خار زارِ ہستی گلدستۂ ارم ہے
خاموش انجمن میں بانگِ خروشِ غم ہے　　ہاں! اٹھو سونے والو فرصت کا وقت کم ہے

دل کو نئی اُمنگیں پھر گدگدا رہی ہیں
پھر سالِ نو کی خوشیاں ہمت بڑھا رہی ہیں

خوابِ گراں سے چونکو ہندوستان والو　　پستی میں کیوں پڑے ہو اونچے نشان والو
کب تک یہ آہ! ذلت، او عز و شان والو　　کب تک یہ خوابِ غفلت او آن بان والو

خُلدِ بریں کے جھونکے تم کو جگا رہے ہیں
رحمت کے آسماں سے پیغام آرہے ہیں

اٹھ کر ذرا تو دیکھو، دنیا کا رنگ کیا ہے　　رفتار کیا جہاں کی قوموں کا ڈھنگ کیا ہے
ہے حفظِ وضع کیا شے۔ ناموس و ننگ کیا ہے　　ایثار نفس کیا ہے، قومی اُمنگ کیا ہے

قوموں کی ہے ترقی کا کچھ تو راز آخر
حب وطن میں کردو دل کو گداز آخر

□□□

مطالعہ کتب

آہ! اے میری کتابو میرے بچپن کی رفیق
عالم طفلی سے ہو تم میری غم خوار و شفیق
راحتِ دل ہو تمھیں آسائش جاں ہو تمھیں
میری دنیا ہو تمھیں اور میرا ایمان ہو تمھیں
شب کو تنہائی میں گھنٹوں لطف وصحبت تم سے ہے
دن کو میرے خوش نما کمرے کی زینت تم سے ہے
قلب مضطر کے لیے سرمایۂ تسکیں ہو تم
میز پر پھولوں کا اک گلدستۂ رنگیں ہو تم
تم سے میں مانوس ہوں، مجھ سے محبت تم کو ہے
تم سے الفت مجھ کو ہے اور مجھ سے الفت تم کو ہے
ہے عجب دلکش تمھارا آہ! انداز سکوت
کنج خاموشی میں ہو تم میری ہم راز سکوت

دل میں یہ چبھتے ہوئے فقرے یہ تقریر خموش
تم پہ دیوانہ ہوں میں، تم ہو وہ تصویر خموش
نطق کے پھولوں میں یہ اندازِ رعنائی کہاں
یہ سکوتِ روح پرور، یہ مسیحائی کہاں

□□□

آہ! اے میری کتابو! مایۂ عقل و تمیز
کیوں نہ رکھوں میں تمھیں نقدِ دل و جاں سے عزیز
تم غذائے روح ہو تم صیقلِ اخلاق ہو
صفحۂ دانش پہ گویا جدولِ اخلاق ہو
ہو دبستانِ خموشی میں ادب آموز تم
اور غم و آلام میں ہو مونس دل سوز تم
تم جو تنہائی میں رہتی ہو نظر کے سامنے
روز اک دنیا نئی ہے میرے گھر کے سامنے
ہیں مرے روندے ہوئے دشت و جبل کیا شہر کیا
تیری وسعت ہے محیط تنگنائے دہر کیا
اونچے اونچے نیلگوں ہیں جو یہ طبقاتِ بلند
ان پہ پھینکی ہے نگاہِ شوق نے برسوں کمند
اے فضائے آسماں! اے خیمۂ عرش بریں
اے فروغِ حُسنِ خور! اے جلوۂ ماہِ مبیں

اے ضیائے انجم پُر نورو خطِ کہکشاں
بزم قدرت میں ہوں میں گویا تمھارا راز داں
آسماں اک نقطۂ باریک میرے دل میں ہے
وسعت پہنے دو عالم آہ! اس منزل میں ہے
ہوں میں وہ موج محیط وسعتِ انداز شوق
منطقہ سے منطقہ تک ہوں سُبک پرواز شوق
اڑ کے کرتا ہوں کبھی طے جادۂ عرش بریں
اور نئی دنیا کبھی ہے سامنے زیرِ زمیں
اک نیا عالم نظر آتا ہے دن بھر سامنے
بزم قدرت کا ہے اک دلچسپ منظر سامنے
گھر میں نظارہ کبھی ہے سبزۂ کہسار کا
سامنے نقشہ کبھی ہے وادیٔ پُر خار کا
موج گلبانگِ عنادل ہوں گلستاں میں کبھی
ہوں شمیم ناز پھولوں کے شبستاں میں کبھی
میں وہ قطرہ ہوں کہ ہوں طوفاں میں قلزم آشنا
موج ساحل ہوں، مگر ہوں میں تلاطم آشنا
بر مرقع میں ہوں میں دنیا کے تصویر سکوت
ہوں میں نقش عالمِ نیرنگ تسخیر سکوت

□□□

کارزارِ ہستی

ارض وسما ہیں نور کے سانچے میں ڈھل گئے　　سو کر اٹھو، کہ غیر ہیں آگے نکل گئے
چار آئینہ حریف پہن کر سنبھل گئے　　شیروں کے رزم گاہ میں تیور بدل گئے
تم بھی دکھاؤ جو ہر پیکار رزم میں
مردانہ وار بڑھ کے کرو وار رزم میں

لشکر کشوں کی صف میں تمھارا ہے انتظار　　سینہ سپر ہو بڑھ کے کہ ہے وقت کارزار
میدان کے دھنی ہو! جوانو! ہو ہونہار　　آگے تمھارے کس کو ہے دعویٰ گیرودار
سو کر اٹھو کہ قافلے والے نکل گئے
آگے بہت ہیں تم سے رسالے نکل گئے

اٹھ کر ذرا زمانے کی دیکھو روش ہے کیا　　قوموں میں جدو جہد کی داودوش ہے کیا
آئندہ و گذشتہ کی دل میں خلش ہے کیا　　چھوڑو خیال خام کہ یہ چپقلش ہے کیا
کرلو وہ آج جو تمھیں کرنا ہے دوستو
ڈوبی ہوئی ہے قوم ابھرنا ہے دوستو

اٹھ کر ہوائی قلعہ مسخر کرو کوئی　　دشمن پہ وار رزم میں بڑھ کر کرو کوئی
میدان کارزار وغا سر کرو کوئی　　قوی نشاں بلند فلک پر کرو کوئی
اٹھو کہ کل کا دیکھ رہے ہو یہ خواب کیا
غفلت کی ہے پڑی ہوئی منہ پر نقاب کیا

اے ضیائے انجم پُر نورو خطِ کہکشاں
بزم قدرت میں ہوں میں گویا تمھارا راز داں
آسماں اک نقطۂ باریک میرے دل میں ہے
وسعت پہنے دو عالم آہ! اس منزل میں ہے
ہوں میں وہ موج محیط وسعتِ انداز شوق
منطقہ سے منطقہ تک ہوں سُبک پرواز شوق
اڑ کے کرتا ہوں کبھی طے جادۂ عرش بریں
اور نئی دنیا کبھی ہے سامنے زیر زمیں
اک نیا عالم نظر آتا ہے دن بھر سامنے
بزم قدرت کا ہے اک دلچسپ منظر سامنے
گھر میں نظارہ کبھی ہے سبزۂ کہسار کا
سامنے نقشہ کبھی ہے وادیٔ پُرخار کا
موج گلبانگِ عنادل ہوں گلستاں میں کبھی
ہوں شمیم ناز پھولوں کے شبستاں میں کبھی
میں وہ قطرہ ہوں کہ ہوں طوفاں میں قلزم آشنا
موج ساحل ہوں، مگر ہوں میں تلاطم آشنا
ہر مرقع میں ہوں میں دنیا کے تصویر سکوت
ہوں میں نقش عالمِ نیرنگ تسخیر سکوت

□□□

کارزارِ ہستی

ارض و سما ہیں نور کے سانچے میں ڈھل گئے　　سو کر اٹھو، کہ غیر ہیں آگے نکل گئے
چار آئینہ حریف پہن کر سنبھل گئے　　شیروں کے رزم گاہ میں تیور بدل گئے
تم بھی دکھاؤ جو ہر پیکار رزم میں
مردانہ وار بڑھ کے کرو وار رزم میں

لشکر کشوں کی صف میں تمھارا ہے انتظار　　سینہ سپر ہو بڑھ کے کہ ہے وقت کارزار
میدان کے دھنی ہو! جوانو! ہو ہونہار　　آگے تمھارے کس کو ہے دعویٰ گیرودار
سو کر اٹھو کہ قافلے والے نکل گئے
آگے بہت ہیں تم سے رسالے نکل گئے

اٹھ کر ذرا زمانے کی دیکھو روش ہے کیا　　قوموں میں جد و جہد کی داد و دہش ہے کیا
آئندہ و گذشتہ کی دل میں خلش ہے کیا　　چھوڑو خیال خام کہ یہ چپقلش ہے کیا
کرلو وہ آج جو تمھیں کرنا ہے دوستو
ڈوبی ہوئی ہے قوم ابھرنا ہے دوستو

اٹھ کر ہوائی قلعہ مسخر کرو کوئی　　دشمن پہ وار رزم میں بڑھ کر کرو کوئی
میدان کارزار و عناصر کرو کوئی　　قومی نشاں بلند فلک پر کرو کوئی
اٹھو کہ کل کا دیکھ رہے ہو یہ خواب کیا
غفلت کی ہے پڑی ہوئی منہ پر نقاب کیا

دنیا کی رزم گاہ ہے شہرت کا کارزار　　افسانۂ اکابر عالم ہے یاد گار
ہمت کرو بلند کہ ہو عزت و وقار　　کوشش کرو کہ کل کا ہے کیا خاک اعتبار
اونچا ہوا میں سب سے پھریرا اڑا کرے
طاؤس بن کے قوم کا جھنڈا اڑا کرے

آلاتِ حرب آج تمھارے ہیں تند و تیز　　اور گرم جد و جہد کا ہے ہنگامہ ستیز
رن میں بڑھو! بڑھو! کہ نہیں موقعِ گریز　　کل تم کہاں ہو، ورنہ کہاں تیغ شعلہ ریز
یہ دورِ امن ہے۔ یہ ترقی کا دور ہے
دنیا کا رنگ اور تھا پہلے! اب اور ہے

گزرے ہوئے زمانے کے چھوڑو خیال کو　　توڑو طلسم یاد نشاط و ملال کو
چمکاؤ آسمان پہ قومی ہلال کو　　لاقِ کہن پنہاؤ نہ لیلائے حال کو
عہد کہن کا دفترِ پارینہ مردہ ہے
تلوار پھینک بھی دو کہ یہ زنگ خوردہ ہے

یہ شاہ راہ وقت میں بے اختیار کیا　　تم پیچھے پھر کے دیکھتے ہو بار بار کیا
سو کر اٹھو گے خواب سے روز شمار کیا　　نیندوں کا اترے گا تمھارے خمار کیا
چونکو شتاب اب نہیں موقع درنگ کا
سیکھو سبق جوانو! شریفانہ جنگ کا

دن چڑھ گیا ہے خواب گراں سے اٹھو! اٹھو!　　آواز آرہی ہے بگل کی سنو! سنو!
لو آگیا غنیم وہ سر پر بڑھو! بڑھو!　　دشمن لگا رہا ہے نشانہ بچو! بچو
ہتھیار جلد تیز کرو وقتِ کار ہے
ہستی کا گرم معرکۂ کارزار ہے

جب شامِ عمر ہوگئی سوکر اٹھے تو کیا　　قومی وقار ہاتھ سے کھوکر اٹھے تو کیا
لٹیا دمِ خیر، ڈبو کر اٹھے تو کیا　　بستر سے شرمسار جوہوکر اٹھے تو کیا
جب آگیا غنیم اجل سرپہ فائدہ؟
کھولی جو آنکھ شیب میں بستر پہ فائدہ؟

□□□

ادائے شرم

یہ نگاہِ شرگیں، یہ تیرا انداز حجاب　　نیچی نظریں ہیں تری، یا عقدۂ رازِ حجاب
لب میں ہےجاں پروری آنکھوں میں اعجازِ حجاب　　دوش پر آنچل ہے، یا ہے پردۂ سازِ حجاب
پاک دامانی کی تو ہنستی ہوئی تصویر ہے
جلوۂ حُسن تماشا سوز کی تنویر ہے
کہہ رہی ہے چپکے چپکے تیری چشم شرگیں　　"پیکرِ عفت ہے تو" اے نقشِ نازِ دل نشیں
یاز میں پرجلوہ گر ہے خلد کی اک حورعین　　یا کوئی دوشیزۂ رعنا ہے تو اے نازنین
کتنے دلکش اور سادہ ہیں ترے جذباتِ حُسن
تیری خوبو میں نہیں داخل ہیں مصنوعاتِ حُسن
آئینے سے آشنا ذوقِ خود آرائی نہیں　　دوشِ بردوش تحیر نازیکتائی نہیں
خود تماشا ہے مگر اپنی تماشائی نہیں　　محوِ تمکیں آہ! تیری شان برنائی نہیں
اک عجب دلکش مرقع تو یدِ قدرت کا ہے
نقش سادہ اک طلسمِ جلوۂ حیرت کا ہے

بھولی بھولی اف یہ صورت، پیاری پیاری یہ ادا   آہ! یہ شرمیلی چتون، اور یہ آنکھوں کی حیا
یہ خم گردن کا عالم اور یہ زلفِ دوتا   یہ لبِ شریں، یہ اندازِ سکوتِ جاں فزا
نقشِ عفت ہے مگر تو پردۂ تصویر میں
جلوۂ نورِ ازل ہے حُسن عالم گیر میں

یہ تری عالم فریبی اور یہ ریعانِ حسن   بکھرے بکھرے بال، اور سمٹا ہوا دامانِ حسن
عفت و شرم و حیا و نازنین ارکانِ حسن   بس انھیں دو چار اجزا سے ہے قائم شانِ حسن
حاجتِ گل گو نہ کیا رخسار زیبا کے لیے
ذوقِ تزئیں ننگ ہے زلفِ چلیپا کے لیے

عشوہ جو تیری نگہ اے لعبتِ خوش خو نہیں   سر پہ بولے چڑھ کے جو آنکھوں میں وہ جادو نہیں
جس سے اک عالم پریشاں ہو یہ وہ گیسو نہیں   بن کے خنجر دل پہ چل جائیں یہ وہ ابرو نہیں
یہ نہیں وہ تیر مژگاں جن ۔ سے بسمل ہو جگر
شہ رگ جان میں جو بن جائیں اتر کر نیشتر

نیچی نظریں ہیں تری بیگانۂ ناز و نیاز   اور عیاں آنکھوں سے ہے معصومیت کا تیری راز
کتنی دلکش ہے تری اک اک ادائے دل نواز   ہے چھڑی پھولوں کی یا زیرِ ذقن انگشت ناز
کھل کے ہنسنا بھی نہیں تو جانتی گویا ابھی
غنچۂ سر بستہ ہے اے شاہد رعنا ابھی

□□□

یادِ وطن

اے نسیم صبح! اے پیک وفا دارِ وطن
ہو اگر تیرا گزر سوئے چمن زارِ وطن
ان سے کہنا میری جانب سے بصد اظہارِ شوق
ساتھ ہیں کھیلا کیے برسوں جو غم خوارِ وطن
وارہا کرتے ہیں شب بھر دیدۂ اختر شمار
بڑھ گیا ہے آہ! حد سے شوقِ دیدارِ وطن
دم لگا رکھا ہے آنکھوں میں تمھاری دید کو
لے رہا ہے اب سنبھالا آہ! بیمارِ وطن
دشتِ غربت کا ہے منظر سامنے اک ہولناک
اب نہ بنیادِ وطن ہے وہ نہ آثارِ وطن
رحم اے صحرانوردی! رخصت اے دشتِ جنون
پاؤں کے چھالوں کو ہے پھر حسرت خارِ وطن
تھے عجب حیرت فزائے شوق وہ لیل و نہار
دیدہ و دل آہ! تھے جب آئینہ دارِ وطن
دن کو گلگشتِ چمن کے وہ مزے یاروں کے ساتھ
چاندنی میں شب کو لطفِ سیر کہسارِ وطن
وہ فضائے لالۂ رنگیں ادا، وہ جوشِ گل
اور وہ پھولے پھلے سر سبز اشجارِ وطن

آہ! وہ ساون کے جھالے اور وہ جھونکے سرد سرد
وہ لبِ جو رشحۂ ابرِ گہر بارِ وطن
ہلکی ہلکی وہ جھڑی، وہ دلفریبی قوس کی
زرد وہ سورج کی کرنیں، وہ شفق زارِ وطن
دن کو سورج کی شعاعوں کی وہ چہرے پر نقاب
شب کو وہ تاروں کی افشاں زیبِ رخسارِ وطن
وہ چمن، وہ سبزۂ صحرا، وہ کنجِ دل نشیں،
وہ درودیوار، وہ کوچے، وہ بازارِ وطن
شب کو جلسوں میں حسینوں کے وہ لطفِ میکشی
وہ جوانی کی اُمنگیں، دل وہ سرشارِ وطن
میرے سوز غموں کا مرہم تھی وطن کی چاندنی
میرے سو دردوں کا ایک درماں تھا آزارِ وطن
شامِ غربت میں چراغِ صبح ہوں اے چارہ گر!
میہماں ہوں کوئی دم کا، ہوں وہ بیمارِ وطن
الٹی سانسیں لے رہا ہوں میں وطن کی یاد میں
لب پہ نالوں کے عوض ہے آہ! تکرارِ وطن
پھرتی ہے آنکھوں میں تصویرِ وطن! اے بے کسی!
نزع کے عالم میں بھی ہوں محوِ دیدارِ وطن
اپنی صحبت سے نکالا کیوں مجھے اے ہم دمو!
میں درانداز وطن تھا، اور نہ عیّارِ وطن

تم کو یہ نازِ تغافل، اور مجھے یہ عجز و شوق
آفریں ہے تم کو یارانِ وفادارِ وطن
بے مزہ ہے وادیٔ غربت میں کانٹوں کی خلش
آ کلیجے سے لگالوں تجھ کو سو خارِ وطن
رنج غربت سہتے سہتے تو بھی آخر مرمٹا
اے دل جاں دادۂ غم! اے طلب گارِ وطن
میں بناتا، میرا بس ہوتا اگر اے غم گسار!
تیری اک چھوٹی سی تربت زیرِ دیوارِ وطن

□□□

شمع و پروانہ

کسی حسین کی محفل میں شب کو جلوہ فروز
کہا یہ شمع نے پروانے سے کہ اے دل سوز
میں آگ ہوں مرے شعلے پہ تھرتھرا کے نہ گر
کڑی یہ آگ ہے دیوانہ وار آکے نہ گر
تڑپ تڑپ کے نہ گرمِ تپش ہو تو اتنا
خیال رخ میں نہ ہو محوِ آرزو اتنا
نہیں ہے تو مرے شوقِ وصال کے قابل
نہ ننھے پر نہیں تابِ جمال کے قابل

گدازِ شوق سے اتنا نہ بے قرار ہو تو
لپٹ کے بزم میں مجھ سے نہ ہم کنار ہو تو
کڑی ہے آہ! مرے سوز امتحاں کی لپٹ
سہی نہ جائے گی تجھ سے گداز جاں کی لپٹ
ذرا سی جان ہے ، ننھا سا ہے جیا تیرا
ستم کا شوق ہے ، اللہ رے! حوصلہ تیرا
مرے گلے کا نہ ناداں! ہو ہار محفل میں
تڑپ کے مجھ پہ نہ دے جان زار محفل میں
بر آر مجھ سے ہو صحبت، ترا خیال غلط
فروغ گرمی ہنگامۂ وصال غلط
نہیں ہے تو مرے سوزوگداز کے قابل
یہ پر نہیں ہیں ستم ہائے ناز کے قابل
جلا کے دل کو مرے عشق میں گداز نہ کر
میں بے نیاز محبت ہوں مجھ پہ ناز نہ کر
صدائے شمع ہوئی ایک بیک جو زینتِ گوش
کہا پتنگے نے اے غمگسار شعلہ فروش
شہید ناز ہوں، تیغ زباں دراز نہ کر
جلا ہوا ہوں، یہ تقریر جاں گداز نہ کر
غم اپنے جلنے کا ہو مجھ کو، بوالہوس میں نہیں
گروں نہ ٹوٹ کے شعلے پہ وہ مگس میں نہیں

ازل سے لے کے دلِ درد مند آیا ہوں
میں بزمِ دہر میں بن کر سپند آیا ہوں
تو ایک آگ کا شعلہ ہے آہ! محفل میں
وہ سوز دوست میں، شعلے ہزار ہیں دل میں
کڑی ہے آگ محبت کی آگ سے تیری
لگاؤ دل کا زیادہ ہے لاگ سے تیری
وفا سے دور ہے! تو شب کو انجمن میں جلے
ترا شہیدنہ سوز غم و محن میں جلے
عطا کیا ہے تجھے جس نے دل پگھلنے کو
اسی نے مجھ کو بتایا ہے تجھ پہ جلنے کو

□□□

کلیجے کا داغ

زینہ نہ بامِ عرش کا اتنا بلند تھا میری دعا کو باب اجابت ہی بند تھا
تیرا اجل کو آہ ! نہ درماں پسند تھا اچھا ہوا کسی سے نہ وہ درد مند تھا
دھڑکن گئی نہ دل کی ، نہ دردِ جگر گیا
مایوس سے نا امید تری چارہ گر گیا

وہ آہ! تیری چاند سی صورت کدھر گئی　　آنکھوں کا نورِ رخ کی صباحت کدھر گئی
ہونٹوں کی لال لال وہ رنگت کدھر گئی　　بچپن کے مسکرانے کی عادت کدھر گئی
ہونٹوں پہ اب ہنسی ہے نہ جنبش زبان کو
"کیا جانے کیا ہوا تیری ننھی سی جان کو"

چہرے سے آہ! یوں ہے صباحت اُڑی ہوئی　　جیسے خزاں میں پھول سے نکہت اڑی ہوئی
دل سرد، جسم سے ہے حرارت اڑی ہوئی　　رخ سے گلاب کی سی ہے رنگت اڑی ہوئی
آنکھیں کنول سی ہیں نہ وہ چہرہ ہے پھول سا
لوگو! ہے آج کچھ مرا ننھا ملول سا

پنہاں اجل کا دستِ ستم آستیں میں ہے　　مجھ کو خبر نہ تھی کہ یہ ظالم کہیں میں ہے
آنکھوں میں نور ہے نہ صباحت جبیں میں ہے　　قالب یہاں ہے روح بہشتِ بریں میں ہے
زانوں پہ سو گیا مرے سر رکھ کے آہ! تو
کھولے گا آنکھ کب مرے نورِ نگاہ تو

گو مجھ سے اب نگاہ نہیں آشنا تری　　مجھ کو مگر ہے آہ! وہی مامتا تری
اگلی سی وہ اگر چہ نہیں ہے ادا تری　　اس غم میں بھی شبیہ ہے تسکین فزا تری
تو کوئی دم میں خاک کا پیوند ہی سہی
بوسے تو لے رہی ہوں میں لب بند ہی سہی

صبر و سکوں کا کرنہ سفینہ تباہ تو　　ماں کا سمجھ کے توڑ دلِ داد خواہ تو
بے نور آنکھ ہے، مرے نورِ نگاہ تو　　یعنی ہے مجھ غریب کا روزِ سیاہ تو
میں نے سمجھ کے خاک کا پتلا زمین کو
حافظ خدا ترا تجھے سونپا زمین کو

ایذا سے جانِ زار جو کاہش طلب رہی　　دن بھر پسر کی یاد میں میں مضطرب رہی
جب نصف شب گزر گئی اور نصف شب رہی　　دل میں نہ آہ طاقتِ رنج و تعب رہی
نیند آگئی تو طرفہ تماشا نظر پڑا
اک گنج پُر فضا لبِ دریا نظر پڑا

پچھلے پہر کا وقت تھا۔ جاں بخش تھی ہوا　　اور میرے ساتھ تھا مرا ننھا ٹہل رہا
صورت تھی پیاری پیاری وہ معصوم دل ربا　　اک پھول تھا گلاب کا گویا کھلا ہوا
پھولوں کی بو سے بادِ صبا عطر بیز تھی
سر پر شعاعِ نور کی اک جلوہ ریز تھی

چہرے پہ نور کی جو کرن تھی چمک رہی　　تھی گورے گورے گالوں پہ سرخی جھلک رہی
وقت خرام نازکمر تھی لچک رہی　　شبنم اُدھر گلاب تھی رخ پہ چھڑک رہی
رُخ پر جو چاندنی نے اجالا تھا کردیا
مکھڑے کا اور حسن دوبالا تھا کردیا

کہتا تھا مسکرا کے مجھے یوں دکھا کے پھول　　کس رنگ کے یہ گل ہیں یہ ہیں کس ادا کے پھول
کلیاں گلاب کی ہیں، نہ یہ موتیا کے پھول　　دل کش عجب ہیں اس چمن دل کشا کے پھول
دنیا کی ہے ہوا انھیں چھو بھی نہیں گئی
اڑ کر ہے ان کی خُلد سے بو بھی نہیں گئی

اس کنج دل نشیں کی ہے آب و ہوا پسند　　دنیا کی اب نہیں مجھے اماں ادا پسند
ہو جس کو خلد کا چمن دل کشا پسند　　کانٹوں کو دہر کے وہ کرے آہ! کیا پسند
دنیا سے آہ! اب مجھے دل بستگی نہیں
میں شاد ہوں کہ مجھ کو غمِ خستگی نہیں

میں جانتا ہوں ضبط کی عادت ہے کم تمھیں　　　برسوں رُلائے گا مرے مرنے کا غم تمھیں
ڈھارس بندھاؤ دل کو، عبث ہے الم تمھیں　　　رونا نہ اب مجھے، مرے سر کی قسم تمھیں
اشکوں سے میرے غم میں نہ آنکھوں کو تر کرو
دنیا میں کچھ دنوں خوش و ناخوش بسر کرو

□□□

مہاراجہ دسرتھ کی بے قراری

رام اپنے قوت بازو لچھمن اور اپنی وفادار عفت پرست مہارانی سیتا کو ہمراہ لے کر بن میں پہنچے ہیں۔ سومنت (وزیر) شہزادوں کو پہنچا کر شاہی محل میں داخل ہوتا ہے۔ اس وقت جو روح فرسا خیالات مہاراجہ دسرتھ کے دل پر یورش کرتے ہیں، ان کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے۔

پھرتی ہے آہ! دیدہ و دل میں ادائے رام
آیا چمن میں لے کے نہ بوئے قبائے رام
بن سے اجودھیا کو پھرا خالی ہاتھ تو
لایا نہ لکشمن کو، نہ سیتا کو ساتھ تو
چھوڑ آیا میرے پھولوں کو کس بن میں آہ! تو
لے چل مجھے بھی دشت کے دامن میں آہ تو
تیر و کماں کو دوش پہ ڈالے ہوئے جہاں
پھرتے ہیں میرے نازوں کے پالے ہوئے جہاں

آنکھیں کنول سی ہیں، کفِ پا یاسمن کے پھول
کمہلا نہ جائیں دشت میں میرے چمن کے پھول
بچوں کو اپنے ایک نظر اور دیکھ لوں
صحرا میں ان کو خاک بسر اور دیکھ لوں
آتا ہے مجھ کو رام پہ بے اختیار پیار
کرلوں لگا کے سینے سے پھر ایک بار پیار
آنکھوں کا میری نور تھے ٹھنڈک جگر کی تھے
دل کا مرے سرور بصارت نظر کی تھے
پر نور آہ! میری شبستاں تھی رام سے
پیری کی صبح غنچۂ خنداں تھی رام سے
سیتا کی مجھ کو حسرتِ دیدار رہ نہ جائے
یہ پھانس ٹوٹ کر دل پُرغم میں رہ نہ جائے
بن میں جو رام ہیں تو اجودھیا اداس ہے
کوسلیا غریب بھی کیا کیا اداس ہے
بدلے کہاں کے مجھ سے لیے تونے کیکئی
داغوں پہ آہ! داغ دیے تونے کیکئی
رام و لچھمن کی آہ! کہاں ماننا تجھے
میرے غمِ دروں کی خبر آہ! کیا تجھے
بالک تھے رام دشتِ نوردی کے دن نہ تھے
بچے ابھی تھے بادیہ گردی کے دن نہ تھے

بوٹا سا قد تھا۔ دن ابھی نشوونما کے تھے
قابل نہ آہ! اس ستم ناروا کے تھے
کانٹے قدم قدم پہ نکالے گا آہ! کون
غربت میں بن کی جھاڑے گا پلکوں سے راہ کون
روئیں گے یہ تو کون گلے سے لگائے گا
سوئیں گے یہ تو کون تھپک کر سلائے گا
لائیں گے رنج! دشت نوردی کی تاب کیا
پھولوں کو میرے آئے گا کانٹوں پہ خواب کیا
نازونعم کے پالے ہوئے بے کس وملول
کیوں کر جئیں گے دشت میں کھا کھا کے کند مول
صحرا میں بے شمار درندے کمیں میں ہیں
گرگ و پلنگ گھات میں اژدرز میں میں ہیں
چیتے نہ بن میں آکے ڈرائیں قریب سے
بھولے ہیں رام اور ہیں لچھمن غریب سے
محلوں کی رہنے والی ہیں ، افسوس !جانکی
نادان بھولی بھالی ہیں، افسوس جانکی
دیکھا کہاں ہے گوشہ ٔ دامان دشت کو
ڈر جائیں دیکھ کر نہ غزالانِ دشت کو
مہرو وفا کی آہ ہیں وہ مورتیں کدھر
اے شامِ غم ہیں چاند سی وہ صورتیں کدھر

رآم لچھمن کے ساتھ گیا میرا ہائے عیش
قصرِ شہی ہے اب مجھے ماتم سرائے عیش
واقف ترے ستم سے میں او آسماں نہ تھا
جائیں گے بن کو رآم مجھے یہ گماں نہ تھا
جس بن میں میرے نورِ نظر ہیں غبارِ شوق
آنکھیں ہوں میری فرشِ رہِ انتظارِ شوق
توڑوں تڑپ تڑپ کے جو دم اشتیاق میں
آنکھوں سے جان زار جو نکلے فراق میں
چھوڑے سے نہ میرے گیسوؤں والوں کا بن میں ساتھ
بن بن کے بو قبا کی رہے پیرہن میں ساتھ
شکوے ہیں کیکئی کے گلے آسماں کے ہیں
آ اے اجل کہ مجھ پہ ستم دو جہاں کے ہیں

❑❑❑

نابینا پھول والی کا گیت

لوگو چلو، مرے گلِ رعنا خرید لو
اس اندھی پھولوں والی کا سودا خرید لو
سنتی ہوں اس زمیں کا ہے منظر نظر فریب
پھر کس طرح نہ ہوں، یہ گلِ تر نظر فریب

بچے یہ پھول بھی تو اسی سرزمیں کے ہیں
یہ ننھے ننھے لال اسی نازنیں کے ہیں
یہ گل وہ گل ہیں، ماں کی ادا ان گلوں میں ہے
رنگیں ادا ہیں، بوئے وفا ان گلوں میں ہے
بازارِ حسن میں یہ گلِ تر ابھی ابھی
آئے ہیں ماں کی گود سے اٹھ کر ابھی ابھی
یہ میٹھی نیندیں گود میں ماں کی تھے سو رہے
ان پر نثار قطرۂ شبنم تھے ہو رہے
سوتا ہوا چمن سے اٹھا لائی ہوں ابھی
پھولوں کی انجمن سے اٹھا لائی ہوں ابھی
کوری تھی خوابِ ناز کی، موجِ ہوا نہ تھی
ماں کی دعا تھی جنبشِ بادصبا نہ تھی
دل کش ہیں ان کے پھول سے رخسار کے نشان
کچھ ماں کی مامتا کے ہیں، کچھ پیار کے نشان
خوشبو ڈھلک رہے جو یہ چہرے پہ ماں کے ہیں
قطرے مگر یہ شبنم باغ جناں کے ہیں
ان آنسوؤں میں رنگ محبت ہے جلوہ ریز
ان بوندیوں میں شعلۂ الفت ہے جلوہ ریز
بچوں کا غم خوشی میں بھی ہے غم نصیب کو
کھٹکا لگا ہوا ہے یہ ہردم غریب کو

اب کہیں! انھیں نہ کسی کی نظر لگے
ہیں نازنین، انھیں نہ کسی کی نظر لگے
ارماں نکالتی کبھی خوش ہو کے جی کے ہے
آنسوں کبھی بہا کے یہ کہتی خوشی کے ہے
آغوش ناز سے مرے سوکر اٹھے ہیں یہ
شبنم سے ہاتھ منہ ابھی دھوکر اٹھے ہیں یہ
ہوکر بڑے اٹھے یہ حسیں کس غضب کے ہیں
جھڑتے ہیں پھول خندۂ جبیں کس غضب کے ہیں
روتی گلے لگا کے ہے بے اختیار ماں
کرتی ہے ان پہ قطرۂ شبنم نثار ماں
شبنم کی بوندیاں ہیں کہ آنسو یہ ماں کے ہیں
سرچشمۂ وفا ہیں، یہ قطرے کہاں کے ہیں
تصویر خانہ ہے تمھیں لوگو فضائے دہر
اور میں غریب اندھی ہوں ناآشنائے دہر
تاریک ہے یہ بزم تماشا مرے لیے
ظلمت کدہ ہے محفل دنیا مرے لیے
آنکھوں بغیر سب ہیں مناظر جہاں کے ہیچ
میرے لیے ہیں آہ! مظاہر یہاں کے ہیچ
دنیا کی صورتوں کو میں دُکھیا ترستی ہوں
اجڑی ہوئی صداؤں کی منزل میں بستی ہوں

گویا قریب ساحلِ ظلمت کھڑی ہوں میں
محوِ تلاش جلوۂ صورت کھڑی ہوں میں
سائے ہیں خوب وزشت گزرتے قریب سے
پنہاں مگر ہیں دیدۂ حسرت نصیب سے
نکلیں گی ان میں ایسی بھی دو چار صورتیں
صبر آزما، حسین، طرح دار صورتیں
صورت پہ جن کی خلق خدا ہے مٹی ہوئی
جن کی ہر اک ادا پہ قضا ہے مٹی ہوئی
وہ کیسی ہوتی ہوں گی ترستی ہوں میں غریب
دیکھوں نظر اٹھا کے ہیں ایسے کہاں نصیب
میرا بجز صداؤں کے ہم راز کون ہے
ظلمت کدے میں مونس ودم ساز کون ہے

□□□

لوگو چلو ، مرے گلِ رعنا خریدلو
اس اندھی پھولوں والی کا سودا خریدلو
کہتے ہیں کیا غریب یہ ان کی فغاں سنو
فریاد کو انھیں بھی ملی ہے زباں سنو

□□□

اس اندھی پھولوں والی کا دم ہے ستم ہمیں
مرجھا کے رہ نہ جائیں کہیں ہے یہ غم ہمیں

نازک ہیں دھان پان ہیں بچے ہیں نور کے
پروردۂ بہار ہیں ٹکڑے ہیں نور کے
ڈرتے ہیں اس حسینۂ ظلمت نشیں سے ہم
شورِ بکائے پیہم و آہِ حزیں سے ہم
آزاد اس کی قید ستم سے کرے کوئی
دامانِ شوق میں ہمیں یارب! بھرے کوئی
ہم دایۂ بہار کے نور نگاہ ہیں
آنکھیں اس اندھی لڑکی کی بے نور آہ! ہیں
مشتاق ہیں ان آنکھوں کے پروردگار ہم
جو ہم کو دیکھیں، جن کو دکھائیں بہار ہم
لوگو! چلو مرے گل رعنا خرید لو!
اس اندھی پھولوں والی کا سودا خرید لو!

□□□

امید اور طفلی

یاد بچپن کے ہیں وہ دن امید!
جب کہ تھی تو صغیر سن امید!
میں بھی کم سن تھا تو بھی کم سن تھی
اور تری آرزو بھی کم سن تھی

تو کھلونا تھی میرے بچپن کا
تجھ سے تھا ساتھ چولی دامن کا
ہائے! وہ پھول سے ترے رخسار
اف! وہ بچپن کے تیرے ساتوں سنگار
لال لال انگلیاں حنا آلود
مسّی مالیدہ لب کبودکبود
وضع البیلی چال متوالی
میرے بچپن کی گیسوؤں والی
تونے کیوں میرا ساتھ چھوڑدیا
ہاتھ میں لے کے ہاتھ چھوڑ دیا
تجھ میں کیا وہ وفا کی خو نہ رہی
نہ رہا میں ہی یا وہ تو نہ رہی
نہ وہ چاہت نہ ہے وہ نازو نیاز
کہ وہ تیرے بدل گئے انداز
وہ مروت رہی نہ اگلی سی
وہ محبت رہی نہ اگلی سی
پھر گئی تو نگاہ کی صورت
نہ رہی وہ نباہ کی صورت
طوربے طور ہوگئے تیرے
ڈھنگ کچھ اور ہوگئے تیرے

کس سے تو آہ! دل لگا بیٹھی
کس کے پہلو میں چھپ کے جا بیٹھی
مجھ کو تو کتنی جلد بھول گئی
غیر کی آرزو پہ پھول گئی
او! مری لاڈلی! مری پیاری!
تھی یہی آہ! شرط غم خواری
میرے بچپن کی غم گسار تھی تو
میری طفلی کی یاد گار تھی تو
مجھ سے بے گانہ خو نہ تھی پہلے
مجھ سے بے زار تو نہ تھی پہلے
رات کو لوریاں سناتی تھی
دن کو جھولا مجھے جھلاتی تھی
اف! وہ معصوم مشغلے تیرے
وہ ادائیں، وہ چوچلے تیرے
وہ گلے سے مجھے لگا لینا
نیچی نظروں سے دل لبھا لینا
بول میٹھے وہ بولنا ہنس کر
لب سے وہ قند گھولنا ہنس کر
کبھی چاہت جتا کے کرنا پیار
کبھی کہنا ''میں تیرے رخ کے نثار''

او! میرے باغ کی کلی، امید!
میری طفلی کی لاڈلی امید!
تجھ میں غمازیاں نہ تھیں پہلے
فتنہ پردازیاں نہ تھیں پہلے
کھیلنے کودنے کی گھاتیں تھیں
اور تری پیاری پیاری باتیں تھیں
گو کھلونے تھے مجھ کو سب سے عزیز
تھی مگر آہ! تو کچھ اور ہی چیز
لے کے ظالم دل و جگر تو نے
پھیر لی مجھ سے کیا نظر تو نے
وہ لڑکپن کے مشغلے نہ رہے
وہ اُمنگیں، وہ ولولے نہ رہے
نہ وہ اگلی سی خاک بازی ہے
نہ وہ نغمے، نہ لے نوازی ہے

❑❑❑

بچپن کی یاد

تیرے ایاغ کا ہوں میں جرعہ خوار بچپن　　باقی ہے تیری مے کا اب تک خمار بچپن
تیرے فراق میں ہوں، میں بے قرار بچپن　　کرلوں گلے لگا کر آ! تجھ کو پیار بچپن
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھا تیرے نثار بچپن

پھر خاک کا گھروندا آنگن میں میں بنالوں　　چھوٹی سی اپنی کشتی پانی میں پھر بہالوں
طفلی کے پیارے پیارے معصوم گیت گالوں　　پھر بانسری بجالوں، پھر جھنجھنا بجالوں
دو دن کو اے جوانی دے دے ادھار بچپن

وہ عہد بے خودی بھی پروردگار! کیا تھا　　حیرت کی جب نظر سے ہر شے کو دیکھتا تھا
نیچر کا جو نظارہ تھا، آرزو فزا تھا　　قوسِ قزح کے پیچھے میں دن کو دوڑتا تھا
بہر قمر تھا شب کو میں اشک بار بچپن

تو آئے ہائے طفلی! جا کر کہاں یہ ممکن　　اور میرے ساتھ کھیلیں میرے رفیق کم سن
تیرا خیال پھر بھی تسکیں فزا ہے لیکن　　گلیوں میں دوڑتا تھا کس لطف کے تھے وہ دن
گھوڑے پہ نے[1] کے ہو کر جب میں سوار بچپن

تو نے کیے جوانی! طفلی! کے کیا کھلونے　　وہ میرے ننھے ننھے تسکیں فزا کھلونے
میں جن سے کھیلتا تھا وہ دلربا کھلونے　　لادے کہیں سے مجھ کو وہ خوش نما کھلونے
ان پیاری مورتوں کو ہوں بے قرار بچپن

پیارا تھا باپ کا میں، اور ماں کا لاڈلا تھا　　گھر بھر میں پھول گویا میں اک گلاب کا تھا
صورت بھی دلربا تھی، چہرہ بھی خوش نما تھا　　وہ ننھے ننھے تلوے، وہ اُبھرا اُبھرا ماتھا
بھولے نہیں وہ تیرے نقش و نگار بچپن

منّت کی وہ گلے میں چھوٹی سی آہ! ہیکل   کانوں میں ہلکے ہلکے وہ موتیوں کے کنڈل
وہ لمبے لمبے گیسو لٹکے ہوئے مسلسل   وہ سرخ سرخ غازہ، بہتا ہوا وہ کاجل
وہ رنگ روپ تیرا، اور وہ سنگار بچپن

پھولوں کا وہ مہکنا، کلیوں کا وہ چٹکنا،   سبزہ کا وہ لہکنا، شاخوں کا وہ لچکنا
چڑیوں کا وہ پھدکنا، قمری کا وہ چہکنا   وہ رعد کا کڑکنا، بجلی کا وہ چمکنا
وہ ٹھنڈی ٹھنڈی جھڑیاں اور وہ پھوہار بچپن

کیچڑ میں وہ پھسل کر گلیوں میں لوٹ جانا   اور میرے ہم سنوں کا وہ قہقہے لگانا
شانہ پکڑ کے میرا آہستہ پھر اٹھانا   لت پت وہ گھر کو آنا وہ ماں کا مسکرانا
کرتا نیا بدل کر کرنا وہ پیار بچپن

آ عمر رفتہ! آکر، مجھ کو گلے لگالے   آ اے شباب! میری طفلی کے ناز اٹھالے
عمر رواں نے تجھ کو کس کے کیا حوالے   پایا نشاں نہ تیرا، او چھپ کے جانے والے
کھویا گیا کہاں تو، تیرے نثار بچپن
کوئل کی آہ! کو کو وقتِ سحر وہی ہے   نالوں میں بلبلوں کے اب بھی اثر وہی ہے
تیرا بھی او پپیہا سوز جگر وہی ہے   سورج وہی ہے دن کو شب کو قمر وہی ہے
تیرے مگر کہاں وہ لیل ونہار بچپن
تو نے چرالیا ہے بچپن مرا ، جوانی!   تیری طرف سے ظالم ہے مجھ کو بدگمانی
اک تیرے دم سے طفلی، تھا لطف زندگانی   میں غمزدہ سناؤں غم کی کسے کہانی
تو ہی نہیں رہا جب او غم گسار بچپن

داغوں سے میں سجاتا چھوٹی سی تیری خلوت　　نالوں کو ساتھ لے کر کرتا طواف تربت
مجھ غمزدہ کی لیکن ایسی کہاں تھی قسمت　　چلتا جو میرا قابو، تو آہ! وقت رحلت
پہلو میں میں بناتا تیرا مزار بچپن

تجھ کو خبر نہیں ہے میرے غم نہاں کی　　آ چاشنی چکھاؤں نطق شکر فشاں کی
تکرار یہ بھی کوئی ہے نالہ و فغاں کی　　بھاتی نہیں پپیہا رٹ مجھ کو "پی کہاں" کی
میں کہہ کے رووں "طفلی" اور تو پکار بچپن

دایہ کے دوش، ماں کے آغوش سے جدا ہوں　　سڑکوں پہ خاک اڑاتا، گلیوں میں لوٹتا ہوں
طفلی کی آرزوؤ! تم سے بچھڑ گیا ہوں　　ان پیاری لوریوں کو کب سے ترس رہا ہوں
لے لے شباب دے دے پروردگار بچپن

□□□

ایک حسینہ اور جگنو

جگمگاتا نہ شب تار میں جگنو ہوکر
کاش رہتا مرے خاتم میں نگیں تو ہوکر
میرے ماتھے کا چمکتا ہوا جھومر ہوتا
تو مرے حسن دل افروز کا زیور ہوتا
کیا چمکتا ہے شب تار میں تنہا جگنو
آ! مری چاند سی جگنی پہ چمک جا جگنو
دے نگاہوں سے نہ دھوکا مجھے تو گم ہوکر
کہ مرے لب پہ چمک برق تبسم ہوکر

آتش حُسن کا تو کاش شرارہ ہوتا
چھوٹے کیڑے! مری افشاں کا ستارہ ہوتا
میرے ماتھے پہ چڑھے چاند کا ٹکڑا ہوکر
تو چمکتا مرے جوبن کا نصیبا ہوکر
کاش تو سوز غم عشق کے قابل ہوتا
چھین لیتی، کسی عاشق کا اگر دل ہوتا
شب کو جھم جھم مری مٹھی میں چمکتا ہوتا
اور کھڑا تجھ کو ندیدہ کوئی تکتا ہوتا
میرے امکاں میں جو ہوتا تو نہ جگنو ہوتا
او حسینہ! تری پازیب کا گھنگرو ہوتا
یا ترے حسن گلو سوز کا گہنا ہوکر
شب کو گردن میں چمکتا تری کنٹھا ہوکر
او حسینہ! ترے زیور کے جو قابل ہوتا
تیری گردن میں میں چھوٹی سی حمائل ہوتا
یا قبا کا میں تری تکمۂ زرکش ہوتا
یا ترے حسن کا میں شعلۂ سرکش ہوتا
یا ہتھیلی پہ تری پارۂ اخگر ہوکر
کسی عاشق کا چمکتا دل مضطر ہوکر
گری سوز محبت سے جو تو اف کرکے
پھینک دیتی، مری حالت پہ تاسف کرکے

شعلۂ رخ کا ترے محو نظارہ ہوکر
میں چمکتا کسی کونے میں شرارہ ہوکر
آتش شوق میں جل بجھ کے فنا ہوجاتا
تجھ پہ میں صورتِ پروانہ فدا ہوجاتا

□□□

(جگنو کا سوز)

میں غریب آہ! اگر جلنے کے قابل ہوتا
کسی محفل میں چراغِ سرِ محفل ہوتا
شب کو اڑتا نہ چمکتا ہوا کیڑا ہوکر
ٹوٹ پڑتا کسی شعلے پہ پتنگا ہوکر
کسی محرور کا داغِ دلِ سوزاں ہوتا
کسی مہجور کی آہِ شرر افشاں ہوتا
سوزشِ داغ محبت کا حرارہ ہوکر
آگ کا شب کو چمکتا میں شرارہ ہوکر
کسی محفل میں سلگتی ہوئی مجمر ہوتا
کسی فانوس میں میں شعلۂ مضطر ہوتا
کسی عاشق کا چراغ سرمدفن ہوکر
جھلملاتا کسی ویرانے میں روشن ہوکر

کسی تفتیدہ کا ارمان بھرا دل ہوتا
کسی ننھی سی ہتھیلی پہ جَلا دل ہوتا
درد بن کر کسی پہلو میں چمکتا شب کو
شررِ نالۂ دلجو میں چمکتا شب کو
سوزِ پروانے کے پردے میں نمایاں ہوتا
شب کو محفل میں حسینوں کی چراغاں ہوتا
گر چمکتا میں کسی پھول پہ جگنو ہوکر
کہ ڈھلکتا کسی رخسار پہ آنسو ہوکر
گرمیِ سوزِ تپِ غم سے پگھلتا ہوتا
کسی زانو، کسی دامن پہ مچلتا ہوتا
لیلیٰ حسن ازل کا جو اشارہ ہوتا
نجد میں قیس کی آہوں کا شرارہ ہوتا
آسماں مجھ کو اگر سوزِ محبت دیتا
ایک کیڑے کو جو پروانے کی قسمت دیتا
سر ترے حسن کے شعلے سے ٹپکتا ہوتا
شجرِ وادیٔ ایمن پہ چمکتا ہوتا
آہ! میں تشنہ لبِ ذوقِ شہادت ہی رہا
تجھ سے محروم میں اے سوزِ محبت ہی رہا
سوزشِ عشق کے قابل جو نہ پایا ہوتا
ایک کیڑے کو نہ اللہ بنایا ہوتا

□□□

پدمنی کی چتا

اے اجل! ہے آہ یہ کس سوختہ جاں کا مزار
اُٹھ رہا ہے جس سے اب تک دودِ آہِ شعلہ بار
اک نگارِ آتشیں رُخ کے تنِ نازک سے آہ!
آگ کے شعلے لپٹ کر ہو رہے ہیں ہم کنار
تو ہوئی ٹھنڈی نہ اُف ری آتشِ سوزِ دروں
ابرِ رحمت خاک پر برسوں رہا گو اشک بار
ترے جھونکوں سے وہ آخر بجھ گئی بادِ نسیم
بے کسی میں آہ! اک دلسوز تھی شمعِ مزار
آرزوؤں کی چتائیں ہیں تمناؤں کی خاک
دل میں کیا رکھا ہے اب اے نالہائے شعلہ بار
زندۂ جاوید ہیں سوزِ محبت کے قتیل
یہ شرر ٹھنڈے نہ ہوں گے بُجھ کے تا روزِ شمار
خاک بھی ہوتے نہیں تفتید گانِ سوزِ عشق
کس کا اے بادِ صبا! اب تو اڑائے گی غبار
پھینک دیں گے کاٹ کر جڑ تیری اے نخلِ مراد
دیکھنا ہے پھر گرے گی کس پہ برقِ شعلہ بار
کیا جلاتا ہے فلک ہم دل جلوں کو یاد رکھ

جل مریں گے اک نہ اک دن آگ میں پروانہ دار
ہم نہ ہوں گے ایک دن اے شعلہ جاں سوز غم
کچھ دھواں ہوگا ہوا میں کچھ شرار اور کچھ غبار
لوح ہستی سے مٹاتا ہے ہمارا نقش کیا
خود ہی مٹ جائے گا اک دن آسماں دون شعار
گھر بنائیں گے کسی اجڑی ہوئی بستی میں اب
بھر گیا جی تجھ سے اے بزم نشاطِ روز گار
اور کر لے ہم سے ظالم! چار دن اٹکھیلیاں
خاک اڑائی گی ہمارے بعد تو بادِ بہار
تو ہے عبرت کی جگہ دنیا، یہ کیا معلوم تھا
تیری محفل کو سمجھ کر آئے تھے دار القرار
ہیں قفس میں کچھ ہمارے بال و پر باقی ابھی
پھر بھی کرنا ایک دن تکلیف، برق شعلہ بار
رہ گئی اب کے برس بھی حسرت دیدار گل
کٹ گئے کنج قفس میں آہ! ایامِ بہار
ابر تر! ہم دل جلوں کی خاک سے ہٹ کر برس
تیر باراں سے ہیں بڑھ کر تیری جھڑیاں ناگوار
ہم نہیں گل چیں! غبار خاطر سرو سمن
باغ عالم کی ہوا ہے ہم سے کیوں ناساز گار
اٹھ گیا جب آہ! اپنا آشیاں ہی باغباں
ہم کو کیا آئے خزاں تیرے چمن میں یا بہار

خوابِ ہستی! کس سے ہم تعبیر تیری پوچھتے
سب کے سب تھے بادۂ غفلت ہیں سرمستِ خمار
ہم نے پالا تھا دلِ زندہ تجھے کس ناز سے
کیا خبر تھی موت کا ہو جائے گا اک دن شکار
سعد ہیں گے کھا کے کچھ اک دن ستم گر یاد رکھ!
اب سہے جاتے نہیں تیرے ستم اے روزگار
تیرے جھونکوں میں ہے پھولوں کی لپٹ بادِ صبا
کس گلِ تر کا لیے پھرتی ہے جھولی میں غبار
نور کا پُتلا بنایا تھا یدِ قدرت نے ایک
پھونک ڈالا تو نے اس کو آسمانِ برق بار
جل کے لپٹوں تجھ سے میں اے شعلۂ جاں سوزِ غم
ہوگئی نذرِ اجل اک لعبتِ سیمیں عذار
تھا کہیں میں آہ! جس کی دست بے دادِ فلک
نقشِ عبرت ہے زمیں پر اب وہ حسنِ پردہ دار
دھو رہا ہے آہ! دھبے خون کے کیا بوالہوس
یہ نہ چھوٹیں گے ترے دامن سے تا روزِ شمار
تیرے ویرانے میں اے چتوڑ اک پردہ نشیں
ایک مدت سے ہے آتش زیرِ پا زیرِ مزار
سوزِ غم سے خاک پر ہے یوں بدلتی کروٹیں
آگ کے شعلے پہ ہو سیماب جیسے بے قرار

آرہی ہے دھیمی دھیمی یہ صدائے جاں گداز
میری خاکستر میں اب تک آہ! باقی ہیں شرار

□□□

بے ثباتی دنیا

جگر کے داغوں نے کی ہے چمن کی تیاری
کہو کہ دیدۂ تر جوئے خوں کرے جاری
کہاں کو جاتا ہے پہلو سے قافلہ دل کا
سفر کی کی ہے جو اشکوں نے مل کے تیاری
نہال سینچ کے پودوں کو باغباں کیا ہو
ریاض دہر میں نہریں قضا کی ہیں جاری
کیے ہیں رخ پہ پریشاں جو بال سنبل نے
یہ کس کی کرتا ہے سر پیٹ کر عزاداری
چمن میں نرگسِ شہلا نے موند لی یوں آنکھ
ہو جس طرح کسی بیمار پر غشی طاری
وہ سبز رنگ ہوئے مل کے خاک میں پامال
کہ جن کی گھات میں تھا یہ سپہر زنگاری

زمیں نے نور کے پتلے چھپا لیے کیا کیا
کہ سورہے ہیں لحد میں بتانِ فرخاری
جہاں میں ایک بھی یوسف لقا نہیں ملتا
کدھر گئی، وہ حسینوں کی گرم بازاری
زمانہ صید تھا جن کے خدنگ غمزہ سے
ہوئے شکار اجل، وہ غزال تا تاری
ہوا نہ دست قضا سے کوئی حسیں جانبر
کہ آئی دل میں، وہ آنکھوں میں جو تھی بیماری
وہ مہ جمال جو بالائے بام سوتے تھے
اب ان پہ خواب اجل زیر خاک ہے طاری
فلک نے محوِ تحیّر کیا حسینوں کو
کہ زیرِ خاک نہیں شوق آئینہ داری
عدم سے مرگ کا سودا چکانے آئے ہیں
سرا میں ٹھہرے ہوئے کچھ جو ہیں یہ بیوپاری
ٹھہرنے دیتی ہے گردش کسے زمانے کی
ہزار قید علائق کی ہو گر اں باری
کہاں سے آئے ہیں،ہم اور کہاں کو جاتے ہیں
رہی نہ غفلت دنیا میں اتنی خود داری
رہا نہ کچھ زن وفرزند و مال و زر کا خیال
قضا کے آتے ہی نیند ایسی ہوگئی طاری
اجل کمیں میں ، زمانہ عدو، فلک دشمن

کرے مقابلہ کس کس کا جان بے چاری
زمانہ آنکھ جھپکتے ہی ہوگیا تاریک
وہ شب کا خواب ہوا دن کی تھی جو بیداری
لباسِ عمر ادھر جسم شہ پہ چاک ہوا
بندھا جو سر پہ ادھر طرّۂ جہاں داری
قضا کے جال میں شاہین جاں پھڑکتا ہے
نہیں ہے دام علائق کہ یہ گرفتاری
گڑھے میں گور کے جاگیردار سوتے ہیں
فلک نے چھین لیا منصب زمیں داری
کہو کہ دار مکافات ہے یہ گھر اس میں
روا کسی کی نہ رکھے کوئی دل آزاری
یہی ہے راہِ فنا جس میں روز وشب غافل
نفس کی آمد و شد کا ہے قافلہ جاری
یہ کہہ دو شمع سے سونے دے سونے والوں کو
کرے نہ گور غریباں پہ گریہ وزاری
سنا ہے قافلے لٹتے ہیں راہ ہستی میں
مسافروں کو ہے لازم یہی خبرداری
یہ مال وزر ہے ہمارا، یہ گھر ہمارا ہے
اسی میں عمر کی پونجی گزر گئی ساری
بہت غریب لٹے شاہ راہ ہستی میں
سنی اجل نے کسی کی نہ گریہ وزاری

دیا نہ ان کو کفن پیر زال دنیا نے
قبائے زر تھی کبھی جن کے دوش پر بھاری
کفن کو یاد کیا رو کے بزم ماتم میں
کسی کے غم میں اگر اشک ہوگئے جاری
قرار اس میں کہاں ساکنانِ عالم کو
کہ گھومتا ہے ہمیشہ یہ چرخ دوّاری
کہاں وہ مسند جم ہے، کہاں وہ بزم نشاط
کہاں ہے قصر فریدوں کی اب وہ تیاری
پتہ نہیں ہے کہ رستم کی ہڈیاں ہیں کدھر
رہی نہ سامؔ و نریمانؔ کی کبرو خود داری
کہاں ہے خسرو و بہمنؔ کی بار گاہ رفیع
کہاں قبادؔ کی، ہو شنگ کی جہاں داری
اڑا کے تخت سلیمانؔ کو لے گئے دم میں
قضا کے جھونکوں میں تھی کتنی تیز رفتاری
لگائے دل نہ کوئی پیر زال دنیا سے
کہ اس عجوزہ نے یاروں سے کی ہے کب یاری
تمام عمر رہا سامنا قضا کا سرورؔ
گئی نہ وہ جو کلیجے پہ چوٹ تھی بھاری

□●□

فراقِ نل میں دمن کی بے قراری

ہائے! یہ جوشِ جوانی اور یہ دردِ انتظار
یہ سوادِ شامِ غم، یہ ظلمتِ شب ہائے تار
یہ کفِ پائے حنائی۔ یہ بیاباں گرد یاں
اف رے نیرنگی تری اے گردشِ لیل و نہار
میں کہاں یہ خار خارِ دشت پیمائی کہاں
تیری چالیں ہیں مگر او آسماں دوں شعار
رحم کر! اے پنجۂ بیدادِ وحشت رحم کر
چاک ہے ہاتھوں سے تیرے دامنِ برقرار
المدد! اے سیلِ اشکِ دیدۂ خونابہ ریز
مجھ کو رو لینے دے جی بھر کر کہ خالی ہے کنار
بے کسی میں موت بھی آتی نہیں کم بخت پاس
اے اجل مرنے پہ بھی اب تو نہیں ہے اختیار
پھٹ پڑا بے کس سمجھ کر ہائے مجھ پر آسماں
دشتِ غربت میں چھٹا کیا ہاتھ سے دامانِ یار
پوچھ! اے بادِ صبا! ہم دشت گردوں کا نہ حال
پنڈلیاں گھائل ہیں، خستہ ایڑیاں، تلوے فگار
تم سے کانٹو! دل کو تھا لطفِ خلشِ شوہر کے ساتھ

تم میں اک دلکش ادا تھی، تم میں اک دلکش بہار
کس قیامت کے تھے وہ صحرانوردی کے مزے
آبلے جب پائے نازک کے تھے تم سے ہم کنار
ہر قدم پر ہائے! وہ جوش بہار نقش پا
خون میں ڈوبی ہوئی اک اک زبان نوک خار
اشک آلودہ اُدھر گل سا گریباں چاک چاک
دوش نازک پر ادھر سبزہ سا آنچل تار تار
دل میں عالم آہ! اجزائے پریشان کا اُدھر
موج صرصر سے ادھر گیسو پریشاں روزگار
عیش رفتہ کا وہ ماتم، یاد ایام نشاط
چپکے چپکے وہ زباں پر شکوۂ لیل و نہار
آسماں سے ہائے ! وہ اپنی تباہی کا گلہ
وہ سکوتِ شب میں لب پر نالۂ بے اختیار
وہ زمیں جھلسی ہوئی، وہ جنبش باد سموم
وہ بگولے آہ! جن میں عالم رقص شرار
وہ پیادہ پائیاں، وہ آبلہ فرسائیاں
وہ غمِ صحرا نوردی، اور وہ ایذائے خار
تشنگی سے ہائے! لب پر وہ صدائے العطش
دوپہر کی دھوپ میں وہ جستجوئے آبشار
بھوک کی شدت، کڑاکے کے وہ فاقے الاماں

کچے میوے آہ! وہ صحرا میں کرنا زہر مار
تھی گراں مجھ کو اگرچہ شب کی شبنم دن کی دھوپ
تیری خاطر کی مگر ہا موں نوردی اختیار
چل دیا تو مجھ کو تنہا چھوڑ کر صحرا میں آہ!
مجھ سے او وعدہ شکن! تھے کیا یہی قول و قرار
تجھ کو پیمان محبت کی قسم! او بے وفا!
یک بیک کیوں دل میں آیا میری جانب سے غبار
دشت پیمائی کی ایذا تھی اگرچہ جان گسل
میں رہی سو جاں سے قدموں پر ترے ہو کر نثار
پائے نازک میں نہ چُبھ جائے تیرے کانٹا کوئی
میں نے جھاڑا مدتوں صحرا کا پلکوں سے غبار
جب بڑھا دردِ جگر، جب دل کی بے تابی بڑھی
کرلیا سینے پہ رکھ کر ہاتھ، تجھ کو ہم کنار
سر ترا صحرا میں وقفِ بالشِ زانو رہا
اور رہے شب بھر نگہباں دیدۂ اختر شمار
مجھ کو کب تھا تیری خدمت، تیری طاعت میں دریغ
مجھ سے توڑا کیوں تعلق ہائے! او غفلت شعار
حیف اتنا تو دم رخصت کیا ہوتا خیال
کون اس صحرا میں اس بے کس کا ہوگا غم گسار
شیر و اژدر ہیں کمیں میں اور بیاباں ہولناک

کیسے کاٹے گی اکیلی ہائے! یہ شب ہائے تار
شاق ہے بے درد! دل پر صدمۂ دردِ فراق
آ! لگا لے مجھ کو سینے سے کہ ہوں میں بے قرار
تیرے صدقے! تجھ کو اندازِ تغافل کی قسم
پیچھے پھر کر دیکھ لے او جانے والے ایک بار
تو نے بھی دامن نہ پکڑا اٹھ کے اے دردِ فراق!
اٹھ گیا پہلو سے میرے ایک رفیقِ غم گسار
کر چکی ہیں تیرا اے جذبِ محبت امتحان
دیکھ لی تیری کشش اے جذبۂ بے اختیار
آرہی ہے کیا چمن سے آہ! ہنستی کھیلتی
میرے گل کی بھی خبر لائی ہے کچھ بادِ بہار
وحشت افزا تیرا منظر ہے نگاہِ یاس میں
ہے مرا آہوئے رم خوردہ کدھر اے سبزہ زار
اے پپیہے! تیرے لب پر پی کہاں کی ہے صدا
تو بھی کیا میری طرح ہے "پی" کے غم میں بے قرار
میں غمِ شوہر میں روؤں تو فراقِ گل میں رو
اپنا اپنا روئیں دکھڑا، عندلیب کو ہسار
میرا پردیسی اڑاتا خاک ہے جس بن میں آہ!
تو برس جا کر وہیں او میرے اشکوں کی پھوہار
مرتے مرتے بھی نہ کیا نکلے گا ارمان نظر
تو کھلی رہ جائے گی کیا یوں ہی چشمِ انتظار

تنگنائے دہر سے ہوں آہ! گھبرائی ہوئی
مجھ کو بھی تھوڑی جگہ، اے خلوت کنج مزار
ہے دماغ سیر گل اے لالۂ صحرا! کسے
ہوں میں خون گشتہ تمناؤں کے غم میں سوگوار
گرمی سوز دروں کی سرد مہری سے ہوں تنگ
کوئی چنگاری ادھر بھی آتش شاخ چنار
اے درندو دشت کے! ہے تم سے میری التجا
گر فراق یار میں قالب سے نکلے جان زار
کھائیو چُن چُن کے میرے شوق سے سب استخواں
گرچہ کھانے کے نہیں قابل ہے یہ جسم نزار
چھوڑ دنیا میری آنکھوں کو مگر بعد فنا
انتظار یار ہے اور حسرت دیدار یار

□●□

گنگا جی

اے آب رود گنگا! اف ری تری صفائی — یہ تیرا حسن دل کش! یہ طرز دل ربائی
تیری تجلیاں ہیں جلوہ فروش معنی — تنویر میں ہے تیری اک شان کبریائی
جمنا تیری سہیلی، گو ساتھ کی ہے کھیلی — اس میں مگر کہاں ہے تیری سی جاں فزائی
بے لوث تیرا دامن ہے داغ معصیت سے — موزوں ہے تیرے قد پر ملبوس پارسائی
حسن ازل کی گویا تو اک شگفتہ مورت — صانع نے تیری صورت کیا موہنی بنائی

اے نازشِ زمانہ! اے نقشِ نازِ عصمت! بھارت کی پاک دیوی تو ہے ہماری مائی
دلبند ہم ہیں تیرے، لختِ جگر ہیں تیرے
نخلِ مراد ہے تو اور ہم ثمر ہیں تیرے
مینو سواد تجھ سے ہیں وادیاں ہماری اور کشتِ آرزو ہے رشکِ جناں ہماری
وہ دن کبھی ہو گا ہوں گے جب ہم غریقِ رحمت اور تیری نذر ہوں گی یہ ہڈیاں ہماری
گنگا میں پھینک آنا بعدِ فنا اُٹھا کر برباد ہو نہ مٹی، و آسماں ہماری
یارب! نہ دفن کر کے احباب بھول جائیں
لے کر ہمارے خوش خوش گنگا کو پھول جائیں
او پاک نازنین! او پھولوں کے گہنے والی! سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی
او ناز آفریں! او صدق وصفا کی دیوی! اور عفتِ مجسم پر بت کی رہنے والی
صل علیٰ! یہ تیری موجوں کا گنگنانا وحدت کا یہ ترانہ او چپ نہ رہنے والی
حُسن غیور تیرا ہے بے نیاز ہستی
تو بحرِ معرفت ہے او پاک باز ہستی
ہاں تجھ کو جستجو ہے کس بحرِ بے کراں کی ہم پر تو کچھ حقیقت کھلتی نہیں جہاں کی
اے پردہ سوزِ امکاں! اے جلوہ ریزِ عرفاں تو شمعِ انجمن ہے کس بزمِ دلستاں کی
کیوں جادۂ طلب میں پھرتی کشاں کشاں ہے تجھ کو تلاش ہے کس گم گشتہ کارواں کی
جاری ہے تو کہاں کو آتی ہے تو کہاں سے
دل بستگی ہے تجھ کو کس بحرِ بے نشاں سے
آئی نظر تجلی جب شاہدِ ازل کی ذرّوں میں جا کے چمکی، پھولوں میں جا کے جھلکی
ہندوستاں ہے اک دریائے حسنِ قدرت اور اس میں پنکھڑی ہے تو خوش نما کنول کی

نکلی ہمالیہ سے محوِ خروش ہوکر تو آہ! تشنہ لب تھی وہ جلوۂ ازل کی
کرتی ہوئی زمیں پر موتی نثار آئی
درشن کو آہ ہر کے تو ہر دوار آئی
یہ جوش سبزۂ گل، یہ تیری آبیاری قدرت کے چپہ چپہ پر یہ شگوفہ کاری
ہندوستان کو تونے جنت نشاں بنایا نہریں کہاں کہاں ہیں تیرے کرم کی جاری
اے آبِ رودِ گنگا! موجوں میں تیری مل کر موج سرابِ ہستی ہو بے نشاں ہماری
بعدِ فنا ہمارے پھولوں میں بو ہو تیری
گم ہوں رہِ طلب میں اور جستجو ہو تیری
آئے اجل کی زد پر جب اپنی عمر فانی اور ختم رفتہ رفتہ ہو سیلِ زندگانی
دنیا سے آہ! جب ہو اپنے سفر کا ساماں بالیں پہ اقربا ہوں سرگرم نوحہ خوانی
جب ہونٹ خشک ہوں اور دشوار ہو تنفس احباب اپنے منہ میں ٹپکائیں تیرا پانی
ہنستے ہوئے جہاں سے ہم شادکام جائیں
دنیا سے پی کے تیری الفت کا جام جائیں

□□□

نوحہ وفات سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

کون سا موتی ہے گنگا تیرے دامن میں نہاں　　قطع ہے قامت پہ کس کے چادر آب رواں
حلقۂ گرداب ہے کیوں آہ! چشمِ خوں فشاں　　کس کے ماتم میں لب ساحل ہیں سرگرم فغاں
تیری موجوں نے یہ کس کو لے لیا آغوش میں
جوشش گریہ کا عالم ہے ترے سر جوش میں

کس کے غم میں تیرے ساحل کا ہے دلاں تار تار　　تیری موجیں آج کیوں ہیں مام گنگا بے قرار
شاہد خواب اجل سے آہ! ہوکر ہم کنار　　سو گیا یہ کون جانباز وطن زیر مزار
لینے آئی آسماں سے رحمت باری کسے؟
تھی گراں اے موج! ساحل کی سبکباری کسے؟

منزل خور میں ہے ذرّہ خلوت آرا کون سا　　دوش بر دوشِ صدف ہے درّ یکتا کون سا
آشنا بحرِ حقیقت کا ہے ایسا کون سا　　ہوگیا دریا میں دریا ل کے قطرہ کون سا
صف الٹ کر کون یہ بزم جہاں سے اٹھ گیا
شمع و پروانہ کا پردہ درمیاں سے اٹھ گیا؟

قید ہستی سے تھی کس کو سرگرانی ہائے ہائے　　کردیا شوق بقا نے کس کو فانی ہائے ہائے
کس پہ ٹوٹا دستِ جور آسمانی ہائے ہائے　　نذر طوفاں ہوگئی کس کی جوانی ہائے ہائے
ساحلِ گنگا پہ روتی ہے قضا کس کے لیے
خاک اڑاتی پھرتی ہے سر پر صبا کس کے لیے

آسماں گردش میں ہے کس کو مٹانے کے لیے　　　پھر رہا ہے اک نہ اک فتنہ اٹھانے کے لیے
چادرِ آبِ رواں میں منہ چھپانے کے لیے　　　جا رہا ہے کون یہ گنگا نہانے کے لیے
لے چلا موجِ فنا بن کر یہ کس کو جوشِ شوق
حلقۂ گرداب ہے کھولے ہوئے آغوشِ شوق
کس کا بیڑا غرقِ امواجِ فنا ہونے کو ہے　　　کس کا سایہ تجھ سے او ساحل جدا ہونے کو ہے
دل میں ماتم آرزوؤں کا بپا ہونے کو ہے　　　آہ! اے دردِ تمنا آج کیا ہونے کو ہے
دل یہ کہتا ہے کہ آنکھوں سے ٹپک جاؤں گا میں
صبر کہتا ہے کہ پہلو سے کھسک جاؤں گا میں
کہتے ہیں آنکھوں کے غوطے کہ چھل جائیں گے ہم　　　اشک کہتے ہیں کہ دامن پر مچل جائیں گے ہم
دل کے داغوں کا تقاضا ہے کہ جل جائیں گے ہم　　　نالے کہتے ہیں کہ گھبرا کر نکل جائیں گے ہم
دستِ ماتم کا اشارہ ہے کہ داماں چاک ہو
پنجۂ وحشت یہ کہتا ہے گریباں چاک ہو
بے کسی کہتی ہے صحرا میں اڑا کر سر پہ خاک　　　جا رہی ہے خلد کو یہ آہ! کس کی روحِ پاک
ہے لہو کی بوند پہلو میں دلِ اندوہناک　　　جامۂ صبر و سکوں ہے کس کے غم میں چاک چاک
آشرم سونا پڑا کس کا لبِ ساحل ہے آج
کس کی چھوٹی سی کٹی اجڑی ہوئی منزل ہے آج
خلد سے ہے کس کو لینے کو قضا آئی ہوئی　　　ساحلِ گنگا پہ ہے غم کی گھٹا چھائی ہوئی
ڈوبتی ہے کس کی کشتی آج چکرائی ہوئی　　　موجِ قسمت کی طرح اک اک ہے بل کھائی ہوئی
آشنا دریا سے قطرہ کون سا ہونے کو ہے
اشتیاقِ مہر میں شبنم فنا ہونے کو ہے

آہ! اک تشنہ لب ذوقِ تمنا ہائے ہائے   ہو غریقِ رحمتِ حق رام گنگا ہائے ہائے
کھا کے طوفانِ حوادث کا تھپیڑا ہائے ہائے   تیری موجوں میں ہو گم اک درِ یکتا ہائے ہائے

ہائے! اب کیا کہہ کے سمجھائیں دلِ ناکام کو
رم رہا ہے رام میں لائیں کہاں سے رام کو

خاک میں کس کو ملایا آہ! تو نے آسماں   کس پہ ٹوٹا ہائے! تو اے دستِ مرگِ ناگہاں
شرق میں حسن کی چمک تھی زیبِ تاجِ ہند وستاں   خاک میں ہے آہ! اب وہ گوہرِ یکتا نہاں

موتیوں سے یوں ترا اے قوم خالی تاج ہو
حیف تیری آرزوؤں کا چمن تاراج ہو

ہم نفس جز نالہ و آہ و بکا کوئی نہ ہو   دست گیر، اے دستِ بیدادِ قضا کوئی نہ ہو
جوشِ طوفاں ہو بپا اور آشنا کوئی نہ ہو   موجِ دریا ہو کہیں میں ناخدا کوئی نہ ہو

ہو فنا طوفان میں اک زندۂ جاوید قوم
آہ! یوں گنگا میں ڈوبے بے کشتیِ امیدِ قوم

اپنا بیڑا ہو گیا جب غرقِ طوفانِ فنا   ہم کو کیا باندھا کرے بادِ مراد اپنی ہوا
قوم کی کشتی کا کشتی بان ہی جب اٹھ گیا   سر کو موجیں آ کے اب ساحل سے ٹکرائیں تو کیا

ہم کو کیا لاکھوں برس شورِ فغاں اٹھا کرے
ساحلِ گنگا سے آہوں کا دھواں اٹھا کرے

ایسا نقشِ دل نشیں، اور تو مٹائے آسماں   ایسا موتی اور مٹی میں ملائے آسماں
ایسا رخشندہ چراغ اور تو بجھائے آسماں   ایسا تابندہ ستارہ ڈوب جائے آسماں

جس نے قومی آسماں کو ہوں لگائے چار چاند
خاک میں چھپ جائے وہ اے چرخِ ناہنجار چاند

بے نشاں ہو آہ! ایسا تاجِ شہرت کا نگیں　　ایسا دُرّے بے بہا ہو آہ! پیوندِ زمیں
ایسا عارف گوشۂ مرقد میں ہو خلوت گزیں　　ایسا نقش مدعا پامال ہو چرخِ بریں

خاک کا پیوند ایسا گوہرِ نایاب ہو
ایسا بیڑا آہ! گنگا میں غریقِ آب ہو

جان نثار قوم غرق طوفاں آہ! ہو　　ایسا جانباز وطن آنکھوں سے پنہاں آہ! ہو
ایسا مجموعہ تصوف کا پریشاں آہ! ہو　　بے چراغ اے قوم! یوں تیرا شبستاں آہ! ہو

داغ ہو تیرے جگر کا، تیری منزل کا چراغ
بُجھ کے ہو پانی میں ٹھنڈا تیری محفل کا چراغ

بے صدا زیرِ زمیں اے قوم! تیرا ساز ہو　　اور شوق شمع میں تو گوش بر آواز ہو
حلقۂ گرداب ہے ہے! دیدۂ غماز ہو　　غرقِ دریا ہو وہ موتی جس پہ تجھ کو ناز ہو

ڈوب جائے یک بیک جی یوں ترے جانباز کا
دل نہ پگھلے آسمان تفرقہ پرداز کا

نذر طوفان اجل اک گوہر نایاب ہو　　تیری موجوں کا نہ زہرہ رام گنگا آب ہو
جوشِ یم ہو شورِ طوفاں ہو، کفِ سیلاب ہو　　آسماں کی آہ! گردش، گردش دولاب ہو

غرق ہو اک نوجواں افسوس ساحل کے قریب
بیٹھ جائے اک مسافر تھک کے منزل کے قریب

قوم کی چوٹی کا ہو اک پھول پیوندِ زمیں　　اُف! تری نیرنگیاں اے گردشِ چرخِ بریں
جس کی منزل آہ! ہو جلوہ گہہِ نورِ یقین　　ہو گہن میں وہ سپہرِ قوم کا ماہِ مبین

جس کے دل میں گرمیِ حُبِّ وطن کا جوش ہو
وہ چراغِ قوم اے بادِ اجل خاموش ہو

جس کی کرنیں چار سو مغرب میں ہوں جلوہ فشاں　　ایسا سورج ڈوب جائے شرق میں یوں ناگہاں
ہو محبّ قوم ایسا خاک میں ہے ہے! نہاں　　ایسا پروانہ ہوا ے سوز فنا! آتش بجاں

آہ ایسا بلبلِ رنگین نوا خاموش ہو
ایسی دلکش، ایسی جاں پرور صدا خاموش ہو

نذرِ طوفاں آہ! یوں اک جاں نثارِ قوم ہو　　شامِ ماتم، جلوۂ صبحِ بہارِ قوم ہو
اے زمیں! یوں تیرے ہاتھوں سے فشارِ قوم ہو　　اے فلک! یوں غم سے تیرہ روزگارِ قوم ہو

ہو سپہرِ قوم پر غم کی گھٹا چھائی ہوئی
سر پہ ہو یوں جوشِ ماتم کی گھٹا چھائی ہوئی

حیف! ایسے پھول پہ بے وقت چھا جائے خزاں　　ایسا نخلِ آرزو ہو آہ! ماتم کا نشاں
ایسا درِ بے بہا پانی میں ہو یوں رائیگاں　　خاک میں ہو دفن ایسا آہ گنجِ شائیگاں

ہاتھ سے گم آہ! ایسی دولتِ جاوید ہو
شامِ غم، صبحِ بہارِ جلوۂ امّید ہو

ایسا ظلِ عاطفت اٹھ جائے سر سے ہائے! قوم　　ایسا محسن اور پنہاں ہو نظر سے ہائے! قوم
باز آئے آسمانِ دوں نہ شر سے ہائے! قوم　　ہو کدورت ایسے پاکیزہ گہر سے ہائے! قوم

ایسا موتی تاجِ شہرت سے ٹپک کر گر پڑے
بن کے آنسو یوں زمیں پر ایسا گوہر گر پڑے

منزلِ ہستی سے ایسا رہنما جاتا رہے　　چارہ سازِ قوم، اے دستِ قضا جاتا رہے
غرقِ دریا ہو کے ایسا آشنا جاتا رہے　　قوم کی کشتی کا ہے ہے! ناخدا جاتا رہے

ہو گنہگاروں کا بیڑا پار کیونکر دیکھئے
موج ہے اک اک نگل جانے کو اژدر دیکھئے

چھا رہی ہے سر پر سر تا سر نحوست کی گھٹا　　اور مسلط قوم پر ہے خواب غفلت کی گھٹا
رنگ لائے دیکھئے کیا جوش نکہت کی گھٹا　　اٹھ گئی افسوس سر سے ابر رحمت کی گھٹا
قوم کے سوکھے ہوئے دھانوں کو اب سینچے گا کون
ایسے وحشت خیز میدانوں کو اب سینچے گا کون

دیکھئے ہم سے گنہگاروں کا کیا ہوتا ہے حشر　　حشر کے دن ہم سیہ کاروں کا کیا ہوتا ہے حشر
دشمن جاں ہے فلک یاروں کا کیا ہوتا ہے حشر　　قوم کے مایوس بیماروں کا کیا ہوتا ہے حشر
کہہ رہا ہے اٹھ کے درد جاں گداز قوم حیف
لٹتے جاتے ہیں جہاں سے چارہ ساز قوم حیف

آہ! اے ہند، آہ! اے شوریدۂ سودائے غم　　آہ! اے خانہ خراب، اے بادیہ پیمائے غم
سر بہ ہاموں دادہ و آوارۂ صحرائے قوم　　خار حسرت زیر پاؤں آبلہ فرسائے غم
تیرے خواب عیش کی آفسوس یہ تعبیر ہو
نقش ماتم تو ہو، غم کی آہ! تو تصویر ہو

غم کی چھریاں یوں ترے قلب جگر کے پار ہوں　　تیرے پہلو میں شگفتہ زخم دامن دار ہوں
خار حسرت آہ! یوں تیرے گلے کا ہار ہوں　　خاک کا پیوند تیرے محسنِ غم خوار ہوں
آشنا یوں آہ! ڈوبیں ترے ساحل کے قریب
تیرے پروانوں کی خاکستر ہو محفل کے قریب

تیرے ہیرو آہ! ہوں شہر خموشاں کے مکیں　　تیرے حامی گوشۂ مرقد میں ہوں عزلت گزیں
اپنے غم خواروں کے غم میں تو ہو یوں ماتم نشیں　　دل میں ہو درد تمنا، لب پہ فریاد حزیں
ہو پریشاں تیرے جاں بازوں کی ویرانے میں خاک
یوں اڑائے شام غم تیرے سیہ خانے میں خاک

اٹھنے والے آہ! اٹھ جائیں تری محفل سے یوں　　لوٹتا ہو خاک پر تو اضطرابِ دل سے یوں
اٹھ رہا ہو شورِ آوازِ جرس، منزل سے یوں　　قوم کے موتی جدا ہوں دامنِ ساحل سے یوں
تیری کشتی آہ! یوں گنگا میں بھر کر غرق ہو
تیری آئندہ تمناؤں کا دفتر غرق ہو

آہ یوں کاہش میں ہوں اے ہند! تیرے باکمال　　بن کے چمکیں آسماں پر بدر غیروں کے ہلال
جن کا سایہ قوم و ملت کے لیے ہو نیک فال　　جلوہ گاہِ قوم سے اٹھ جائیں وہ روشن خیال
انجمن خاموش ہو، اور انجمن آرا نہ ہو
تشنہ لب ہوں بادہ کش اور ساغر و مینا نہ ہو

قوم ہو گم کردہ راہ اور رہنما کوئی نہ ہو　　جز صدائے نالہ آوازِ درا کوئی نہ ہو
ہو نہ فرسخ کا نشاں، اور نقشِ پا کوئی نہ ہو　　کارواں غولِ بیاباں کے سوا کوئی نہ ہو
قافلہ گم گشتہ رہ ہو، وادی پُر خار ہو
خضرِ منزل ہو نہ کوئی کارواں سالار ہو

آہ! اے ہند آہ! اے آماجگاہِ تیرِ غم　　آہ! اے صیدِ جراحت خوردہ ونخچیرِ غم
آہ! اے منت پذیرِ نالۂ شب گیرِ غم　　آہ! نقشِ نامرادی، آہ! اے تصویرِ غم
بے کسی کا تو ہو غم آلودہ پتلا خاک پر
نقشِ حسرت ہو ترا نقشِ تمنا خاک پر

تیری کشتِ آرزو سے آسماں کو لاگ ہو　　برقِ خرمن سوز کو، بادِ خزاں سے لاگ ہو
شہ رگِ جاں سے تری نوکِ سناں کو لاگ ہو　　تیرے بیماروں سے مرگِ ناگہاں کو لاگ ہو
چارہ سازِ قوم ہوں یوں وقفِ بیدادِ اجل
تاک کر یوں تیر مارے دل پہ صیادِ اجل

آسمان ہو درپئے فکرِ گزندِ قوم حیف　　ہو بسانِ بید جکڑا بند بندِ قوم حیف
دردِ دل سے لوٹتے ہوں دردمند قوم حیف　　سو رہے ہوں بے خبر درماں پسند قوم حیف
بادہ کش خونِ جگر پیتے ہوں اور ساقی نہ ہو
خُم میں کچھ دو چار قطروں کے سوا باقی نہ ہو

□□□

پریاگ کا سنگم

جب صانعِ ازل نے صورت تیری بنائی
ہونٹوں کو جان دے دی آنکھوں کو جاں فزائی

خاکہ بنا کے کھینچا یوں نقشِ ناز تیرا
بول اٹھی "چھین لوں گی دل" شانِ دل ربائی

بخشی تری زباں کو ، لعلِ شکر فشاں کو
کچھ شہد کی حلاوت کچھ قند کی مٹھائی

نقشہ بنا کر تیرا صناعِ دو جہاں نے
تصویر تیری چومی اور آنکھوں سے لگائی

خلوت سے بن کے دلہن نکلی حیا جو تیری
آبِ رواں کی چادر، ہلکی سی اک اڑھائی

جلوے نے تیرے تجھ کو بے خود کیا کچھ ایسا
حیرت تجھے دکھانے آئینہ لے کے آئی

حسنِ ازل نے جس کو پایا نہ تیرے قابل
حصے میں مہ وشوں کے آئی وہ خود نمائی

گنگا بڑھی ادھر سے، جمنا بڑھی ادھر سے
اجزائے حسن نے یوں ترکیب مل کے پائی

وابستہ ہوگئے دو دامانِ دل فریبی
دونی نہ آہ کیونکر ہو شان دل فریبی

دلکش عجیب سنگم ہے اتصال تیرا
سینے میں موجزن ہے شوقِ وصال تیرا

آنکھوں میں پھر رہی ہے تصویرِ حسن تیری
بے چین کررہا ہے دل کو خیال تیرا

صورت ہے آہ! تیری تمثال دل فریبی
اور نقش دل نشیں ہے نقشِ جمال تیرا

تیری تجلیاں ہیں آئینہ دار تمکیں
جلوہ فروش حیرت گنج ودلال تیرا

اک اک ادائے دلکش ہے بے عدیل تیری
ایک ایک ناز دل جو ہے بے مثال تیرا

الفت تری دلوں میں، سودا ترا سروں میں
ہے آہ! اک زمانہ شوریدہ حال تیرا

موجوں میں آہ! تیری ہے شان کج کلاہی
بل بے غرور تیرا اف رے جلال تیرا

پانی میں آہ! تیرے ہے زیست کی حلاوت
شریں ہے انگبیں سے آب زُلال تیرا

امرت برس رہا ہے یعنی تری زباں سے
موتی ٹپک رہے ہیں لعل گہر فشاں سے

آنکھوں کو ہے یہ حسرت اف ری تری ادائیں
لوٹیں تری بہاریں، دیکھیں تری فضائیں

ساحل پہ آہ! تیرے میں محوِ بے خودی ہوں
اور لے رہی ہوں تیری موجیں مری بلائیں

گردوں پہ روشنی ہوتا روں کی ہلکی ہلکی
شمعیں سحر کو جیسے محفل میں جھلملائیں

کرنیں گرا رہا ہویوں چاند اجلی اجلی
پانی میں جیسے شب کو پریاں نہانے آئیں

لب پر نہ ہو پپیہے کے شور پی کہاں کا
مرغانِ خوش نوا کی خاموش ہوں صدائیں

عالم سکوتِ شب کا چھایا ہوا ہو ہر سو
اور چل رہی ہوں بھینی بھینی خنک ہوائیں

خلدِ بریں سے لے کر پھولوں کا آہ! زیور
دلہن تجھے بنانے کو آئیں اپسرائیں

آواز ہو سریلی اور انکھڑیاں نشیلی
دھیمے سروں میں تیری عظمت کے گیت گائیں

میں کاش چاندنی میں دیکھوں بہار تیری
دلکش عجب ادا ہے اے رودبار تیری

ہے دل فریب سنگم تیرا عجیب منظر
دو بہنیں رو رہی ہیں رونا خوشی کا مل کر

جمنا کے ہیں گلے میں گنگا کی آہ! باہیں
گنگا سے رو رہی ہے جمنا لپٹ لپٹ کر

یہ ہم کنار اس سے وہ اس سے ہم بغل ہے
دونوں نثار کرتی ہیں آنسوؤں کے گوہر

بچھڑی ہوئیں تھیں کب کی کیا جانیں دونوں بہنیں
آنسو نہیں جو تھمتے ہیں جوشِ غم سے دم بھر

رہنے دے ان کو یکجا دونوں ہیں بہنیں بہنیں
ان کو جدا نہ کرنا اے چرخ تفرقہ گر

ان کے ملاپ میں ہے اک اتحاد دلکش
اور اتحاد میں اک شانِ وفا ہے مضمر

شانِ وفا میں ہے اک انداز دل فریبی
دامانِ حسن ہیں دو پھیلے ہوئے زمیں پر

ہم دوش ہو رہی ہیں جیسے یہ دونوں ندیاں
یارب ہو وصل تیرا یوں ہی مجھے میسر

پردہ دوئی کا یعنی اٹھ جائے درمیاں سے
تیرے لیے بنوں میں بیگانہ اک جہاں سے

❑●❑

صوفیانہ رنگ کے پردے

حسنِ معنی جو ہوا پردہ کشائے نیچر چٹکیاں لینے لگی دل میں ادائے نیچر
تیری قدرت جو ہوئی جلوہ فزائے نیچر ماہ و خورشید ہوئے محوِ لقائے نیچر
پھر تو بے پردہ تجلی نظر آئی تیری
دل کے آئینے میں تصویر اتر آئی تیری

آشکارا ہوئی وحدت تری کثرت بن کر　　نظر آنے لگی خلوت تری جلوت بن کر
تو جو ظاہر ہوا پردے سے حقیقت بن کر　　پھر تو اڑنے لگی شہرت تری نکہت بن کر
بن کے جب کارگہ دہر میں استاد آیا
لیے اک بوقلموں پردۂ ایجاد آیا

تیری شوخی نے اٹھایا جو حیا کا پردہ　　نظر آیا عجب اک حُسن ادا کا پردہ
اٹھ گیا صاف جو حائل تھا خِفا کا پردہ　　رخ کا پردہ تھا، نہ اب زلفِ دوتا کا پردہ
بن کے آئے نظر ایام ولالی دونوں
تھے تری جلوہ نمائی سے نہ خالی دونوں

اپنے بندوں سے جو پردہ تجھے ستار نہ تھا　　کوئی بندۂ ترا حسرت کشِ دیدار نہ تھا
درمیاں میں جو ترا پردۂ اسرار نہ تھا　　آئینہ تشنہ لبِ جلوہ انوار نہ تھا
لاکھ پردوں سے نظر تو مرے ستار آیا
حسن بن کر ترا یوسف سرِ بازار آیا

تیری صورت میں عجب عالم یکتائی تھا　　ایک عالم تری صورت کا تماشائی تھا
تو نہ کب تشنہ لبِ انجمن آرائی تھا　　برق بے پردہ نہ کب پردۂ رعنائی تھا
شوخیِ حسن ازل کہتی تھی دُلہن بن کر
میں رہوں گی نہ چراغ تہِ دامن بن کر

تو اٹھاتا نہ اگر پردۂ انوار شہود　　دیکھتا کون تجلی تری اے ربِّ ودود
پردۂ غیب سے ہوتا نہ کسی شے کا وجود　　ہیں کرشمے ترے جلوے کے یہ سب یامعبود
تو نہ پردے میں اگر پردہ کشائی کرتا
کس کو قدرت تھی کہ پیدا یہ خدائی کرتا

محجب پردۂ وحدت میں جو کثرت ہوتی　　پردہ داری جو ترے حسن کی عادت ہوتی
تو خدائی تری ہوتی، نہ یہ خلقت ہوتی　　اور ہی عالم ایجاد کی صورت ہوتی

چاند سورج نہ یہ ہوتے نہ یا تارے ہوتے
تیری قدرت کے نہ آنکھوں کو نظارے ہوتے

گھر سے بے پردہ نکلتی جو نہ وحدت تیری　　بیٹھی ہوتی کہیں سمٹی ہوئی کثرت تیری
منہ چھپا لیتی دلہن بن کے جو قدرت تیری　　کس پہ کھلتی مرے ستار حقیقت تیری

رخ سے پردہ جو حیا کا نہ اٹھایا ہوتا
نور بن بن کے نہ آنکھوں میں سمایا ہوتا

تو اٹھاتا نہ اگر پردۂ اخفائے عدم　　دیکھنے والے تجلی کے تری کون تھے ہم
تو دکھاتا نہ گر جلوۂ انوار حرم　　کس پہ کھلتا مرے ستار ترا راز قدم

پوجتی پاؤں ہر اک بت کے خدائی تیری
شکر ہے، ہم کو تجلی نظر آئی تیری

حسن باطن کو جو پردے میں بٹھالا ہوتا　　نور تیرا، ترے آغوش کا پالا ہوتا
طور پر برق تجلی کو سنبھالا ہوتا　　گھر سے بے مقنع و چادر نہ نکالا ہوتا

آنکھ موسیٰ سے جو تو نے نہ لڑائی ہوتی
یوں نہ بے پردہ تجلی نظر آئی ہوتی

حسن ایجاد کا پردہ تو اٹھاتا نہ اگر　　تیری صنعت کے نمونے نظر آتے کیوں کر
وہ عناصر کا ہیولیٰ جسے کہتے ہیں بشر　　بطن مادر کے نہ پردے سے نکلتا باہر

برق بے پردہ جو گرتی تری چلمن بن کر
بیٹھ جاتی کہیں شوخی تری دلہن بن کر

جلوہ فرمانہ ترا حسن تماشا ہوتا — کہ خود آئینہ تو او آئینہ سیما ہوتا
اپنے بندوں سے جو یارب تجھے پردا ہوتا — آ کے دنیا میں تراحسن نہ رسوا ہوتا
تجھ کو تشہیر کیا تیری خود آرائی نے
کردیا عام تجھے جلوۂ ہرجائی نے

□□□

تضمین

(برغزل حضرت بیان یزدانی مرحوم)

دل بیتاب کو سینے سے لگا لے آجا — کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طول شب غم نے نکالے آجا — خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

صورتِ سایہ ہوں اُفتادہ اٹھالے آجا — ایڑیاں خستہ ہیں اور زخم ہیں آلے آجا
خار صحرا میں زباں ہیں نکالے آجا — بے کسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتا — کہ بنا نورازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ! اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا — کون ہے ماہِ عرب، کون ہے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

اے مسیحا ترے بیماروں میں کیا رکھا ہے — رخت ہستی ترے کوچے سے اٹھا رکھا ہے
تیری فرقت میں وصال ان کا ہوا رکھا ہے — دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

دل ہی دل میں مرے ارمان گھلے جاتے ہیں　　　خاک پر گر کے دُرِ اشک رلے جاتے ہیں
میری رسوائی پہ کم بخت تلے جاتے ہیں　　　ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

ہائے! واماندگی وسعت و امان صراط　　　المدد المدد اے خضر بیابان صراط
ہر قدم پر نگہ یاس سے یارانِ صراط　　　دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفان صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا!

مدد! اے شوق ادھر عذر نزاکت نے کہا　　　"مرحبا بڑھ کے اُدھر شاہد وحدت نے کہا"
آ! بلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا　　　پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا
خلوت راز میں اے ناز کے پالے آجا

تیرے دیوانوں کو زنجیر طلائی بخشی　　　جوہر آئینہ دل کو صفائی بخشی
بادشاہوں کو ترے در کی گدائی بخشی　　　ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی
اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

بھینی بھینی گلِ توحید کی نکہت ہے عیاں　　　واہ کیا رنگ ہم آہنگی صحبت ہے یہاں
ابر رحمت ہے یہاں بوئے محبت ہے یہاں　　　رنگ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں
اے گل گلشن "لولاک لما" لے آجا

آبگینہ ہے مئے درد نہاں کا سینہ　　　ساز بانہ ہے کوئی سوز فغاں کا سینہ
تختۂ گل ہے تری سوختہ جاں کا سینہ　　　صورتِ لالہ ہے پُرداغ بیاں کا سینہ
پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

❑❑❑

حسرت دیدار

وہ شانِ کج کلاہی، وہ فخر تاج داری وہ طرّۂ زرافشاں، وہ تاج شہر یاری
ممتاز اُف! وہ تیری دیرینہ غم گساری وہ تیری جاں نوازی، وہ میری جاں نثاری
قصے کہانیاں ہیں باتیں وہ اب کہاں ہیں
اے حُسن وعشق تیری، گھاتیں وہ اب کہاں ہیں
بے نام و بے نشاں ہوں، بے تاج و بے نگیں ہوں پامال ہو چکا جو، وہ نقش دل نشیں ہوں
اک تنگ وتار حجرے میں آہ اب مکیں ہوں فریاد آتشیں ہوں، دودِ دل حزیں ہوں
پتلا ہوں آہ! اب میں سوز غم نہاں کا
رگ رگ میں مشتعل ہے شعلہ مری فغاں کا
رخصت طلب ہے مجھ سے اب آہ! عمر فانی مہماں ہے کوئی دم کی زنداں میں زندگانی
میں غم نصیب اپنی کس سے کہوں کہانی اک تیری آرزو ہے، اک حسرت جوانی
لیکن محال ہیں یہ دونوں خیال میرے
ارماں بھی مرٹیں گے بعد وصال میرے
بیٹوں کا کشت وخوں اور دنیا کی بے وفائی اورنگ زیب کی وہ اے وائے کج ادائی
ممتاز آہ! اُس پر تیرا غمِ جدائی اُفتاد اک جہاں کی اس عمر میں اٹھائی
نیرنگیِ جہاں کے نقشے ہزار دیکھے
پہلو میں بے کسی کے لاکھوں مزار دیکھے

میں کب سے منتظر ہوں ہاے مرگ نا گہاں آ تکتا ہوں راہ تیری کب سے میں نیم جاں آ
رستے میں آہ! ظالم، تو رہ گئی کہاں آ پتلا ہوں بے کسی کا میں زیر آسماں آ
وہ مہ لقا نہیں ہے اے چاندنی کھسک جا
اے جانِ زار رخصت، اے آہ! تا فلک جا

اے تاج آہ! تو ہے خلد بریں زمیں پر اتری ہے آسماں سے یا حورعین زمیں پر
اک نقش حُسن ہے یا کرسی نشیں زمیں پر جلوہ فروش ہے یا اک مہ جبیں زمیں پر
یا ساز حسن کا ہے تو منجمد ترانہ
فردوس ناز کا ہے یا تو نگار خانہ

دلکش ہیں مہوشوں سے نقش و نگار تیرے وہ دلربا مناظر ہیں یاد گار تیرے
شمس و قمر ہیں دونوں آئینہ دار تیرے آنکھوں میں پھر رہے ہیں لیل و نہار تیرے
وہ رشک حور جب تھی محوِ خرام شب کو
اور دوشِ ناز پر تھا گیسو کا دام شب کو

جمنا کی اف! وہ موجوں کا دل فریب منظر جھونکے ہوا کے بھینے بھینے وہ روح پرور
وہ چاندنی کا آنچل پھیلا ہوا زمیں پر فواروں کا اُچھلنا، پھولوں کی نکہت تر
اک چاند کا نکھرنا، ایک چاند کا سنورنا
ہنس کر شہید مجھ کو تیغ ادا سے کرنا

وقت خرام دل پر تیری وہ ترک تازی کچھ ناز، کچھ کرشمہ کچھ شان بے نیازی
وہ شوخیِ تبسم اور وہ فسوں طرازی ہونٹوں میں جاں نوازی آنکھوں میں سحر سازی
بلبل سے چھیڑ کرنا، پھولوں سے مسکرانا
شرمیلی چتونوں سے، وہ میرا دل لبھانا

معکوس اپنی کردے رفتار عمر رفتہ　　اس نازنیں کو کرلوں پھر پیار عمر رفتہ
پھر حسن وعشق کا ہو اظہار عمر رفتہ　　شوق و حجاب کی پھر تکرار عمر رفتہ
کیا بازگشت تیری ممکن نہیں جوانی
تو مجھ کو کس پہ چھوڑے جاتی ہے عمر فانی

پہلو میں میرے آجا اے جانِ جاں کہاں ہے　　تکتا ہوں راہ تیری آنکھوں میں میری جاں ہے
کس خوابِ ناز میں ہے آنکھوں سے کیوں نہاں ہے　　تاریک تیرے غم میں نظروں میں اک جہاں ہے
افسوس! مرتے دم تو ارماں نظر کا نکلے
سینہ پہ ہاتھ رکھ دے کانٹا جگر کا نکلے

اے کاش! تجھ سے ہنس کر میں ہم کلام ہوتا　　روضہ میں ساتھ تیرے محوِ خرام ہوتا
ہوتا کنار جمنا، اور وقت شام ہوتا　　اور چاند آسماں پر بالائے بام ہوتا
تو مجھ کو پیار کرتی، میں تجھ کو پیار کرتا
قدموں پہ جان شیریں تیرے نثار کرتا

آ! دو گھڑی کو آجا، ہوں دو گھڑی کا مہماں　　پھر مل کے کرلیں ہم تم عیش وطرب کے ساماں
ہر چند بے بقا ہے لطف ونشاط دوراں　　دنیا کی دو گھڑی کی بھی مغتنم ہیں خوشیاں
آ! چاندنی میں دلکش ہے کیا بہار جمنا
جام وصال پی لیں بھر کر کنار جمنا

اے کاش! تیری الفت دل چیر کر دکھاتا　　چھلنی ہے سو جگہ سے تجھ کو جگر دکھاتا
عالم جو یاس کا ہے پیش نظر دکھاتا　　نیرنگ آسمان بیدار گر دکھاتا
جنت میں روح تیری ہے آہ! کیا کہوں میں
تو خواب ناز میں ہے قید جفا میں ہوں میں

گنبد مزار کا ہے تیرے جو یہ سمن برا حوریں چڑھا رہی ہیں پھولوں کی جس پہ چادر
اے سرد باغ خوبی، اے غیرتِ گل تر تجھ کو پکارتا ہوں میں تیرا نام لے کر
کانوں میں بازگشت اک آواز آ رہی ہے
تیرا پیام الفت مجھ کو سنا رہی ہے

ہے منتظر یہاں یہ جانِ نزار تیری آنکھوں میں بس رہی ہے اے گل! بہار تیری
میں راہ دیکھتا ہوں لیل و نہار تیری دل پر ابھی محبت ہے یادگار تیری
آنکھیں وہی ہیں میری اے جاں! تو جہاں ہے
تیرے ہی پاس میرا جسم اور میری جاں ہے

مرجھا رہے جو یہ گل تیرے مزار پر ہیں سوز دروں کا مرہم، جاں و دل و جگر ہیں
بو ان میں ہے وفا کی، یہ میرے چارہ گر ہیں راحِ مشام جاں ہیں، دامن کش نظر ہیں
یہ ان گلوں کی نازک نازک جو پنکھڑیاں ہیں
مہندی بھری یہ تیری گویا ہتھیلیاں ہیں

ہوتی ہے آہ! قالب سے جان زار رخصت پہلو سے صبر رخصت، دل سے قرار رخصت
اے آہ! اے فغاں! اے شبہائے تار رخصت دنیا سے ہو رہا ہوں بے گنہ وار رخصت
آ میری جان تجھ کو جی بھر کے پیار کر لوں
آ ایک بار تجھ کو پھر ہم کنار کر لوں

میں آہ! لوٹتا ہوں سوز غم نہاں سے شعلے نکل رہے ہیں ایک ایک استخواں سے
ہاں قند گھول دے پھر لعلِ شکر فشاں سے ارشاد مسکرا کر ہو مجھ کو کچھ زباں سے
یک بار دیکھ لے تو پھر پیار کی نظر سے
تیرِ نگاہ گزرے دل چیر کر جگر سے

روضہ پہ چاند تیرے کرنیں گرارہا ہے شفاف چاندنی کی چادر چڑھا رہا ہے
مکھڑے کا تیرے مجھ کو جلوہ دکھا رہا ہے جمنا کی دل فریبی کیا کیا بڑھا رہا ہے
ہے دل کے آئینے میں عکس جمال تیرا
بے تاب کررہا ہے شوقِ وصال تیرا
جس طرح آہ! تیرے سنسان مقبرے پر دھندلی سی شمع روشن ہے ایک اے گلِ تر
پڑتا ہے سنگ مرمر پر جس کا عکس باہر خون رونے والے میرے یوں ہیں یہ دیدۂ تر
ہیں آہ! اس اداسی پر ٹکٹکی لگائے
تیری لحد کو بن کر چادر جو ہے چھپائے
زیر زمیں جو تجھ کو پنہاں کیے ہوئے ہے جو تیرے غم میں مجھ کو نالاں کیے ہوئے ہے
ہستی کا چاک میرے داماں کیے ہوئے ہے رختِ سفر کا میرے ساماں کیے ہوئے ہے
چھائی ہوئی ہے دل پر تیرا خیال بن کر
اندوہ یاس بن کر رنج وملال بن کر
فرقت نصیب ہوں میں اے کاش! موت آئے بندِ غم والم سے آکر مجھے چھڑائے
میں مررہا ہوں، مجھ کو تجھ سے اجل ملائے نظروں سے چھپنے والے جلوہ ترا دکھائے
دنیا میں غیرممکن ہے اب وصال تیرا
خلد بریں میں دیکھوں مرکر جمال تیرا
اشجار جھومتے ہوں شاخیں لچک رہی ہوں خوشبو ہو بھینی بھینی، کلیاں مہک رہی ہوں
شبنم کی ننھی ننھی بوندیں ٹپک رہی ہوں سبزے پہ موتیوں کا پانی چھڑک رہی ہوں
مصروف آہ! ہم تم گل گشت باغ میں ہوں
دامن میں پھول چنتے کنج فراغ میں ہوں

سرشار عشق ہوں میں تو مست جام الفت　　دیتی ہوں مل کے نظریں دل کا پیام الفت
ہو آہ! لطفِ صحبت، شربِ مدامِ الفت　　دل ہو اسیر گیسو، گیسو ہو دام الفت
غماز دوسرا ہو کوئی نہ انجمن میں
محوِ خرام ہم تم دونوں ہوں اک چمن میں

□□□

شیون عروس

سوگیا بالش پہ سر رکھ کر دم فکرِ سخن
ناگہاں آئی نظر اک لعبت سیمیں بدن
الجھے سلجھے بال، مستانہ ادا، متوالی چال
تیکھی چتون، گورے گورے گال، چھوٹا سا دہن
ننھی ننھی انگلیاں، پتلی کمر، بوٹا سا قد
اس پہ سونے میں سہاگہ، جامہ زیبی کی پھبن
گوری گوری ساقِ سیمیں ، پیاری پیاری ایڑیاں
قد چھریرا، جسم سانچے میں ڈھلا نازک بدن
ننھے ننھے دانت، کلیاں موتیا کی خوش نما
پتلے پتلے نرم و نازک ہونٹ برگِ یاسمن
تھے لبِ رنگین پہ مسّی کی اوداہٹ کے نشاں
اودے اودے فالسوں کا تھا شگفتہ اک چمن

دوش پہ زر کش ردا، چہرے پہ زرّینہ نقاب
سیم قامت، سیم بر، سیمیں بدن سیمیں ذقن
لب میں تھی جاں پروری آنکھوں میں سحر سامری
قد میں تھی فتنہ گری، رفتار میں تھا بانکپن
رخ کی افشاں کا عجب عالم تحیّر خیز تھا
دن میں آتی تھی نظر تاروں بھری اک انجمن
دست قدرت نے بنائی تھی عجب زلفِ سیاہ
کس دیا گویا کسوٹی پر تھاکندن سابدن
تھا نزاکت کا اشارہ یہ دم مشق خرام
ایسے نازک کو ہو اک ہلکی سی پھولوں کی فشن
گورے گورے ہاتھوں میں تھیں دھانی دھانی چوڑیاں
پیارے پیارے بازوؤں میں ہلکے ہلکے نورتن
بھینی بھینی بس کہ آتی تھی تنِ نازک سے بو
صانع قدرت نے صندل کا بنا یا تھا بدن
اُبھرا سینہ، اس پہ جالی کی وہ محرم چُست چُست
اٹھتا جوبن، اس پہ اُودی اودی کرتی کی پھبن
کیا کہوں اس نازنیں کا عالم حُسن شباب
اک نمونہ تھی یہ قدرت کا کافر الغرض
بھولی بھولی شکل تھی اور گورا گورا تھا بدن
حسن کی ماتی ہوئی اک اک سے اٹھلاتی ہوئی

چلبلی، چنچل، رنگیلی، سانولی غنچہ دہن دہن
جب نظر اس دھج سے آئی وہ عروس مہ لقا
لے گئی دل کو اڑا کر صاف گھونگھٹ کی پھبن
پھر کہا آہستہ میں نے یوں بصد اظہار شوق
اور رنگیلی! لمبے گھونگھٹ والی شرمیلی دلہن
کیا ترا نام و نشاں ہے ؟ کیا حسب ہے؟ کیا نسب؟
ہے کہاں تیرا گھرانا، اور کدھر تیرا وطن
کس کے نازوں کی ہے تو پالی ہوئی اے نازنیں؟
کس کی آنکھوں کی ہے پتلی، اے بُت تقویٰ شکن
شمع محفل جس کی تو ہے ، وہ شبستاں ہے کدھر؟
تو کلی ہے جس کی، پھولوں کا کہاں ہے وہ چمن؟
ہیں کسی عاشق کے قبضے میں جوانی کے ثمر
یا اچھوتا او حسینہ! ہے ترا سیب ذقن؟
مجھ سے سن کر یہ سخن، گردن جھکا کر شرم سے
یوں ہوئی گویا زباں سے وہ عروس سیم تن
یاد گار عزوشاں دولت اسلامیہ
دلّی والی ہوں میں اردوئے معلیٰ کی دلہن
شاہزادی تھی کبھی دلّی کی میں اوبے خبر
میرے سر پر چتر شاہی تھا کبھی سایہ فگن
پھر کہا اس شعلہ رونے یوں بصد سوز و گداز
شمع محفل جس کی تھی میں، اٹھ گئی وہ انجمن

جس پہ لہرایا کیا صدیوں تک اسلامی نشاں
نذرِ طوفاں ہوگیا وہ تختۂ عہدِ کہن
بھینی بھینی جس میں امیدوں کی کلیاں تھی کھلیں
تختۂ مشقِ خزاں ہے اب وہ پھولوں کا چمن
اب کہاں وہ افسرِ زرّینہ و اورنگ و تاج
اب نہ جیغے میں ادا ہے اور نہ طرّے میں پھبن
خانہ ویرانی برستی ہے در و دیوار پر
نقش عبرت اب ہیں آثار صنادید کہن
ہند میں اسلام کا جھنڈا ہے اب یوں سرنگوں
کھا کے نیزہ خاک پر جیسے گرے کوئی ہرن
گل کھلاتی رزم میں تھی جن کی تیغ خون فشاں
ان کے مرقد پر ہے پھولا لالۂ خونیں کفن
چھپ گئے کتمِ عدم میں کیسے کیسے حکمراں
لگ گیا افسوس کس کس ماہ کامل کو گہن
سر پہ دلی کے جہاں داری کا سہرا اب کہاں
شاہد ماتم نشیں ہے، اب یہ البیلی دلہن
اب وہ آہنگ تعیش ہے، نہ وہ کوسِ نشاط
اب نہ وہ بزم شبانہ ہے نہ لطف انجمن
میں کہاں، دلی کی اب وہ پُرفضا گلیاں کہاں
ہائے وہ قصر مرصع، اور وہ ایوان کہن
مٹ گئے سب رفتہ رفتہ میری عظمت کے نشاں

رہ گیا باقی فقط افسانۂ رنج و محن
وہ مرا ننھا سا سن، وہ جان فزاں طفلی کے دن
وہ شرارت وہ نزاکت وہ ادا، وہ بانکپن
آرزوئیں ناچتی پھرتی تھیں چھم چھم سامنے
پیاری پیاری تھی عجب کم سن امیدوں کی پھبن
باتیں کرنا سیکھتی تھی بیگموں کی گود میں
ڈھل رہا تھا حسن کے سانچے میں انداز سخن
اک طلسم نوکلیدِ شوخیٔ تقریر تھی
قفل ابجد بن کے کھل جاتا تھا چھوٹا سا دہن
جب ہوا بوٹا سا قد نشو و نما پاکر بڑا
رکھ دیا سر پر فصاحت نے مرے تاج سخن
لے اڑی پردے سے باہر پھر تو شوخی حسن کی
بن کے قصہ مختصر یاروں میں آئی میں دلہن
کچھ دنوں بارے رہی دلّی میں سرگرم نشاط
جاکے چمکایا ہراک محفل میں رنگ انجمن
رفتہ رفتہ لکھنؤ کو پھر مرا چالا ہوا
بن کے میکے سے گئی سسرال شرمیلی دلہن
نیچی نظروں نے کیا کتنے جوانوں کو شہید
کر گئی کتنوں کو بسمل میرے گھونگھٹ کی پھبن
میرے مقدم کے بہت دن سے تماشائی جو تھے
بول اٹھے ''مرحبا'' بے ساختہ اہل سخن

سر میں برسوں سے جو تھا جوشِ غزل خوانی بھرا
آکے چہکے حسن کے پھولوں پہ مرغانِ چمن
شاعروں نے ایشیائی طرز پر ڈھالا مجھے
کردیا اس پر طمع تھا جو کندن سا بدن
زلف میں شانہ کیا، کاجل لگایا آنکھ میں
بھینی بھینی بدھیاں پھولوں کی کیں زیب بدن
کچھ عجب انداز سے کھینچا مرا نقش وجود
کردیا معدوم دونوں کو ، کمر کیا کیا دہن
رخ پہ گل گو نہ ملا، مہندی لگائی ہاتھ میں
رنگ دیا رنگ تصنع میں مراسارا بدن
لوح ہستی پر بناکر آہ میرا کالبد
رنگ بھر بھر کر بگاڑا، پیکر حسن سخن
اورنگیلی قوم، اودلدادۂ رنگ نشاط!
اوشہید جلوۂ حسن بتاں سیم تن
او شراب عشق کی مخمور! او بدمست عیش!
تاکجا! شوریدۂ سودائے زلف پرشکن
تاکجا! سر گرم افکار پریشانِ کمر
تاکجا! نکتہ طراز فکر مضمون دہن
او خود آرا! تاکجا! ترتیب بزم حسن و عشق
کب سے ہے اجڑی پڑی افسوس تیری انجمن

ہے سپہر قوم پر چھائی ہوئی بے رونقی
لگ رہا ہے آہ! دونوں چاند سورج کو گہن
چھا رہا اسلام پر ہے اب بڑھاپا سر بسر
قوم کا پتلا ہے اب پیر نحیف وخستہ تن
کچھ خبر بھی ہے تجھے اونیند کے ماتے ہوئے
بن رہی ہے اب تری شہر خموشاں انجمن
اب تو اٹھ سو کر کہ سوتے سوتے صدیاں ہوگئیں
اب تو تو کروٹ بدل، بدلا زمانے نے فیشن
اب تو ظالم! کھول دے زلفِ دوتا کی بیڑیاں
ہے تجھے انجام دینے کو بڑی قومی مشن
اب تو کردے مرغ دل کو دام گیسو سے رہا
سامنے ہے خوش نما نیچر کے پھولوں کا چمن
ایشیائی وضع سے جی میرا گھبرانے لگا
مجھ کو صدیاں ہوگئیں پہنے ہوئے یہ پیرہن
او زمانہ! وہ بھی ہوگا کوئی دورِ روز گار
بن کے جب پردے سے نکلوں گی میں نیچر کی دلہن
میں سپہر قوم پرچمکوں گی بن کر آفتاب
وہ بھی دن ہوں گے کوئی اے دورۂ چرخ کہن

□□□

عنفوانِ شباب

کی گزشتہ خود پرستیوں کی حسرت آلود یاد

حسرت! اے عنفوانِ برنائی
رخصت! اے کاروانِ رعنائی
اب وہ سودائے خط وخال کہاں
نہ وہ ہم ہیں، نہ وہ خود آرائی
گلِ رخسار یوں ہیں پژمردہ
جیسے کلیاں چمن میں مرجھائی
نہ وہ لہجہ رہا، نہ طرز مقال
نہ تکلّم، نہ ہے وہ گویائی
نہ رہی وہ لبوں میں اگلی سی
شکر افشانی و شکر خائی
نہ رہا ان کا سلسلہ ہے ہے!
ہم تھے جن گیسوؤں کے سودائی
ہورہے ہیں سپید موئے سیاہ
صبح پیری ہے شام برنائی
مٹ گئی اف! وہ چاند سی صورت
جس پہ تھا ہم کو ناز یکتائی

سلک دنداں کا جب خیال آیا
لب پہ روتی ہوئی ہنسی آئی
لطمۂ سیل عمر رفتہ میں
بہہ گیا تختۂ شکیبائی
رحم! اے موجِ رعشۂ پیری
اپنی کشتی بھنور میں چکرائی
مدد! اے آنسوؤں کی طغیانی
آگ سوز دروں نے بھڑکائی
دل کے داغوں کو مرہم کافور
صبحِ پیری نہ لے کے تو آئی
تجھ کو او آسمان کج رفتار
نہ ہماری روش پسند آئی
ہم بہت سر اٹھا کے چلتے تھے
تو نے آخر زمین دکھلائی
نہ رہا آہ! وہ حدیقۂ عیش
جس میں تھے محوِ نغمہ آرائی
کھل کے مرجھا گئے وہ پھول افسوس
روح افزا تھی جن کی رعنائی
اب وہ جلسے کہاں ہیں یاروں کے
ہم ہیں اور آہ! کنج تنہائی

وہ شب و سرود مطرب وارغنون و شہنائی
سبزہ و باغ و ساقی و معشوق
شیشہ و جام و بادہ پیمائی
گرمیوں کی وہ چاندنی راتیں
نیلا نیلا وہ چرخ مینائی
دن اُمنگوں کے سن جوانی کا
کچھ تڑپ دل میں کچھ شکیبائی
شب کو باغوں میں غنچہ احباب
سرو و شمشاد کی صف آرائی
آہ! وہ ننھی ننھی کلیوں میں
کسی کم سنِ حسیں کی رعنائی
پتے پتے میں حسن کا عالم
بوٹے بوٹے میں شان برنائی
پانی کی ہلکی ہلکی موجوں میں
دل کا انداز نا شکیبائی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں
لبِ جاں بخش کی مسیحائی
نہ رہے وہ شباب کے جلسے
حسرت! اے ذوق محفل آرائی
روئیں کس کس کو کس کو یاد کریں
اف ! وہ ہنگامۂ خود آرائی

تلوے گھائل ہیں پنڈلیاں کمزور
نہ رہی تاب گام فرسائی
ضعف پیری نے ہے بنا رکھا
گھر میں پابند قید تنہائی
ہائے! وہ دن بھی تھے قیامت کے
چال میں جب تھی محشر آرائی
ہم کو اے تازہ واردان شباب
کیا دکھاتے ہو شان برنائی
اس مرقع میں صورتِ تصویر
ہم بھی تھے نقش ناز یکتائی
لب میں اعجاز آنکھ میں جادو
قد میں شوخی تھی ، خد میں زیبائی
چوڑا سینہ، بھرے بھرے بازو
اے دریغا! وہ شانِ برنائی
کبھی ہم بھی جوانِ رعنا تھے
یوں نہ چہرے پہ تھی خزاں چھائی
دن میں کپڑے بدلتے تھے سو بار
گرم تھی محفلِ خود آرائی
ہم نئے تھے، نئی ہماری وضع
نئی سج دھج، نئی تھی رعنائی

دن کو یاروں کے رہتے تھے جلسے
شب کو پریوں سے صحبت آرائی
بن کے یوسف جو جاتے تھے بازار
جمع ہوجاتے تھے تماشائی
سر پہ کج تھی کلاہ عجب و غرور
زیب بر تھی قبائے رعنائی
کبھی مہندی لگائی ہاتھوں میں
کی کبھی رخ پہ غازہ آرائی
دیکھتے تھے کبھی جو آئینہ
پہروں رہتے تھے ہم تماشائی
لیکن اگلی سی اب کہاں باتیں
نہ وہ صورت رہی نہ رعنائی
روٹھ کر ہم سے چل دیا جو شباب!
اف! یہ کس کی ادا تجھے بھائی
تجھ سے صبرو قرار تھا دل کو
تجھ سے تھی روح کو شکیبائی
حیف تیری نہ قدر کی ہم نے
کھو کے آئی سمجھ تو کیا آئی

□□□

داغ کے پھول

اے نظم! تیرا عشوۂ دل جو کدھر گیا   سر چڑھ کے بولتا تھا وہ جادو کدھر گیا
شانہ وہ کیا ہوا، خمِ گیسو کدھر گیا   چوٹی کا پھول داغؔ سمن بو کدھر گیا
کلیاں کدھر گئیں ترے دامان ناز کی
بو بھینی بھینی کیا ہوئی زلفِ دراز کی
اے حسن! تیرا نغمہ اعجاز کیا ہوا   اے عشق! تیرا سوز فزا ساز کیا ہوا
وہ طوطیٔ جناں کا ہم آواز کیا ہوا   وہ عندلیب زمزمۂ پرداز کیا ہوا
وہ صحبتیں، وہ انجمن آرائیاں کہاں
وہ آہ! داغ کی چمن آرائیاں کہاں
چبھتے ہوئے جگر میں وہ خنجر کدھر گئے   تھے جو خلش فروش، وہ نشتر کدھر گئے
برجِ سخن کے وہ مہ و اختر کدھر گئے   وہ ہونٹ تھے جو برگ گل تر کدھر گئے
محوِ سکوت ہیں لب رنگین نوائے داغؔ
پھولوں میں اب ہے داغؔ کے بوئے قبائے داغ
سانچے میں وہ ڈھلی ہوئی تقریر کیا ہوئی   جذبات حسن و عشق کی تصویر کیا ہوئی
وحشت فزا جنون کی وہ تاثیر کیا ہوئی   طوقِ گلو کدھر گیا، زنجیر کیا ہوئی
زلفِ سخن کا آہ! وہ دیوانہ کیا ہوا
پریاں کدھر گئیں، وہ پری خانہ کیا ہوا

سونپا زمیں میں کس مہ اوج کمال کو　　چھوڑ آئے لوگ دشت میں یہ کس غزال کو
ٹھکرا کے کس نے شیشۂ بزم خیال کو　　توڑا طلسم عشوہ و غنج ودلال کو
پریوں کا اِلیشیا کی وہ جھرمٹ کدھر گیا
بند نقاب کیا ہوئے گھونگٹ کدھر گیا

یہ کس کے ساتھ رونقِ باغ سخن گئی　　سنبل کے بیچ، تازگی یا سمن گئی
کلیوں کی شان پھولوں کی دلکش پھبن گئی　　رعنائی عروس بہار چمن گئی
وہ اِلیشیا کا آہ! چمن زار کیا ہوا
پھولوں کا پھول داغ وفادار کیا ہوا

کمھلا گئے حدیقۂ بزم سخن کے پھول　　کچھ رہ گئے جھڑے ہوئے باقی دہن کے پھول
مرقد پہ آہ! داغ غریب الوطن کے پھول　　لے چل صبا چڑھانے کو دو یاسمن کے پھول
گلگوں کفن ہے جلوۂ صبح بہار داغ
چل کر کریں دکن میں طواف مزار داغ

ہاں! او فروغ داغ جبین نیاز عشق!　　تیرے بغیر کون اٹھائے گا ناز عشق
کس برج میں ہے تو مہ جلوہ طراز عشق　　لالہ میں کیا ہے داغ غم جاں گداز عشق
کس حور عین کی بزم میں ہے گل فروش داغ
تو خلد میں ہے اور ترے پھولوں میں جوش داغ

مضمون حسن و عشق کے او ترجماں چہک　　بزم سخن میں داغ فصیح البیاں چہک
اے ہم صفیر طوطی خلد آشیاں چہک　　مطلع یہ اپنا بلبل ہندوستاں چہک
"کس نے کہا کہ داغ وفادار مر گیا"
"وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مر گیا"

زلفِ عروسِ بندشِ مضموں کدھر گئی   نیچر کی شوخیِ قدموزوں کدھر گئی
وہ موجِ جنبشِ لبِ گلگوں کدھر گئی   سیلِ سرشکِ دیدۂ پُر خوں کدھر گئی
ڈوبے ہوئے لہو میں وہ پیکاں کدھر گئے
وہ زخم کیا ہوے وہ نمک داں کدھر گئے

اے عمرِ رفتہ! تو ہی بتا کچھ نشانِ داغؔ   کس راہ سے عدم کو گیا کاروانِ داغ
نرگس میں بوئے داغؔ نہ لالہ میں شانِ داغ   ہے ہے! کدھر گیا چمنِ بے خزانِ داغ
وہ پھول کیا ہوئے ، وہ چمن زار کیا ہوا
کلیاں کدھر گئیں، وہ سمن زار کیا ہوا

وہ سروِ نازِ رونقِ بستاں کدھر گیا   وہ تختہ بندِ سنبل وریحاں کدھر گیا
ویراں چمن ہے مرغِ غزل خواں کدھر گیا   خاموش بزم ہے، وہ سخن داں کدھر گیا
وہ شوخیِ ادائے تکلم کہاں گئی؟
جو نطق کی پری تھی، کدھر وہ زباں گئی

وہ ایشیا کا مرغِ چمن زاد کیا ہوا   وہ عندلیبِ گلشن ایجاد کیا ہوا
وہ درس گاہِ عشق کا استاد کیا ہوا   کہتے تھے جس کو داغؔ وہ ناشاد کیا ہوا
پہلو میں اب وہ درد ہے جو پہلے داغ تھا
اب ہے جگر کا داغ جو گھر کا چراغ تھا

او! یادگارِ ذوقِ معانی طرازِ نظم   کرسی نشیں کہاں ہے تو اونقشِ نازِ نظم
اٹھتے ہی تیرے ہوگیا خاموش سازِ نظم   اک تیرے دم سے داغؔ تھا سوز وگدازِ نظم
محفل میں اک چراغ کہن تھا، سو بجھ گیا
پہلو میں ایک داغ کہن تھا ، سو بجھ گیا

اردو کے باغ میں گُل رنگین ادا تھا ایک سارے چمن میں بُلبُل رنگین نوا تھا ایک
داغوں میں داغ عشق کا لذت فزا تھا ایک تاج سخن وری میں دُرِ بے بہا تھا ایک

بن کر وہ چشم دہر سے آنسو ٹپک گیا
اے دل! ٹپک کہ داغؔ وفا خود ٹپک گیا

کس کی لحد پہ آہ! چراغ سحر ہے تو پھولوں میں کس غریب کے داغ جگر ہے تو
وہ چرخ کس زمیں پہ ہے جس کا قمر ہے تو بُرج سخن کے او! مہ کامل کدھر ہے تو

خالی کا چاند ہے ترے غم میں ہلال عید
ماتم نشیں ہے لیلیٔ شام و صال عید

او نقش بند پیکر حسن مقال نظم او غازہ ریز شاہد رنگیں جمال نظم
او بلبل حدیقۂ سحر حلال نظم او ماہتاب اوج سپہر کمال نظم

کس بُرج میں ہے تو تری منزل کدھر ہے آہ!
جس دل میں داغؔ عشق ہے وہ دل کدھر ہے آہ!

لالہ میں ہے کہ ہے مہ کامل میں داغ تو ہے کس کی بزم ناز کا آخر چراغ تو
چھلکا مئے سخن کے نہ بھر کر ایاغ تو او آسماں! بہت نہ دکھا سبز باغ تو

اے صرصرِ زمانہ! نہ داغوں پہ داغ دے
جو بُجھ گئے، وہ بزم سخن کے چراغ دے

داغؔ و میرؔ کے لب اظہار بھیج دے نطق فصیح و شوخی گفتار بھیج دے
تاج سخن کے گوہر شہوار بھیج دے منگواتی ہے نظام کی سرکار بھیج دے

ان موتیوں کو خاک دکن کیا کرے گی تو
کس پر نثار یہ دُرِ یکتا کرے گی تو

سوتے ہیں ایک برج میں زیرِ مزار حیف — وہ مہر و ماہ اوجِ سخن کے ہزار حیف
وہ خاک میں نہاں ہیں دُرِ آبدار حیف — گلگوں کفن ہیں وہ گلِ رنگیں بہار حیف

دہلی کا ایک پھول ہے، اک لکھنؤ کا پھول
لالہ کا ایک پھول ہے، اک ناز بو کا پھول

شیونِ داغ

پھولوں میں آہ! کس کے ہے بوئے قبائے داغ
آتی ہے بھینی بھینی کہاں سے ہوا اے داغ
منہ اپنا آئینے میں ذرا دیکھ ، او قمر!
دے مجھ کو دور سے نہ فریب ادائے داغ
آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے داغ
دل سوز اک ہے تو شبِ غم میں چراغِ گور
آتی ہے تیرے پھولوں سے بوئے وفائے داغ
خاموش ہیں بہار میں مرغانِ نغمہ سنج
ہے ہے! کدھر ہے نالۂ رنگین نوائے داغ
نیرنگیوں پہ ناز نہ کر چرخِ یا رگش
لینا ہے تجھ سے حشر کے دن خون بہائے داغ
چھپتے ہی آہ! عید کا تو چاند ہوگیا
نکلا نہ ایک شب مہ جلوہ فزائے داغ

نکلے شکوہ سے کہ جنازہ ہے داغؔ کا
گلگوں قبائے داغ ہو، رنگین روائے داغ

اٹھی زمیں سے آہ! نہ اے گنبد مزار
خاموش ہو کے بیٹھ گئی کیا صدائے داغ

تلووں سے مل کر پھینک دیا کیوں عروس دہر
چوٹی کا پھول تھا گل رنگیں ادائے داغ

پڑھتے ہیں ماہ و مہر شب وروز فاتحہ
جس سرزمیں پہ آہ! ہے خلوت سرائے داغ

ہنستے نہیں حدیقۂ بزم سخن کے پھول
اے وائے ! موج خندۂ دنداں نمائے داغ

پھولا ہوا ہے لالۂ صحرا مزار پر
جوشِ جنوں! ہے دید کے قابل فضائے داغ

منہ میں زباں کہاں ہے ؟ کہ زخم جگر کریں
شرح حدیث نطق ترنم سرائے داغ

اے چرخ وہ بھی مٹ گیا، قصہ ہوا تمام
لوح سخن پہ ایک تھا نقش وفائے داغ

ہم کیا کہیں جو ہم کو دکھائے ہیں سبز باغ
داغوں پہ اے فلک ہیں دئے تونے ہائے داغ

تھا بزم آرزو میں ابھی ماتم امیر
اب دل سے آرہی ہے صدا ہائے ہائے داغ

ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ دردہد
یک داغ نیک ناشدہ داغ دگردہد

□□□

سال گزشتہ

زمیں پہ برف زمستاں ہے تا بزانوآہ
لبِ نسیم پہ ہیں نالہائے دل جو آہ
کہو کہ چرچ کا گھنٹہ ذرا سنبھل کے بجے
صدا ہو دھیمی، کلیجہ مسل مسل کے بجے
تمام سال گزشتہ ہوا دریغ دریغ
رفیق مجھ سے ہوا اک جدا دریغ دریغ
مرے رفیق مرے غمگسار واویلا
کدھر گئے ترے لیل و نہار واویلا
نشاطِ عمر کو تو آہ! لے کے آیا تھا
نئی اُمنگوں کو ہمراہ لے کے آیا تھا
ہر ایک حال میں میرا شریکِ حال رہا
کہ غم گسار مرا تو تمام سال رہا
نگاہ پھیر کے او یارِ باوفا مجھ سے
یہ کیا ستم ہے کہ ہوتا ہے تو جدا مجھ سے

□□□

پڑا ہے بے حرکت آہ! جسمِ زار ترا
جگر پہ داغِ محبت ہے یادگار ترا

نظر نہ آئے گا اب جلوۂ سحر تجھ کو
نہ ہوگی آہ! نئے سال کی خبر تجھ کو
جہاں سے مٹ گئی ہستی بے ثبات تری
ملے گی تجھ کو نہ گذری ہوئی حیات تری
وہ آہ تیری رفاقت، وہ شرط غم خواری
وہ اختلاف، وہ اف ری تری وفاداری
جہاں سے آہ! مرے باوفا گزر نہ ابھی
سرائے ہستی فانی سے کوچ کر نہ ابھی
سمند عمر سے کہہ دے، ذرا ٹھہر جائے
چڑھا ہے نشۂ خواب اجل اتر جائے
جدا نہ مجھ سے ہو، میرے رفیق تنہائی
بہت دنوں سے رہا گرم صحبت آرائی
پیئے ہیں جام مئے انبساط کے تونے
بسر کیے ہیں بہت دن نشاط کے تونے
خبر نہ تھی کہ مٹائے گا سالِ نو تجھ کو
نہ ہوگی آہ! مبارک یہ فالِ نو تجھ کو

□□□

جہاں کی بزم میں جب تک قیام تھا تیرا
مئے نشاط سے معمور جام تھا تیرا

ملے گا تجھ سا نہ اب سالِ شادماں تجھ کو
دکھائے گا نہ ترا دورِ آسماں مجھ کو
چھلک گیا ترا جامِ سرور واویلا
رہا نہ وہ تری آنکھوں میں نور واویلا
اگرچہ کہتے ہیں دشمن ترے بُرا تجھ کو
دعائیں دیتا ہوں میں یارِ باوفا تجھ کو
جہاں سے قصدِ عدم کا نہ کر دریغ دریغ
اُٹھا ابھی سے نہ رختِ سفر دریغ دریغ
کروں میں جی کے مرے غم گسار کیا تنہا
کہ لطفِ ہستیِ ناپائدار کیا تنہا
وہ لطفِ صحبت و ہنگامۂ نشاط دریغ
وہ قہقہے، وہ صدائیں وہ اختلاط دریغ

□□□

ہنسی خوشی کے ترے دن کدھر گئے ہے ہے
وہ خوش گوار مشاغل گزر گئے ہے ہے
وہ تیرا نورِ نظر اف ری تیری حسرتِ شوق
اڑائے آتا ہے بگٹٹ سمندِ سرعتِ شوق
قضا سے پہلے نہ پہنچے گا جاں نشین تیرا
نصیب ہوگا نہ دیدار واپسیں تیرا

یہ رات تاروں بھری سرد سرد واویلا
اڑی ہوئی تری رنگت یہ زرد واویلا
فلک ہے آہ! کمیں میں تجھے مٹانے کو
نئی اُمنگ لیے سال نو ہے آنے کو

❑❑❑

ہزار حیف! کہ تو بے کسی کی ہے تصویر
ابھی سے مرغ کے لب پر ہیں نالۂ شب گیر
چراغ شام میں اگلی سی وہ ضیا نہ رہی
نظر فریب ستاروں کی وہ ادا نہ رہی
رہے نہ لیلئ شب کے وہ دوش پر گیسو
کہ بڑھ کے آگئے اب آہ! تا کمر گیسو
ٹھہر ٹھہر، کہ تجھے ہم کنار کرلوں میں
دم اخیر ہے، جی بھر کے پیار کرلوں میں
ملے تو موت کے بدلے تجھے شفا لاؤں
جو آخری ترا ارشاد ہو بجا لاؤں

❑❑❑

وہ تازگی، وہ صباحت رہی نہ چہرے پر
کہ وہ گلاب سی رنگت رہی نہ چہرے پر
رہا نہ آہ! مرا غم گسار واویلا!
کہ چل بسا وہ غریب الدیار واویلا

کھلی ہے بند کرو چشم خوش ادا کوئی
زمیں کو سونپ بھی دو میرے باوفا کوئی
خروشِ نالۂ بے اختیار رہنے دو
اجل نصیب کو زیرِ مزار رہنے دو
درِ مزار پہ ہے منتظر کھڑا کوئی
زمیں پر ہے نیا آہ! نقشِ پا کوئی
نہاں ہے خاک میں اُف! اُف! وہ چاند سا چہرہ
کہ آرہا ہے نظر مجھ کو اک نیا چہرہ

□□□

اجڑی ہوئی دلہن

او عروسِ مہ لقا! او شاہدِ ماتم نشیں
آہ! او رنگیں ادا! او دِتی والی نازنیں!
یاد آیا میکہ تھی تیری جوانی جوش پر
چٹکیاں لیتی تھی دل میں ہر ادائے دل نشیں
ہائے وہ راتیں کہ تھی تو شمعِ بزمِ آرزو
تیرے پروانے تھے ہم اے غیرتِ ماہِ مبیں
ہائے وہ دن دل کو تھی جب حسرتِ ذوقِ خلش
نوکِ نشتر تھی رگِ جاں میں تری چینِ جبیں

جلوہ گر تھی ہر مرقع میں تری تصویر حسن
محفل ہستی میں تھی تو نقش نازِ دل نشیں
تا کمر لٹکی ہوئی وہ آہ! جعد خم بخم
الجھی سلجھی دوش پر، بکھری وہ زلف عنبریں
آہ! وہ عشوہ گری، وہ گردش چشم سیاہ
ہائے وہ شرمیلی چتون، وہ نگاہِ شرمگیں
قدِ موزوں پر چکن کے وہ دو پٹے کی پھبن
سرو پر پھیلی ہوئی گویا تھی شاخ یاسمین
ابھرے سینے پر وہ آغازِ جوانی کے نشاں
تازہ بو کے پھول یہ وہ عطر صندل کی زمیں
وہ تبسم ہائے شیریں، وہ نوائے جاں نواز
وہ لبِ شکر شکن، شکر فروش و شکریں
دوش نازک پر دوپٹے کا وہ آنچل سرخ سرخ
ہلکی ہلکی آہ! وہ رخ پر نقابِ ریشمیں
قد میں شوخی، خد میں رعنائی بھری تھی کوٹ کر
آنکھ میں تھا زہر قاتل لب میں قند و انگبین
قیس آشفتہ تھی اس خلقِ خدا تیرے لیے
ہائے! وہ راتیں کہ تھی تو لیلیٰ محمل نشیں
ہائے! وہ طفلی کا عالم اور وہ جوش شباب
بھولی بھولی اف! وہ صورت وہ نگاہِ شرمگیں

آہ! وہ بوٹا سا قد وہ ننھی ننھی انگلیاں
آہ! وہ تیرے لڑکپن کی ادائے نازنین
ماں کی لوری جنبش موج تکلم تھی تجھے
اور شمیم جاں فزائے خلد تھی خواب آفریں
پھول جھڑتے تھے لب رنگین سے یوں وقت کلام
گل بداماں ہو چمن میں جیسے صبح یاسمین
سر پہ طرّہ نظم کا تھا، فرق پر تاج سخن
نطق کے پھولوں کا جھومر زیب آغوش جبیں
آسمان ناز سے عالم فریبی کے لیے
بن کے اتری تھی مگر تو حور فردوسِ بریں
تیرا سکہ تھا رواں اے شاہزادی چار سو
یاد آیا میکہ دلی تھی ترے زیر نگیں
لیکن اب تجھ میں کہاں وہ جلوۂ شانِ غیور
جھڑ گئے سب آہ! تیرے تاج شہرت کے نگیں
چھا رہی ہے اب اداسی آسمان حسن پر
اب نہ وہ تاروں کا جھرمٹ ہے نہ وہ ماہ مبیں
تیری آنکھوں میں کہاں اب مستی حسن شباب
تیرے شیشوں میں کہاں اب وہ شراب آتشیں
اب کہاں وہ ذوق صہبائے سخن وہ بزم ہے
اب کہاں وہ مجمع رندانِ میخانہ نشیں

اب ہوا میں ہے پریشاں تیرے پروانوں کی خاک
تیرے دیوانے ہیں اب شہرِ خموشاں کے مکیں
اب کہاں اگلی سی وہ کاشانہ افروزی کہ ہے
چشم حسرت حلقۂ در نقشِ عبرت شہ نشیں
جن کے دامن میں پلی تھی آہ! تو اے مہ لقا!
اب وہ انجم خواب آسایش میں ہیں زیرِ زمیں
گوش عبرت میں مزار خفتگان خاک سے
آرہی ہے دھیمی دھیمی آہ! فریادِ حزیں
بر مزارِ ماغریبان نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد، نے صدائے بلبلے

□□□

حسرت وطن

نہ ہم نفس ہے نہ ہے کوئی غم گسار وطن
وطن کی یاد ہے غربت میں یادگار وطن
وطن سے آہ! میں نکلا جلا وطن ہوکر
ہزار حیف! کہ مجھ سے چھٹا دیار وطن
رلا رہی ہے تمنا کو خون یاد وطن
غریب کب سے ہے غربت میں سوگوار وطن
مزار حسرت مردہ سے آرہی ہے صدا
کہ زیر خاک ہوں اب بھی میں جاں نثار وطن

وطن سے لے کے صبا کچھ پیام آئی ہے
کہ آرہی ہے اڑا ئے ہوئے غبارِ وطن
خبر تو وحشت دل بڑھ کے اک ذرا لانا
کہ میرے بعد ہوا آہ! کیا فشارِ وطن
زمیں پہ گر نہ پڑوں میں غریب غش کھا کر
سنبھال اٹھ کے مجھے دردِ انتظار وطن
وہ جاں نثار وطن میں غریب ہوں افسوس
کہ میرے غم میں نکلتی ہے جان زارِ وطن
وہ اودی اودی گھٹائیں وہ جوش لالہ و گل
ہزار حیف! وہ رعنائی بہارِ وطن
کہاں وہ صحبتِ مرغانِ خوشنوا ہے ہے!
کہاں وہ کنج کہاں اب وہ سبزہ زار وطن
جگر کے داغ جو دھوتے تھے وادیوں میں کبھی
وہ دل فریب کہاں آہ! آبشارِ وطن
قفس میں پھول نہ صیاد رکھ تسلی کو
عزیز ان سے ہیں آنکھوں کو میری خار وطن
اسیر دام ہوا میں فلک زدہ کس وقت
شروع موسم گل جوششِ بہار وطن
ہوں جاں نثار ترا ہو نہ بد گماں صیاد
کرم! کرم کہ ہوں غربت میں بے قرار وطن

●●●

نوحہ نواب محسن الملک مرحوم

جستجو میں تیری ہیں واماندگانِ کارواں
او عدم کو جانے والے تیری منزل ہے کہاں؟
تیرے نظارے کو ہے چشم تماشا بے قرار
تو کہاں ہے پردہ دارِ خلوت رازِ نہاں
آہ! ویرانے میں ہے تو اب گلِ دستارِ قوم!
لالۂ خونیں کفن تیری بہار بے خزاں
ہے دُرِ نایاب تو اے قطرۂ بارانِ فیض
ابرِ رحمت اب ہے تیری خاک پر گوہر فشاں
ظلمتِ غم چھا گئی اوجِ سپہر قوم پر
تیرا جلوہ ہوگیا کیا آہ! آنکھوں سے نہاں
سر کو سودا ہے ترے طوفِ مزارِ پاک کا
دل کو حسرت ہے کہ رہیے آہ چل کر پاسباں
موجِ تحریکِ فغاں سینے سے ہے رخصت طلب
تیرے پھولوں میں رہے بن کر شمیم بوستاں
لوحِ محفوظ محبت ہے تری لوحِ مزار
تیرا تعویذ لحد ہے مرنے والے حرزِ جاں

قوم ہے حرمان نصیب اس پر ترحم کی نگاہ
آہ! او محو سکوت لذت خواب گراں
اٹھ گیا تو ہائے کیا او قافلہ سالار قوم
آ رہی ہے دل سے آواز درائے کارواں
چارہ ساز درد دل ، بخیہ گرِ زخم جگر
کس پہ ٹوٹا ہائے تو اے دست مرگ ناگہاں
قوم کی حالت پہ ہے اب بھی تاسف کی نظر
سونے والے خوب راحت تیری آنکھوں میں کہاں
اب بھی حب قوم میں ہے نالہ کش زیر مزار
اٹھ رہا ہے روزنِ مرقد سے آہوں کا دھواں
اب بھی ہے تصویر غم تو اے گلِ خونیں جگر
تیرے پہلو میں شگفتہ اب بھی ہیں داغ نہاں
تیرے نالوں میں وہی اب بھی ہے غم افزا اثر
خون رُلاتا ہے تمنا کو ترا رنگ فغاں
قوم کے درد محبت کی خلش اے فخرِ قوم
تیرے پہلو میں چبھوتی اب بھی ہے نوک سناں
مرنے والے! درد رس اب بھی یتیموں کا ہے تو
لے رہی ہیں ان کی آہیں تیرے دل میں چٹکیاں
ان کے نالے ہیں کلیجے میں گزرتے بن کے تیر
اب بھی آنکھیں ہیں تری بیواؤں کے غم میں خوں فشاں

آرہی ہے تیری تربت سے صدائے دردناک
مجھ پہ ڈھایا یہ ستم کیسا زمین و آسماں
خدمتِ کالج سے مجھ کو کردیا محروم آہ!
مجھ سے کیا ایسی عداوت تھی نصیب دشمنان
خاک اُڑا سر پر کہ اب اے قوم کے دارالعلوم
گنج مرقد میں نہاں ہے تیرا گنج شائے گاں
حشر تک تیرے کلیجے سے نہ جائے گا یہ داغ
تجھ پہ لہرائے گا صدیوں آہ! ماتم کا نشان
نالہ کر، فریاد کر، اے قوم! اے حرماں نصیب!
ایسا محسن اب ملے تجھ کو یہ قسمت ہے کہاں
دست شفقت کون رکھے گا جگر پر اب ترے
اٹھتے جاتے ہیں جہاں سے آہ! محسن سب ترے

+++

ماتمِ آرزو

اے دل مردہ! کہاں اب روز گارِ آرزو
نا امیدی کرچکی کب کا فشارِ آرزو
ہائے! وہ دل جس میں امیدوں کی تھی بزمِ نشاط
اس میں ہے اک آہ! چھوٹا سا مزارِ آرزو

مٹ نہ جانا، تجھ کو میری نا امیدی کی قسم
اے جگر کے داغ! ہے تو یادگارِ آرزو

چارہ گر دستِ تسلی میرے سینے پر نہ رکھ
آہ! اس مشعل میں پنہاں ہیں شرارِ آرزو

اب کہاں بزمِ تمنا۔ اے دلِ خمیازہ کش
میں ہوں، تو ہے، اور تکلیفِ خمارِ آرزو

حسرتِ مردہ کے غم میں ہائے میرے غم گسار
مرمٹا کیا تو بھی شوقِ بے قرارِ آرزو

خارزارِ یاس و حرماں آہ! اب پہلو میں ہے
دل کہ تھا اک باغِ نیرنگِ بہارِ آرزو

ہائے! وہ راتیں مرادوں کی اُمنگوں کے وہ دن
ہائے! وہ تسکین فزا لیل و نہارِ آرزو

ہلکا ہلکا ہائے! وہ جامِ تمنا کا سرور
ہائے! وہ ذوقِ شرابِ خوش گوارِ آرزو

چارہ گر! سینے پہ رکھ کر دیکھتا ہے ہاتھ کیا
دل تڑپتا ہے پڑا، زیرِ مزارِ آرزو

بے کسی بزمِ نشاطِ دل میں کیا رکھا ہے اب
جمع ہے کچھ گردِ حسرت کچھ غبارِ آرزو

میرے پہلو میں تڑپتا ہے جگر بھی دل کے ساتھ
آہ! یہ بھی ہے شہیدِ انتظارِ آرزو

آج وہ بھی مٹ گیا۔ لو ہو گیا قصہ تمام
داغ حسرت دل میں تھا اک یادگار آرزو
کیا خبر تھی ایک دن مجھ سے جدا ہو جائے گا
تیرا آغوش تمنا اے کنارِ آرزو
دل کی کشتی تیری موجوں میں بہی جاتی ہے ہائے!
آہ! سیل گریۂ بے اختیار آرزو
چل دیا پامال کر کے آہ! دل کو تو کہاں
اے سمند ہستیِ نا پائیدارِ آرزو
سو جگہ سے چاک ہے کب تک کرے گا تو رفو
اے رفوگر! دامنِ صبر و قرارِ آرزو
ہے دل مردہ کی تربت بھی وہیں اے بے کسی!
جس جگہ ہے میرے پہلو میں مزارِ آرزو
ایسا ٹوٹا آبلہ کانٹا کہ اے دستِ جنوں
مرتے مرتے بھی نہ نکلا دل سے خارِ آرزو!
اے رفیقِ صحبتِ دیرینۂ بزم نشاط
دل میں آجا! اے خیالِ غم گسارِ آرزو
تجھ کو بھی رونا پڑے گا ایک دن اے بے کسی
تو رہی یوں ہی جو چندے سوگوارِ آرزو

●●●

دلِ بے قرار سو جا!

کسی مست خواب کا ہے عبث انتظار سو جا
کہ گزر گئی شب آدھی، دل بے قرار سو جا
یہ نسیم ٹھنڈی یہ ہوا کے سرد جھونکے
تجھے دے رہے ہیں لوری مرے غم گسار سو جا
یہ تری صدائے نالہ مجھے متہم نہ کردے
مرے پردہ دار سو جا مرے راز دار سو جا
مجھے خوں رلا رہا ہے ترا دمبدم تڑپنا
ترے غم میں آہ! کب سے ہوں میں اشک بار سو جا
ابھی دھان پان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ! شیوہ نہ کر اختیار سو جا
نہ تڑپ زمیں پہ ظالم تجھے گود میں اٹھا لوں
تجھے سینے سے لگا لوں، تجھے کرلوں پیار سو جا
تجھے جن کا ہے تصور ارے مست جام الفت
انھیں انکھڑیوں کے صدقے مرے بادہ خوار سو جا

□□□

مرغ و صیاد

مصنفہ ڈاکٹر حکم چند نیر جب سرور اپنے لخت جگر کو نذر آتش کر کے لوٹ رہے تھے تو راستے میں اپنے ایک دوست منشی عبداللہ خاں کے مکان پر بیٹھ گئے یہاں انہوں نے ''دل بے قرار

سوجائے'' کے نام سے اپنے لخت جگر کے لیے ایک لوری لکھی اور کاغذ اپنے دوست کو تھما کر چل دیے۔ یہ سرور کے دکھے دل کی آواز تھی ۔ مدتوں یہ لوری ماؤں کے ورد زباں رہی۔(بحوالہ صفحہ ۹۶ سرور جہاں آباد کا حیات اردو شاعری۔

اے نسیم صبح! اے گہوارہ جنانِ چمن
ہواگر تیرا گزر سوئے جوانان چمن
ان سے کہنا میری جانب سے بصد اظہار شوق
ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں وہ جو یاران چمن
اک گرفتارِ قفس نے ہے کہا تم کو سلام
اور پوچھا ہے مزاج سرو و ریحان چمن
پھر یہ دنیا میری جانب سے نوید جاں فزا
میر گلشن ہو مبارک تم کو مرغان چمن
خاک اڑا کر پہلے چپ ہو جائیو، باد صبا
حال پوچھیں کچھ جو میرا، ہم صفیران چمن
پھر یہ کہنا، کھینچ کر سینے سے آہِ جاں گداز
ہے قفس میں قید وہ مرغ خوش الحان چمن
اب نہ سیر لالہ وگل ہے نہ وہ گل گشتِ باغ
حسرتِ پرواز ہے، اب اور ارمان چمن
اب نہ وہ پھولوں کا تختہ ہے نہ کنج خوش گوار
وہ نہالان چمن ہیں اب، نہ میدان چمن
تنکے چنتا ہے پڑا کنج قفس میں اب غریب
آشیاں کیسا؟ کہاں کی فکر سامان چمن؟

توڑتا ہے خانۂ صیاد میں دم ہائے ہائے
ہو رہا ہے بلبلِ تصویر ماتم ہائے ہائے
چھیڑتی ہے کیا قفس میں ہم کو اے بادِ نسیم
اس چمن میں ہم بھی تھے پروردۂ نازِ قدیم
تھی ہماری بھی کبھی سرسبز کشتِ آرزو
ہم پہ بھی اے ابرِ رحمت! تھا ترا لطفِ عمیم
لوٹتے تھے آہ! دن کو سبزہ زاروں کے مزے
شب کو رہتے تھے تر و شاداب کنجوں میں مقیم
یا چہکتے پھرتے تھے باغوں میں ہم اے ہم صفیر!
یا قفس میں چیختے ہیں آہ! بے یار و ندیم
ہم کہاں کے خوش نوا تھے ہم کہاں کے بذلہ سنج
ہم پہ اے صیاد ٹوٹا جو ترا قہرِ عظیم
ہم صفیرانِ چمن کے کیا تغافل کا گلہ
جب قفس میں پھنس گئے کیسی رہ و رسمِ قدیم
ذبح اے صیاد کر بھی چک کہ جھگڑا پاک ہو
ہم سے اب دیکھا نہیں جاتا ہے یہ حالِ سقیم
پھونک دے اے سوزِ غم ہائے نہانی پھونک دے
بن کے او ظالم! بھڑک اٹھ، شعلۂ نارِ جحیم
ہم ہیں پابندِ قفس، کیسا چمن؟ کیسی بہار؟
کس کو مژدہ دینے آئی ہے تو اے بادِ نسیم

دید گل سے واسطہ کیا ہم اسیروں کے لیے
سیر گلشن ہو مبارک ہم صفیروں کے لیے
لالہ وگل کی تھی قسمت میں فضا دو چار دن
ہم نے کھالی سبزہ زاروں کی ہوا دو چار دن
پھر سنے گا ہائے کس کے زمزمے صیاد تو
ہم قفس میں اور ہیں، نغمہ سرا دو چار دن
حسرت پرواز بھی جاتی رہے گی اے اجل!
ہم سے اُڑلیں اور مرغان ہوا دو چار دن
پھر کہاں صیاد ہم، اور پھر کہاں کنج قفس
آب و دانہ ہے مقدر میں ترا دو چار دن
گھٹ کے اس زنداں میں جائے گا کبھی تو دم نکل
اور ہیں حسرت کشِ ذوقِ فنا دو چار دن
یاد اے صیاد! ہم کو بھی کرے گا تو کبھی
اور تڑپا لے قفس میں بے وفا دو چار دن
دیکھ کر خالی قفس کو جی بھر آئے گا ترا
پیٹ کر روئے گا سر، بعد فنا دو چار دن
کر رہے ہیں جس طرح ہم نالہ ہائے دردناک
تو رہے گا یونہی مصروف بکا دو چار دن
یاد جب صیاد آئیں گے ہمارے زمزمے
گھر میں تنہا تیرا جی گھبرائے گا دو چار دن

دستِ حسرت مل کے اے صیاد! پچھتائے گا تو
ایسا لائے گا کہاں سے آہ! مرغ خوش گلو
جب بنائے گا ہمارا آہ! چھوٹا سا مزار
چپکے چپکے تو ہمارے غم میں ہوگا اشک بار
یاد رہ رہ کر جفائیں اپنی آئیں گی تجھے
اور ہماری بے کسی پر روئے گا تو زار زار
لے کے خالی گھر کو جب گلشن سے لوٹے گا قفس
پیچھے پیچھے خاک اڑاتی آئے گی بادِ بہار
سن کے اے صیاد! تیرے نالہ ہائے جاں گداز
راستے میں لوگ پوچھیں گے کہ کیوں ہے سوگوار
تو کہے گا، مرگئی وہ بُلبلِ رنگیں نوا
وصلِ گل کے واسطے تھی جو قفس میں بے قرار
گل کھلیں گے سبزۂ نورس اُگے گا قبر پر
ہم نہ ہوں گے اور آئے گی گلستاں میں بہار
سوتے ہوں گے تیرے گہوارے میں اے کنجِ لحد
خوابِ راحت میں مخل ہوگی نہ گل بانگِ ہزار
اپنی مٹی ہے کہاں کی کیا خبر بادِ صبا!
ہو پریشاں دیکھئے کس کس جگہ مشتِ غبار
وہ بھی آزادی کے دن تھے ہائے کتنے جاں فزا
تیرے بندھن سے تھے جب اے قیدِ ہستی رستگار
لوٹتے تھے اپنے گلشن میں بہاروں کے مزے

سبزہ زاروں کی تھیں سیریں جوئباروں کے مزے
ہم سرودِ طائرانِ قدس تھے، ہم بھی صبا!
قیدِ ہستی کی کشاکش میں نہ تھے یوں مبتلا
بولتے تھے اپنی دھن میں پیاری پیاری بولیاں
ہائے وہ دن! شاخ طوبیٰ پر تھے جب نغمہ سرا
لوٹتے تھے ہم بہاریں گلشن فردوس کی
تھی عجب دلکش ہمارے سبزہ زاروں کی فضا
کھل رہے تھے چارسو پھولوں کے کنج خوشگوار
تھیں رواں شیر و عسل کی ان میں نہریں جابجا
اپنے پھولوں پر تو اتراتی ہے کیا اے عندلیب!
تو نے دیکھی ہی نہیں ہے شاہد گل کی ادا
کر کے ہم کو تو اسیر حلقۂ دام فریب
کھینچ کر کس وادی پُر خار میں لائی قضا
ہم نہ پھنستے کس طرح صیاد تیرے جال میں
آب و دانہ تھا مقدر میں ترے گھر کا لکھا
ہم قفس میں کب تلک بے بال و پر تڑپا کریں
ٹوٹ بھی جا! اے طلسم قیدِ ہستی! ٹوٹ جا!
تیرے مرغ دست پر ور ہم ہیں صیادِ ازل!
خواہ ہم کو ذبح کر تو، خواہ ہم کو کر رہا
من نہ آں مرغم کہ نالم از جفائے تیغ تو
ذبح کن صیاد! قربان ادائے تیغ تو

□□□

لالۂ صحرا

پسند لالۂ صحرا! تری فضا ہے مجھے　　چمن کے پھولوں سے دلکش تری ادا ہے مجھے
بہشت خانہ ترا کنج خوش نما ہے مجھے　　جنوں میں تیرا نظارہ سکوں فزا ہے مجھے
گلوں سے ہے مجھے ترے جگر کا داغ پسند
وہ رند ہوں کہ ہے تیرا مجھے ایاغ پسند

مئے نشاط کا تیری، سرور ہے دل میں　　تری شراب جھلکتی ہے آنکھ کے تل میں
گلوں کا عکسِ شفق گوں ہے تیری منزل میں　　شراب رخ کے شیشے ہیں تیری محفل میں
عجب بہار ہے رنگیں جمالیوں میں تری
چھلکتی ہے مئے احمر پیالیوں میں تری

مجھے بھی بھر کے کوئی جام خوش گوار پلا　　جنوں کا جوش ہے سر میں مئے بہار پلا
تری شراب کا ہوں رند بادہ خوار، پلا　　ہزار جام پلا او ہزار بار پلا
پلا وہ مئے کہ خمارِ وطن نہ ہو جس میں
پلا وہ پھول کہ خارِ وطن نہ ہو جس میں

فریب خوردۂ بزمِ نشاطِ دنیا ہوں　　میں انجمن میں صدائے شکست مینا ہوں
نہ پوچھ ساقیِ صحرا! کہ کون ہوں کیا ہوں　　شہید ناوکِ بے مہریِ احبا ہوں
سرشکِ خوں سے ہے غربت میں یوں گریباں سرخ
لہو بھرا کسی گل کا ہو جیسے داماں سرخ

فلک نے مجھ کو دکھائے ہیں سبز باغ بہت   مئے نشاط کے چھلکائے ہیں ایاغ بہت
کیے ہیں بزم تمنا کے گل چراغ بہت   دیے ہیں اہل وطن نے جگر پہ داغ بہت
کہاں کہاں کے دکھاؤں میں آہ! داغ تجھے
جلا نہ دیں مرے دلسوز! یہ چراغ تجھے

سناؤں کیا تجھے غربت میں روئداد وطن   میں بدنصیب وطن ہوں میں نامراد وطن
ستم رسیدہ ہوں کیسا خیال یاد وطن   سواد گور نگاہوں میں ہے سواد وطن
دل فسردہ ہوں پہلوے داغ خوردہ ہوں
صبا بجھائے گی کیا! میں چراغ مردہ ہوں

خیال صحبت احباب کیا؟ وہ دل ہی نہیں   جگر میں وہ تپش شوق متصل ہی نہیں
وہ آگ تھی جو کلیجے میں مشتعل ہی نہیں   وطن کی خاک کا سودا تھا، اب وہ گل ہی نہیں
گئے وہ دن کہ تھی غربت میں آرزوئے وطن
مشام جاں کو ہے اب ناگوار بوئے وطن

ذرا سی رہنے کو دے کنج دل نشیں میں جگہ   مجھے بھی تھوڑی سی صحرا کی سرزمیں میں جگہ
شرار غم ہوں، دل داغ آفریں میں جگہ   ملے اگر ترے آغوش نازنیں میں جگہ
دکھاؤں اپنے وطن کی بہار باغ تجھے
تپ دروں کے پھپھولے جگر کے داغ تجھے

□□□

نوحۂ وفات

شمس العلما مولانا آزاد مرحوم

تو کہاں ہے آہ! اب او نازشِ بزمِ سخن
محشرستان عزاداری ہے تیری انجمن
تیرے غم میں تیرے دیوانے ہیں سرگرم تپش
بجھ گئی شمع اور پروانے ہیں سرگرم تپش
چھپ گیا کیا آہ! تو اے نیّر اوج کمال
شام غم کا ہے سیہ خانہ تری بزم خیال
تری محفل میں کہاں اب وہ چراغ آرزو
اب نظر آتا ہے اک دھندلا سا داغ آرزو
اب نہ وہ صحرا نوردی ہے نہ وہ ایذائے خار
اب اڑائے پھرتی ہے بادِ صبا تیرا غبار
اب کہاں دلی کی گلیاں اب کہاں جوش جنوں
اب کہاں زلف پریشاں دوش بردوش جنوں
اب رگِ جاں میں کہاں وہ نوک نشتر کی خلش
جسم لاغر میں کہاں اب تار بستر کی خلش
اب کہاں وہ آہ سر پر طرۂ دستار کج
جوش وحشت میں کہاں وہ شوخی رفتار کج

اب کہاں وہ صحبت احباب سے بے گانگی
نازش فرزانگی اب وہ کہاں دیوانگی
تیری آشفتہ بیانی کا وہ عالم اب کہاں
شاہد مضموں کے وہ گیسوئے برہم اب کہاں
سازِ ہستی اب ہے تیرا بے صدا زیرِ زمیں
تیرے ماتم میں ہے اک محشر بپا زیرِ زمیں
پُرزے پُرزے ہے لحد میں اب گریبان کفن
پنجۂ وحشت سے ہے صد چاک دامانِ کفن
کچھ عجب دل کش ہے اب انداز تیرے خواب کا
گوشۂ مرقد ہے گہوارۂ دلِ بیتاب کا
مرحبا اے دانش آموز دبستان ادب
تو وہ دیوانہ تھا قائم تجھ سے تھی شان ادب
ایسے دیوانے کہاں پیدا ہیں اب روشن دماغ
ہوگئی مرنے سے تیرے بزم دہلی بے چراغ
اک ترے دم سے تھی قائم شان معراج سخن
آسماں رکھے گا کس کے سر پہ اب تاج سخن
چٹکیاں پہلو میں لے گا کس کا انداز بیاں
کس کی باتیں اب چُبھیں گی دل میں بن کر برچھیاں
دل کو برمائے گی کس کی نوک مژگاں کی خلش
کچھ عجب لذت فزا تھی تیرے پیکاں کی خلش

آہ! یوں کھینچے گا نظم ونثر کی تصویر کون؟
اپنے دیوانوں کو پہنائے گا اب زنجیر کون؟

□□□

گلِ خزاں دیدہ

خوشا وہ دن کہ میں آرائش صحن گلستاں تھا
خوشا وہ دن کہ میرے فرق پر تاج درخشاں تھا
خوشا وہ دن کی شوق جامہ زیبی تھا گلستاں میں
شمیم ناز سے میرا معطر جب گریباں تھا
بہار جلوہ حسن ازل تھا پردۂ گل میں
وہ جگنو تھا کہ کاشانہ فروز صحن بستاں تھا
نگاہیں بلبل وگلچیں کی بیڈھب مجھ پہ پڑتی تھیں
بہار حسن تھی، جوش شباب فتنہ ساماں تھا
صبا گہوارہ جنباں، قصہ گو بانگِ عنادل تھی
مرا چھوٹا سا بستر خواب آسائش کا ساماں تھا
فضائے لالہ وریحان وگل، پریوں کی محفل تھی
نسیم صبح کا جھونکا جو تھا، تختِ سلیماں تھا
شمیم خلد اترائی ہوئی پھرتی تھی گلشن میں
ہر اک گل اک طلسم جلوہ نیرنگ امکان تھا

ترنم ریز تھا شاخوں پہ میری طائر سدرہ
چمن کا میرے بہ دست آموز اک مرغ غزل خواں تھا
جواب خطۂ کشمیر میرا کنج دلکش تھا
بہار سبزہ و گل تھی، ہجوم سرو ریحاں تھا
ادھر سنبل کو تھا ناز اپنے گیسوئے مسلسل پر
ادھر نرگس کو گلشن میں غرور چشم فتاں تھا
کلی دوشیزہ نا کتخدا اک اک تھی گلشن میں
شگوفہ جو چمن میں تھا، عروس گل بداماں تھا
موافق مجھ سے تھی آب و ہوائے دہر اے ہمدم!
صبا تھی عطر آگیں، ابر رحمت گوہر افشاں تھا
نہ تھا یوں منتشر شیرازہ جمعیت اجزا
برنگ بو نہ جھونکوں میں ہوا کے یوں پریشاں تھا
ارم خانہ تھا مجھ کو آہ! کنج دل نشیں میرا
زمیں پر یوں نہ سیلی خوردۂ ریگ بیاباں تھا
نہ یوں الجھے ہوئے تھے خار صحرا میرے دامن سے
نہ یوں ڈوبا ہوا خون میں ہر اک تار گریباں تھا
گل خنداں تھا میں بھی باغ عالم کے مرقع میں
نہ میں حسرت کا پتلا تھا نہ میں تصویر حرماں تھا
نہ یوں نالہ کش بے تابی دل تھا بیاباں میں
نہ یوں شکوہ طراز گردش آشوب دوراں تھا

کہاں لائی اڑا کر آہ! تو بادِ خزاں مجھ کو
کہیں خارِ مغیلاں تھے کہیں غولِ بیاباں تھا
یہ افسانہ ہے کل کا، کیا کہوں اے ہم نشیں تجھ سے
چمن میرا وطن تھا، میرا کاشانہ گلستاں تھا
بہارِ عالمِ نیرنگ تھی ہر پنکھڑی میری
نہ تھا معلوم، رنگِ انقلابِ دہر پنہاں تھا
حقیقت کھل گئی دورِ خزاں آیا جو گلشن میں
نہ تھا غازہ رخِ گل رنگ پر خونِ شہیداں تھا
ضیائے ہستی موہوم موجِ شعلۂ خس تھی
چمن میں میں گلِ شمع سرِ گورِ غریباں تھا
طلسمِ بے ثباتِ دہر تھا رنگِ بقا میرا
بساطِ گوشۂ مرقد مری ہستی کا میداں تھا
تحیر زا تھا منظر آہ! اک اک باغِ ہستی کا
وجودِ عالمِ امکاں، مگر خوابِ پریشاں تھا

□□□

نوحۂ وفات شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم

گھٹا چھائی ہوئی ہے چار سو کیوں آج ماتم کی — عروسِ شب نے کس کے غم میں رخ پہ زلف برہم کی
صدائے جاں گسل ہے لب پہ کیوں فریاد پیہم کی — خلش کیوں شہ رگِ جاں میں ہے یا رب نشترِ غم کی
رواں ہے سیلِ خونِ آرزو کیوں چشمِ گریاں سے
ٹپکتا ہے لہو بن کر جگر کیوں نوکِ مژگاں سے

غم واندوہ و حرماں ہیں یہ کس کے سوگواروں میں — تمنا پیٹتی ہے رو کے سر کیوں اشک باروں میں
یہ غم ہے کس کی مرگِ ناگہاں کا غم گساروں میں — قضا نے ڈال دی ہلچل یہ کس کے جاں نثاروں میں
لگائی آگ تو نے نالۂ آتش فشاں کیسی
تڑپتی آ رہی ہیں آسماں سے بجلیاں کیسی

زباں پر ہے یہ پیہم آج شورِ الاماں کیسا — جگر سے اٹھ رہا ہے آہ! سوزاں کا دھواں کیسا
کلیجہ آرہا ہے منہ کو ہنگامِ فغاں کیسا — یہ ہنگامہ قیامت کا ہے مرگِ ناگہاں کیسا
اعزا رو رہے بالیں پہ ہیں یہ کس کے ماتم میں
کہ اک اک اشک طوفاں خیزِ غم ہے چشمِ پرنم میں

نشاں لہرا رہے ہیں ہند میں کیوں آج ماتم کے — یہ ہے کیسی غم آرائی، یہ کیوں سامان ہیں غم کے
لہو کے آہ! فوارے ہیں چھینٹے اشکِ پیہم کے — کہ حلقے بزمِ ماتم کے ہیں حلقے چشمِ پرنم کے
قیامت کی تپش ہے آہ! قلبِ ناشکیبا میں
خلش ہے نوکِ نشتر کی رگِ جانِ تمنا میں

یہ کیا اندھیر ہے تاریک آنکھوں میں جہاں کیوں ہے　　سواد بزم ماتم خطۂ ہندوستاں کیوں ہے
محیط حلقۂ گرداب چشم خوں فشاں کیوں ہے　　غریق لجۂ غم کشتی عمر رواں کیوں ہے

نہ پوچھو کچھ قیامت کا ہے صدمہ قلب مضطر پر
الٰہی خیر ہو شیشہ گرا ہے آج پتھر پر

یہ ماتم قصر شہ میں ہے نصیب دشمناں کس کا　　فلک کو جا رہا ہے آج یہ تخت رواں کس کا
خمیدہ بار غم سے خاک پر ہے یہ نشاں کس کا　　نہاں زیر زمیں ہے آفتاب عز و جاں کس کا

جو پنہاں ہو گئی آنکھوں سے وہ تنویر کس کی تھی
بنایا نقش حسرت ہم کو وہ تصویر کس کی تھی

جگر میں کچھ نہ باقی تو نے اے سوز نہاں رکھا　　نہ غم کا حوصلہ رکھا نہ یارائے فغاں رکھا
ملائک نے یہ کس کے سر پہ تاج آسماں رکھا　　قدم فردوس میں یہ کس نے مرگ ناگہاں رکھا

اٹھایا ہاتھ کس نے آہ! یہ دولت پناہی سے
ٹپکتے ہیں گہر بن بن کے آنسو تاج شاہی سے

کلیسا میں نظر آتی ہیں کیوں ہر سو صفیں غم کی　　صدا کیوں آ رہی ہے چرچ کے گھنٹے سے ماتم کی
رعی ہے آہ کس کے غم میں حالت اہل عالم کی　　کلیجے میں نہیں طاقت ہے اب فریاد پیہم کی

وفات شاہ دوراں کی ہے لندن سے خبر آئی
پیام روح فرسا لے کے ہے باد سحر آئی

مبدل غم سے نقشہ آہ! قصر دل نشیں کا ہے　　کہ عالم کچھ عجب حسرت فزا تاج و نگیں کا ہے
فلک ہے کانپتا تھر تھر کلیجہ شق زمیں کا ہے　　کہ ماتم آج شاہ ایڈورڈ ہفتمیں کا ہے

عزاداری کے ساماں ہو رہے ہیں آہ لندن میں
گریباں چاک ہیں گل اڑ رہی ہے خاک گلشن میں

نہ اب وہ طرۂ زریں، نہ ہے وہ تاجِ سلطانی — نہ اورنگِ مرصع ہے، نہ ایوان جہاں بانی
جہاں کل تک نشاط وعیش کی ہر سو تھی ارزانی — دلوں میں ہے وہاں رنج والم کی آج مہمانی
اداسی غم کی اب ایوان شاہی پر برستی ہے
زیارت کو شہ ذی جاہ کی خلقت ترستی ہے
نشاط عمر فانی چار دن کی آہ! مہماں ہے — بہار زندگانی چار دن کی آہ! مہماں ہے
شکوہ خسروانی چار دن کی آہ! مہماں ہے — عروس کامرانی چار دن کی آہ مہماں ہے
گداہو یا ہو شہ اک دن فنا انجام ہستی ہے
یہ معمورہ نہیں ہے عیش کا عبرت کی بستی ہے

❑●❑

نسیم سحر

کیا بھینی بھینی آہ! نسیم سحر ہے تو — آرام جاں ہے، راحتِ قلب وجگر ہے تو
نور نگاہ دیدۂ اہل نظر ہے تو — سرمایۂ فروغ حیاتِ بشر ہے تو
تو وہ کہ تیرے دم سے معطر مشام شوق
کرتی ہے اک نگاہ میں سرمست جام شوق
صد چاک تیرے عشق میں جیب قبائے گل — دامن کی ہر کلی میں ہے بوئے وفائے گل
تیری شمیم ہے نفس عطر سائے گل — پھرتی ہے ہر روش پہ چمن میں قفائے گل
مشاطۂ عروس بہار چمن ہے تو
زینت گلوں کی آئینہ دار چمن ہے تو

آتی ہے تو چمن میں جو لے کر پیام صبح　　بھرتی ہے آب گوہر شبنم سے جام صبح
آنے سے تیرے باغ میں اے خوش خرام صبح　　ہوتا ہے ہر روش پہ نیا اہتمام صبح
کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں غنچے چٹکتے ہیں
شاخوں پہ طائرانِ غزل خواں چہکتے ہیں

گل گشت باغ کیا جو گلستاں میں تو نہ ہو　　سبزی نہ ہو گیاہ میں، پھولوں میں بو نہ ہو
یہ جوشِ گل چمن میں یہ جوش نمو نہ ہو　　سبزہ میں تازگی یہ لب آب جو نہ ہو
تو بھر کے ہاتھ سے نہ پلائے جو جام شوق
تازہ نہ ہو گلوں کا چمن میں مشام شوق

یوں بھینی بھینی موسم گل کی ہوا نہ ہو　　شاخوں پہ عندلیب ترنم سرا نہ ہو
سبزہ میں یہ لہک یہ چمن کی فضا نہ ہو　　دانہ لگے زمیں پہ تو نشوونما نہ ہو
شبنم کی آرزو ترے جوش کرم سے ہے
پھولوں میں رنگ و بو فقط اک تیرے دم سے ہے

گھونگٹ الٹ الٹ کے رخ نازنین سے تو　　کرتی ہے چھیڑ سلسلۂ عنبریں سے تو
ہونے کو ہم کنار گل و یاسمیں سے تو　　چلتی ہے بس کے عطر میں خلد بریں سے تو
یوں دھیمی دھیمی آتی ہے تاروں کی چھاؤں میں
مہندی لگا کے جیسے چلے کوئی پاؤں میں

اک صحن باغ ہی نہیں خلوت سرا تری　　خالی کس انجمن میں نہیں آمد جا تری
ہر جام میں بھری ہے مے جاں فزا تری　　ہر ساز سے نکلتی ہے دلکش ادا تری
محفل میں آئی شمع سحر کو بجھا گئی
سینے کی آگ سوز جگر کو بجھا گئی

ٹھہری نہ اک جگہ ادھر آئی اُدھر گئی　　وقتِ خرام ناز عجب گل کتر گئی
چہرے پہ بن کے زلف معنبر بکھر گئی　　چڑھتے ہی دن کے صاف گھٹا سی اتر گئی
سورج بڑھا فلک پہ ادھر اور صبا نہ تھی
جھونکے وہ سرد سرد، وہ ٹھنڈی ہوا نہ تھی

اے نازشِ بہارِ چمن، اے نسیمِ ناز　　تو مایۂ بقا ہے تری عمر ہو دراز
دلکش ہر ایک دھن میں ہے تیری صدائے ساز　　ہر رنگ میں ہے یوں تو ادا تیری جاں نواز
گرمی میں حسن کا ترے نقشا ہی اور ہے
ٹھنڈا جگر ہو جس سے وہ جھونکا ہی اور ہے

□□□

رویائے اکبر

کیوں ہوائی چھوٹتی شہ کے رخِ روشن پہ ہے؟　　اشکِ گلگوں سے شفق پھولی ہوئی دامن پہ ہے؟
دل ہے حولاں گاہِ رقصِ شعلۂ بیتاب کیوں؟　　آ دا آتش زیر پا ہے آج یہ سیماب کیوں؟
ارغوانی رنگ ہے کیوں دیدۂ بے خواب کا؟　　چشمِ پُرخوں میں ہے کیوں عالم گلِ شاداب کا؟
کچھ تو ہو ارشاد، لب پر مہرِ خاموشی ہے کیوں؟
چشمِ حیراں آدا محوِ آئینہ پوشی ہے کیوں؟

سرگزشتِ سوزِ غم ہائے نہانی کیا کہوں   تجھ سے اے دل سوز! میں غم کی کہانی کیا کہوں
ہوں سراپا آہ تصویرِ حدیث درد وغم   ترجمان دل ہے، تفسیرِ حدیث دردوغم
دیکھیے ہو جانشینوں کا مرے انجام کیا   رنگ میرے بعد لائے چرخ نیلی فام کیا
طرۂ شاہانہ کس کے فرق پر ہو دیکھیے   کس کے قبضے میں مری تیغ ظفر ہو دیکھیے

میری عظمت کا نشاں زیرِ زمیں ٹھنڈا نہ ہو
سرفگندہ خاک پر یارب! مرا جھنڈا نہ ہو

میری نسلیں وارثِ تخت ونگیں ہوں میرے بعد   میرے سے بڑھ کر میرے جانشیں ہوں میرے بعد
سر پہ یارب! غیر کے تاج جہانداری نہ ہو   میرے گلشن میں ہوائے چرخ رنگاری نہ ہو
میں نے سینچا ہے انھیں خون جگر سے آسماں   میرے پھولوں کو نہ پہنچے آہ! آسیب خزاں
دیکھیے ہوتی ہے میرے خواب کی تعبیر کیا   میری نسلوں کو دکھائے گردش تقدیر کیا

کیا کہوں دیکھا ہے وحشت ناک میں نے خواب کیا
چارہ گر! اب ذکر تسکین دل بیتاب کیا

دیکھتا کیا ہوں کہ تجھ کو آہ! غم خوار قدیم   دیکھتا ہے قہر آلودہ نگاہوں سے سلیم
تو نے گویا بھر کے جام کفر میں اے غم گسار   شرک کی مجھ کو پلا دی ہے مئے ناخوش گوار
پھر دکھایا طرفہ نیرنگ فسوں تقدیر نے   کھینچ دی تصویرِ بختِ واژگوں تقدیر نے
اٹھ گئی جو ایک جانب چشم نظارہ پسند   اک پہاڑی پر کیا تعمیر اک قصر بلند
وہ معبد تھا کہ جس میں رسم طاعت تھی جدا   مسجد و بت خانہ سے شانِ عمارت تھی جدا
مسکن عدل و محبت تھا یہ کاخ دل نشیں   راستی دامن تھے گویا اس گھر کے مکیں
داورِ عفو وکرم تھے خلق پر لیل ونہار   جھونکے آتے تھے نسیم خلد کے بے اختیار
دیکھ کر اس قصر عالیشان کو اے نکتہ داں   ہو رہا تھا دل میں میں خوش اور تو تھا شادماں۔

اک طرف سے ناگہاں آئی صدائے قہقہہ جس طرح بے ساختہ کوئی لگائے قہقہہ
پھر کیا پیدا طلسم خواب نے ساماں نیا یعنی چلا کر کسی نے یہ کہا 'قرآں' نیا
پھر نظر آیا عجب نظارہ وحشت اثر گر پڑا تو ہو کے مردہ یعنی فرش خاک پر
میرا مرغ روح بھی پھر کھا کے چنگال اجل ہوگیا مغلوب شاہین قوئ بال اجل
تھے مگر محوِ تماشا دیدۂ عبرت نگر کیونکہ بعد مرگ بھی ہے ہستی سمع و بصر

تھا ابھی پیش نظر جو آہ! قصرِ استوار
جانشینوں نے مرے وہ ڈھا دیا انجام کار

اب نہ وہ گھر تھا، نہ وہ کاشانۂ راحت فزا ٹوٹے پھوٹے سامنے تھے کچھ کھنڈر عبرت فزا
اٹھ رہا تھا جن سے مظلوموں کی آہوں کا دھواں جن میں پیوندِ زمیں تھے آہ! لاکھوں خستہ جاں
اب نہ تھے عدل و محبت آہ! اس گھر کے مکیں تھے کسی اجڑی ہوئی منزل میں ویرانہ نشیں
نقش عبرت اب مری اجڑی ہوئی تعمیر تھی عظمت دیرینہ کی مٹتی ہوئی تصویر تھی
جی بھر آیا یہ طلسم رنگ عبرت دیکھ کر انقلاب آسمان بے مروت دیکھ کر
ناگہاں مغرب سے اک بیگانہ قوم اے نکتہ سنج! عدل گستر، خلق پرور، کس مرنجاں کس مرنج
آئی اور آ کر ہوئی مصروف تعمیر مکاں کھنچ گئی پھر ہو بہو آنکھوں میں تصویر مکاں
راستی وامن و انصاف و محبت ہم نشیں! آ کے پھر اس قصر دلکش میں ہوئے مسکن گزین
اب نہ مظلوں کی چیخوں سے یہ گھر تھا گونجتا لحن آزادی سے اک اک بام و در تھا گونجتا
اب نہ تھی بیوؤں کی آہوں کی سیہ خانوں میں آگ اب نہ ستیوں کی چتاؤں کی تھی میدانوں میں آگ

میں نے کھایا مدتوں جس کے لیے خون جگر
ہوگئی تکمیل اس مقصد کی قصر مختصر

□□□

سوز بیوگی

عجب رقت بھری اے چارہ گر! ہے داستاں میری
جگر میں چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر فغاں میری
پسند آئی نہ آرائش تجھے او آسماں میری
اتاریں بدھیاں بے درد توڑیں چوڑیاں میری
مبدّل غم سے شادی ہوگئی او جان جاں میری
کہ ٹپکی بن کے خوں آخر شراب ارغواں میری
فلک نے چھین لیں مجھ سے شہابی چندریاں میری
پہنتی سرخ جوڑا، ایسی قسمت تھی کہاں میری
کہاں کا شوقِ زینت، جل رہی ہیں ہڈیاں میری
گراتی مجھ پہ اب برق ستم ہیں بجلیاں میری
ہوا کیا اے جوانی! وہ لڑکپن کا مرے زیور
کدھر ہے طوق منت کا کہاں ہیں ہنسلیاں میری
لگائی آگ آرائش کو آخر سوز نالہ نے
اڑی ہونٹوں کی مسّی بن کے آہوں کا دھواں میری
بہا جاتا ہے دل آنکھوں سے خون آرزو ہوکر
یہ رونا ہے رہے گی بے کسی یارب کہاں میری
بنایا ہے یہ کس کے سوگ نے ماتم نشیں مجھ کو

تمنا نالہ کش میری ہے حسرت نوحہ خواں میری
وہ نقش نامرادی ہوں، سراپا درد ہوں غم ہوں
مرقع میں جہاں کے آہ! میں تصویر ماتم ہوں
وہ دکھیا ہوں نہیں درد نہاں کا راز داں کوئی
وہ بے کس ہوں نہیں سنتا ہے میری داستاں کوئی
کرے رو رو کے کب تک شکوۂ درد نہاں کوئی
بہائے آہ! کب تک سیل اشک خونچکاں کوئی
بنایا ہے سراپا داغ حسرت سوز حرماں نے
پنہائے آہ! پھولوں کی نہ مجھ کو بدھیاں کوئی
جگر سے میرے تھم تھم کر دھواں اٹھتا ہے آہوں کا
جلاتا ہے کسی کو یوں بھی اے سوز نہاں کوئی
تقاضا لذت ذوق خلش کا ہے شب غم میں
مرے پہلو میں رکھ دے چیر کر نوک سناں کوئی
کلیجہ قوم ہی نے کرلیا ہو اپنا جب پتھر
تو پھر ہو خاک یارب شکوہ سنج آسماں کوئی
زمانہ ہو رہا ہو آہ! جب تاریک آنکھوں میں
سنوارے بام پر کیا گیسوئے عنبر فشاں کوئی
سنبھال اے ضبط! اٹھ کر اضطراب دل سے ڈرتی ہوں
کہ نازک ہے زمانہ، ہو نہ مجھ سے بدگماں کوئی
ہوئے کیا کیا نہ آنسو خاک میں پامال گر گر کر

نہ نکلا قوم میں ان موتیوں کا قدرداں کوئی
جلایا چپکے چپکے آتش خاموش غم تو نے
بجھائی آہ! کب دل کی لگی ابر کرم تو نے
گھٹائیں چھارہی ہیں آہ! دل پر یاس وحرماں کی
اُمنگیں خوں رلاتی ہیں شباب فتنہ ساماں کی
نہ دے باد صبا! تکلیف گل گشتِ گلستاں کی
کہ صورت ہے ہر اک گل میں دہان زخم خنداں کی
میں وہ تصویرِ حسرت ہوں شکستِ رنگ ارماں کی
کہ مہندی ہے نہ ہاتھوں میں نہ سرخی لب پہ پاں کی
گئے وہ دن کمند شوق تھے جب دوش پر گیسو
درازی آہ! اب زلفوں میں ہے شب ہائے ہجراں کی
یہ ہے کس کا سوم باد صبا! یہ کس کے پھولوں سے
لپٹ کر رو رہی ہیں خون کلیاں میرے داماں کی
نہ رکھا پیرہن میں تار باقی دست وحشت نے
الٰہی! شرم تیرے ہاتھ ہے اس جسم عریاں کی
دماغ عرض شرم آرزو ہے چارہ گر کس کو
بگڑتا کیوں ہے منت کش نہیں میں تجھ سے درماں کی
پرائے جی کی وہ جانے کہ بپتا ہو پڑی جس پر
کسی کو کیا خبر ہو آہ! میرے درد پنہاں کی
مرے درد نہاں کو آہ! تو بیدرد کیا جانے

گزرتی ہے جو مجھ دکھیا پہ وہ تیری بلا جانے
نشاط افروز شادی تو ہے منعم بزم عشرت میں
بسر ہوتی ہے تیری شاہد و مطرب کی صحبت میں
حمائل ہاتھ تیرے گردن مینامیں ہیں شب کو
کہ مست بےخودی ہے ذوق صہبائے مسرت میں
کسی گل پیرہن سے شب کو پہلو گرم ہے تیرا
بہار صبح جنت کا ہے جلوہ شام خلوت میں
گزرتے ہیں ترے دن لطف سے یاروں کے جلسوں میں
بسر ہوتی ہیں راتیں تیری خواب استراحت میں
سمجھتا ہے مال زندگی تو عیش دنیا کو
کبھی ہے فکر ساماں میں کبھی ہے حرص دولت میں
خبر کیا، تجھ کو او دلدادۂ ذوق تن آسانی
کہ کٹتے ہیں کسی بے کس کے دن کیوں کر مصیبت میں
اثر ہو تجھ کو کیا بیدرد مجھ دکھیا کے نالوں کا
نہ دل سوزی ہے فطرت میں نہ غم خواری ہے طبیعت میں
کسی بے کس کا تو او بوالہوس! ڈھانکے گا کیا پردہ
توقع چارۂ درد نہاں کی کیا کرے کوئی
کہ ہمدردی نہیں جائز ہے ظالم! تیری ملت میں
کہ ہیں تیری نگاہیں رخنہ گر دامان عصمت میں
کہاں کی پردہ داری، پاس ناموس وفا کیسا
توقع قوم ہی سے اٹھ گئی یارب! گلا کیسا

بھونرے کی بے قراری

نہ وہ کیتکی کی پھبن رہی، نہ وہ موتیا کی ادا رہی
نہ وہ نسترن نہ سمن رہی، نہ وہ گل رہے نہ فضا رہی
نہ گلوں کے اب ہیں وہ قہقہے، نہ وہ بلبلوں کے ہیں چہچہے
نہ غزل سرا وہ لوے رہے، نہ وہ قمریوں کی صدا رہی
نہ وہ سرو ہے نہ وہ آب جو، نہ وہ ہم صفیر ہیں خوش گلو
نہ بنفشہ ہے نہ وہ ناز بو، نہ وہ جعفری نہ حنا رہی
نہ وہ صبح کی ہیں تجلیاں، نہ شفق کی آہ! وہ جھلکیاں
نہ وہ اودی اودی ہیں بدلیاں، نہ وہ بھینی بھینی ہوا رہی
نہ امنگیں ہیں وہ شباب کی، نہ وہ پتیاں ہیں گلاب کی
نہ ہوا میں بو ہے شراب کی، مجھے مست تھی جو بنا رہی
وہ کنول غضب کے تھے دل رُبا، جہاں اُڑتے تھے مرے ہم نوا
مگر اب نہ ان کی ہے وہ ادا، نہ وہ بو رہی نہ صفا رہی
لب آب جو تھی فضا غضب، وہ بہار کی تھی ہوا عجب
مرے کُنج میں مجھے روز و شب، مئے بے خودی تھی پلا رہی
وہ غضب کی کوکو وہ زمزمہ، وہ سریلی درد بھری صدا
سرِ شام سرو پہ فاختہ، مجھے لوریاں تھی سنا رہی

ہیں کنول کی خشک جو پتیاں مری خواب گہ تھی کبھی یہاں
یہیں شب کو دے دے کے تھپکیاں تھی نسیم مجھ کو سلا رہی
نہ گلوں میں بوئے وفا رہی، نہ وہ دلربا سی ادا رہی
نہ چمن رہا فضا رہی نہ وہ دن رہے نہ ہوا رہی
نہ روش ہے اب وہ سپہر کی، نہ گلوں میں بو ہے وہ مہر کی
کہ ہوا ہے گلشن دہر کی، مجھے سبز باغ دکھا رہی

□□□

فریاد آدم

ہے ہے کدھر گئی وہ نسیم بہار خلد
وہ جوش گل ہے آہ! نہ وہ سبزہ زار خلد
دل کش ادا تھی جن کی وہ کلیاں کدھر گئیں
وہ پھول کیا ہوئے، تھے جو آئینہ دار خلد
خون ہو کے دل کہیں مری آنکھوں سے بہہ نہ جائے
مجھ کو لہو رلا نہ غم انتظار خلد
الجھا ہوا ہے کانٹوں میں دامانِ شوق اب
دامن میں یا کبھی تھے گلِ نو بہار خلد
پہلو بدل رہا ہے اب آغوشِ دہر میں
وہ دل جو آہ ! تھا کبھی زیب کنار خلد

حد اضطراب شوق کی کم بخت ہو چکی
پہلو میں اب تڑپ نہ دل بے قرار خلد
اے مہر و ماہ اے سحرو شام آرزو
دو دن کو پھیر دو مجھے لیل نہار خلد
وہ دن خدا کرے، لب کوثر پھر ایک بار
بھر کر پیوں میں جام مئے خوش گوار خلد
مجھ کو مئے طہور ملے ساقی ازل
آنکھوں میں میری ہے ابھی باقی خمار خلد
پائے طلب شکستہ ہوں میں کوئے شوق میں
ہوں منزل جہاں میں غریب الدیار خلد
مجھ پر کرم کہ بندۂ عاصی ہوں اے کریم!
میں درد مند خلد ہوں میں بے قرار خلد
مرغ اسیر ہوں مجھے میرا چمن ملے
بچھڑا ہوا وطن سے ہوں مجھ کو وطن ملے
میں خوش بہشت میں مرے پرور دگار تھا
دنیا کی فکر تھی نہ غم روز گار تھا
پابند تھا نہ قید علائق میں میں غریب
بیڑی نہ کوئی پاؤں میں تھی رستگار تھا
محفوظ تھا قضا سے میں، کیسا غم فنا
نا آشنائے ہستی ناپائدار تھا

ناکام آرزو تھا نہ اس غم کدے میں میں
تسکین تھی جان زار کو دل کو قرار تھا
واقف نہ تھا جہاں کے سپید و سیاہ سے
لب پر نہ میرے شکوۂ لیل ونہار تھا
ہے ہے کدھر گیا وہ مرا کنج دل نشیں
میں آہ! جس میں زمزمہ سنج بہار تھا
تھا موج بوئے گل سے معطر مرا مشام
ایک ایک پھول نافۂ مشک تتار تھا
ہر سو ترانہ سنج تھے مرغان خوشنوا
اک طائروں کا شور سرشاخسار تھا
دل کو لگی ہوا بھی نہ تھی باغ دہر کی
کانٹا نہ کوئی میرے کلیجے کے پار تھا
آنکھوں میں بس رہی تھی کچھ ایسی بہار خلد
دم بھر فراق اس کا مجھے ناگوار تھا
دنیا میں آکے مجھ پہ حقیقت یہ کھل گئی
غم آہ! میرے عیش کا پایان کار تھا
اب میں ہوں آہ! اور غم ایام آرزو
پتلا ہوں بے کسی کا میں ناکام آرزو

+++

نوروز

نسیم لائی ہے نوروز کا پیام نشاط
چمن میں پھر نئے سر سے ہے اہتمام نشاط
ترانہ ریز ہیں شاخوں پہ طائرانِ چمن
چٹک کے دیتے ہیں غنچے صلائے عالم نشاط
شراب ذوق ترنم سے مست ہے قمری
چمن میں سرو ہے مینائے سبز فام نشاط
نگاہ شوق کو بے خود بنا رہی ہے بہار
گلوں کے بادۂ شبنم سے بھر کے جام نشاط
کنارِ جو نہیں ابرِ بہار کا دامن
ہوا کے دوش پہ پھیلا ہوا ہے دام نشاط
نسیم پھرتی ہے صحنِ چمن میں اترائی
شمیم گل سے ہے مہکا ہوا مشام نشاط
سوار نکہت گل ہے ہوا کے گھوڑے پر
کدا رہی ہے سمند سبک خرام نشاط
بیاض روئے سمن ہے کہ جوش صبح بہار
سواد گیسوئے سنبل ہے یا ہے شام نشاط
بھری ہوئی ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
عجب نہیں کہ رگ گل ہو خط جام نشاط
فلک پہ کہتا ہے بادہ کشوں سے یہ خورشید

شراب ناب صبوحی سے بھر کے جام نشاط
پیو! پیو کہ کہاں پھر ترانۂ نوروز
صدائے عیش کہاں، پھر کہاں پیام نشاط
ٹپک رہی ہے نگاہوں سے مستیِ نوروز
مسوں کی آنکھ کی گردش ہے دور جام نشاط
ہر اک چمن ہے طلسم نگار خانۂ عیش
ہر ایک گل میں ہے رنگِ مئے دوام نشاط
فلک پہ شاہد خورشید ہے صبوحی کش
زمیں پہ پنجۂ رعنائے گل ہے جام نشاط
لنڈھا رہا ہے خُمِ عیش ساقیِ گردوں
خوشا! نوید مسرت، خوشا، پیام نشاط
ترے کرم سے ہیں محروم اک ہمیں ساقی
ہمیں ہیں اک تری محفل میں تشنہ کام نشاط
نگاہ مہر تری اک فقط ہمیں پہ نہیں
وگرنہ کس پہ نہیں تیرا لطفِ عام نشاط
تمام سال پیا ہو جنھوں نے خون جگر
وہ غم نصیب پئیں بھر کے خاک جام نشاط
نصیب میں ہو غم قحط جن غریبوں کے
اڑائیں چاپ دشمن کیا وہ تلخ کام نشاط
ازل سے تھا جو مقدر میں اپنے جرعۂ غم
ہمارا خون تھا شرب مئے دوام نشاط
ہوائے گل کا قفس میں دماغ ہے کس کو

سنا نہ ہم کو نسیمِ سحر پیام نشاط
جلا رہا ہے زمانہ وہ غم نصیب ہیں ہم
ہمارے خونِ جگر سے چراغِ شام نشاط
دکھائے ہم کو تمنا نے سبز باغ بہت
لیے فلک نے بہت ہم سے انتقام نشاط
تیری امید پہ مر مر کے آہ! ہم رنجور
جے تو خاک جئے او! خیالِ خام نشاط
الم نصیب ہے تو قوم! یہ کہاں امید
ترا انتظامِ معیشت بنے نظامِ نشاط
وہ دن بھی ہوں گے کہ خورشید خاور نورز
سپہر قوم پہ چمکے گا بن کے جام نشاط

□□□

سارس کا جوڑا

او بدنصیب سارس! جوڑا کہاں ہے تیرا | کیوں آہ! شام کو تو لیتا نہیں بسیرا
یہ دردناک چیخیں تیری یہ گھپ اندھیرا | کیوں اڑ کے کر رہا ہے تو آسماں کا پھیرا
پھرتا کشاں کشاں ہے تو کس کی جستجو میں
تصویر کس کی پھرتی ہے چشمِ آرزو میں

یہ کس کا کر رہا ہے غم بے قرار تجھ کو　　پاتا ہوں آہ! ہر شب میں سوگوار تجھ کو
دل پر نہیں ہے اپنے کیوں اختیار تجھ کو　　میں جانتا ہوں جس کا ہے انتظار تجھ کو

جوڑا بچھڑ گیا ہے او غم نصیب ! تیرا
خلد بریں میں یعنی اب ہے حبیب تیرا

پھرتا ہے سر پٹکتا کیوں کوہسار میں تو　　بھرتا ہے ٹھنڈی سانسیں کیوں سبزہ زار میں تو
دل گیر آہ! کیوں ہے جوش بہار میں تو　　کیوں کر رہا ہے نالے شب ہائے تار میں تو

دنیا میں غیر ممکن ہے اب وصال اس کا
ناداں محو کر دے دل سے خیال اس کا

کب تک صدائے پیہم یہ نالہ و فغاں کی　　آخر ہے انتہا بھی تیرے غم نہاں کی
چوٹیں جگر پہ کب تک اندوہ جانستاں کی　　فریاد آہ! سن لے مجھ زار و خستہ جاں کی

تیری طرح ہوں میں بھی فرقت نصیب میں بھی
کھوئے ہوئے ہوں یعنی اپنا حبیب میں بھی

جس طرح آہ! تجھ کو جوڑا ہے اپنا پیارا　　مجھ کو بھی درد فرقت یوں ہی نہیں گوارا
راتوں کو جس طرح تو پھرتا ہے مارا مارا　　میں نے بھی چھان ڈالا یوں ہی جہان سارا

باغ جہاں میں لیکن اس گل کی بو نہ پائی
لہجہ جدا جدا تھا وہ گفتگو نہ پائی

جس طرح لوٹتا ہے تو درد جانستاں سے　　ہوں بے قرار میں بھی یوں ہی غم نہاں سے
حسرت ٹپک رہی ہے دونوں کی داستاں سے　　دونوں کے یار دلبر رخصت ہوئے جہاں سے

راہی ہوئے عدم کو دونوں کے یار جانی
چھیڑوں میں قصۂ غم، تو ہجر کی کہانی

کب تک یہ سینہ کوبی کب تک یہ جوش ماتم　　کب تک یہ شورِ نالہ کب تک یہ آہِ پیہم
نظروں میں بے کسی کا کب تک یہ آہ! عالم　　چپ چاپ شامِ غم میں آ! ال کے توڑ دیں دم
دار المحن ہے دنیا، دونوں الم سے چھوٹیں
خوش خوش جہاں سے جائیں فرقت کے غم سے چھوٹیں
خلدِ بریں میں اپنے جوڑے سے جا ملے تو　　اور ہو نصیب مجھ کو، میرا نگار خوش خو
دونوں کے زیب بر ہوں دونوں کے یار دل جو　　ہوں روضۂ جناں میں دونوں کے گرم پہلو
تو سبزہ زار میں ہو، میں کنجِ دل نشیں میں
حسرت نہ عیش دنیا کی ہو دلِ حزیں میں

❑❑❑

بلبل اور میں

او چیخ کر قفس میں فریاد کرنے والے　　او ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں راتوں کو بھرنے والے
او حسرت چمن میں جی سے گزرنے والے　　او عندلیب شیدا! پھولوں پہ مرنے والے
حسرت نصیب ہے تو، میں درد آشنا ہوں
پنجرے میں قید تو، میں زنداں میں مبتلا ہوں

نالے فراقِ گل میں تیری زبان پر ہیں　　صدمے مفارقت کے ننھی سی جان پر ہیں
تو ہے اسیر طفلی، اور دھان پان پر ہیں　　زنداں میں سو جفائیں مجھ ناتوان پر ہیں

پابند قید غم ہیں اک سلسلے میں دونوں
فریاد ہیں جرس کی اک قافلے میں دونوں

پتلا میں غم کا ہوں تو تصویر ہے محن کی　　ارماں مجھے وطن کا حسرت تجھے چمن کی
حسرت بھری صدا ہے مجھ زار و خستہ تن کی　　لے غم فزا ہے تیری فریاد جاں شکن کی

قید جفا میں تو، میں زنداں میں مہماں ہوں
تو نالہ کوش ہے میں منت کش فغاں ہوں

پنجرے میں آہ! تو ہے سرگرم نوحہ خوانی　　جھڑتے شرر ہیں منہ سے افسردی تپ نہانی
زنداں میں تلخ میری ہے آہ! زندگانی　　زنجیر کی صدا ہے اور غم کی ہے کہانی

مجبور آہ! تو ہے مرغان نغمہ خواں سے
اور میں بچھڑ گیا ہوں یاران خوش بیاں سے

محوِ خیال گل تو میں محوِ دوستاں ہوں　　فرقت نصیب تو میں بے یار و خانماں ہوں
تو مرغِ خستہ جاں ہے میں زار و ناتواں ہوں　　تو آہ مشتِ پر ہے، میں مشت استخواں ہوں

بے چین کر رہی ہے خواہش تجھے چمن کی
اور خوں رلا رہی ہے حسرت مجھے وطن کی

کب تک زباں پہ شکوے صیاد و آسماں کے　　کب تک جگر پہ چر کے تیغ غم نہاں کے
پتلے دل و جگر ہیں پہلو میں سوز جاں کے　　شعلے بھڑک رہے ہیں آہِ شرر فشاں کے

دونوں کو پھونک دے ہاں! موج شرار ہستی
قید جفا میں آخر کب تک فشار ہستی

زنداں میں آبنی ہے دونوں کی آہ! جاں پر خستہ ہیں پاؤں میرے اور تیرے ناتواں پر
فریاد شامِ غم میں دونوں کی ہے زباں پر پھینکیں کمند نالہ آ۔ مل کے آسماں پر
زندانیوں پہ شاید کچھ لطف کی نظر ہو
حداد کو خبر ہو، صیاد پر اثر ہو
حُبّ وطن کے نغمے، گائیں میں پھر وطن میں چھیڑوں نئے ترانے یاروں کی انجمن میں
اک عمر آہ! گزری قیدِ غم و محن میں آزاد میں وطن میں تو شاد ہو چمن میں
محو ثنائے گل ہو تو شاخِ آشیاں پر
ہوں الفت وطن کے نغمے مری زباں پر

❑❑❑

آنے والی گھڑی

ہے نشاط افزا عجب تو آنے والی او گھڑی!
تو نہیں دلچسپیوں سے آہ! خالی او گھڑی!
کتنی امیدیں ترے دامن کی ہیں پالی ہوئی
گود تیری آہ! ارمانوں سے کب خالی ہوئی
بے کسی میں ہے غریبوں کا سہارا آہ! تو
یاس میں ہے غم نصیبوں کا سہارا آہ! تو

رہبر کوئے تمنا ہے مگر تیرا عصا
ہر شکستہ پا کے ہے تو ہاتھ کا گویا عصا

□□□

تو وہ نقشِ دل نشیں ہے آنے والی او گھڑی
وہ طلسمی دور بیں ہے آنے والی او گھڑی
جس میں ارمانوں کی ہر سو جلوہ گر ہیں صورتیں
تیرے البم میں عجب پیشِ نظر ہیں صورتیں
درد فرقت کا ستایا عاشق حرماں نصیب
کروٹیں شب بھر ہے بستر پر بدلتا جو غریب
ڈالتا ہے آہ! جب تیرے مرقعے پر نظر
اپنی معشوقہ کو اس میں دیکھتا ہے جلوہ گر
اور بیٹے کی تمنا ہے جسے وہ باپ آہ!
دیکھتا ہے اپنا جیتا جاگتا نورِ نگاہ
اور وہ ماتم نشیں، مایوس بیوہ غم نصیب
ہے غمِ شوہر میں ناکام تمنا جو غریب
یاس کے عالم میں بھی ہے اپنے دل میں شادماں
ہیں ترے صورت کدے میں کچھ عجب دلچسپیاں
روٹیوں کو آہ! وہ محتاج فاقہ کش یتیم
شب جو کرتا ہے بسر جاڑوں میں بے دلق و گلیم
آئینہ خانے میں تیرے بے کسوں کی غم گسار!

دیکھتا ہے چہرۂ امید کے نقش و نگار
گوشہ گیر کنج عزلت آہ! وہ خانہ نشیں
جس نے باہر گھر کی چوکھٹ سے قدم رکھا نہیں
دیکھتا ہے تجھ میں گھر بیٹھے ہوئے دنیا نئی
ہے تری بزم تماشا بھی تحیرزا نئی
وہ اسیرِ وادیِ غربت، وہ ناکام وطن
گوشِ حسرت جس کے ہیں مشتاق پیغام وطن
جس کو ہیں گھیرے ہوئے رنج ومحن کی صورتیں
دیکھتا ہے تجھ میں یاران وطن کی صورتیں
تو تمناؤں کی محفل ہے وہ قصہ مختصر
جس میں امیدوں کا جلوہ سب کو آتا ہے نظر

❑❑❑

آنے والی او گھڑی! او مایہ صبرو شکیب
محفلِ ہستی میں ہے تو اک طلسم دل فریب
تیرے دامن کی ہے اک اک آرزو بزم نشاط
آنے والی آرزوں کی ہے تو بزم نشاط
آہ! اک دلکش تمناؤں کی دنیا تجھ میں ہے
تو وہ محفل ہے کہ اس طرفہ تماشا تجھ میں ہے
سیکڑوں ارمان وابستہ ترے دامن سے ہیں
پھول امیدوں کے چنتے ہم ترے گلشن سے ہیں

دل پہ جب ہوتی ہے طاری کثرت افکارِ غم
نا امیدی بن کے چھاجاتے ہیں جب آثار غم
تو اٹھا دیتی ہے چہرے سے مسرت کی نقاب
دیکھتے ہیں شامِ غم میں آہ! ہم خوشیوں کے خواب

❑❑❑

باندھتے رہتے ہیں اپنے دل میں منصوبے جو ہم
محو ہو جاتے ہیں سب آتے ہی تیرے یک قلم
اپنے دل سے ہم اگر چہ عہد و پیاں کرتے ہیں
یہ کریں گے،، پیشتر سے فکرِ ساماں کرتے ہیں
تیری صورت دیکھتے ہی ہم مگر اے غم گسار!
محو کردیتے ہیں دل سے آہ! سب قول وقرار
جیسے کردیتے ہیں ہم ''موجودہ گھڑیاں'' رائے گاں
یوں ہی کھودیتے ہیں غفلت میں تجھے اے جان جاں

❑❑❑

سچ بتا کیا تو ہے وہ ناظورۂ نازآفریں
روح فرسا جس کے ہیں نقش و نگارِ دل نشیں
وہ پری کیا تو ہے ؟جس کا وصل ہوتے ہی نصیب
گھٹ کے مرجاتے ہیں دل میں آہ! سب ارمان غریب

جانستاں کب چشم پُرفن کا ترے جادو نہیں
وصل میں بھی آہ ! تو آسائش پہلو نہیں
تو نے دی تسکین ظالم! کب کسی ناکام کو
ساتھ لے کر کب نہ آئی مجمع آلام کو

□□□

تیری صورت سے اگر چہ دل فریبی ہے عیاں
تجھ میں جلوہ آہ! سچی کامیابی کا کہاں
کھینچتی تیری ادا ہے گرچہ دامان نظر
حسن میں تیرے خیالی ہیں کرشمے جلوہ گر
سامنے ہے یہ جو ''آئندہ'' کی دل کش سر زمیں
اس پہ کیسی کیسی تعمیریں تھیں قائم ہم نے کیں
کیسے کیسے اس پہ لگوائے تھے باغ خوش نما
دید کے قابل تھی جن کے لالہ وگل کی فضا
تیرے دامن تک پہنچتے ہی مگر دست مراد
ہوگئی شہر خموشاں اپنی بزم خوش سواد
ایسا نقصانِ عظیم ایسا ضرر ایسا زیاں
قلب نازک کے لیے کیوں کر نہ ہو سوہان جاں

□□□

اک فسونِ تازہ ہے تو آنے والی او گھڑی
عیش کا خمیازہ ہے تو آنے والی او گھڑی

جتنی آئندہ کی حالت میں ہے تو غم خوار غم
اتنی ہی موجودگی میں دل میں ہے دیوار غم
کاش تو آتی نہ ظالم، غم نصیبوں کے قریب
تکتے رہتے راہ تیری عمر بھر فرقت نصیب
آہ! اے عمر رواں کے ابلق لیل ونہار
کاش ! ہوتا اک جگہ پر تیری گاڑی کو قرار
اور کرکے حال موجودہ سے ہم قطع نظر
جس میں لاکھوں زحمتیں ہیں اور ہزاروں ہیں ضرر
دیکھتے رہتے ہمیشہ یوں ہی امیدوں کے خواب
آرزوؤں کے نہ غم میں ، دل کو ہوتا پیچ و تاب

□□□

موسم گرما کا آخری گلاب

یہ آخری گلاب کا ہے یاد گار پھول
اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن میں ہے
بے کس، غریب، فرقتِ احباب میں ملول
دھندلا سا اک چراغ سحر انجمن میں ہے

❖❖❖

ہے کوئی غم گسار، نہ ہم دم کوئی قریں
بچپن کے آشنا ہیں نہ وہ خاندان کے پھول

رخصت ہوئے چمن سے رفیقانِ ہم نشیں
بکھرے پڑے ہیں خاک پہ اب گلستاں کے پھول

❖❖❖

ننھی سی کوئی آہ! کلی بھی نہیں قریب
ڈالے جو عکس پھول سے رخ کا غریب پر
کچھ دردِ دل کا حال کہے جس سے غم نصیب
جو اس کی آہ سرد کو سن کر ہو نوحہ گر

❖❖❖

مُرجھانے دوں گا تجھ کو میں تنہا نہ شاخ پر
ڈر ہے۔ نہ کُنج میں تری مٹی خراب ہو
احباب سو رہے ہیں جہاں تیرے بے خبر
جا تو بھی ان کے ساتھ ہم آغوشِ خواب ہو

❖❖❖

کب تک زباں پہ فرقتِ احباب کا گلا
اب تیری چِتاں میں بچھاتا ہوں خاک پر
ہیں محوِ خوابِ مرگ جہاں تیرے آشنا
تجھ کو بھی ان کے ساتھ سلاتا ہوں خاک پر
رختِ سفر اٹھاؤں گا میں بھی جہاں سے جلد
احباب مجھ سے جب مرے، ہو جائیں گے جدا

چھوٹوں گا مر کے ہجر کے دردِ نہاں سے جلد
تنہا کوئی جہاں میں جیا بھی تو کیا جیا

❖❖❖

کیا لے کے کوئی آہ! کرے عمر جاوداں
سلکِ وفا میں جب نہ رہے دُرِّ آبدار
یارانِ رفتہ کا ہے زیارت کدہ جہاں
میری بھی بے کسی کا بنے گا وہیں مزار

❖❖❖

جب اٹھ گئے جہاں سے یاران زندہ دل
جی کر غمِ فراق کے صدمے سہے گا کون
کڑیاں تری اٹھانے کو اے دردِ جاں گسل
اس غم کدے میں آہ! اکیلا رہے گا کون

❖❖❖

خاتمۂ ہستی

ہے خاتمہ کا بھی دل میں کبھی خیال آیا
تمھارے لب پہ بھی ہے یہ کبھی سوال آیا
یہ ماہ وسال یہ دن سب کا خاتمہ ہوگا
شباب و شیب کا سن سب کا خاتمہ ہوگا
نہ یادگار یہ راتیں رہیں گی بچپن کی
نہ پیاری پیاری یہ باتیں رہیں گی بچپن کی

بقا پذیر نہیں دہر میں وجود بشر
کہ خاتمہ ہے کسی دن مآل بود بشر
وہ چیز کیا ہے کہ جو خاتمہ پسند نہیں
اجل سے ہستی فانی کو کب گزند نہیں
ہماری عمر اگرچہ گراں بہا ہے مگر
یہ صید وہ ہے، جو تیر اجل کی ہے زد پر
یہ آفتاب کا شام و سحر طلوع و غروب
ہے دیکھنے میں بظاہر اگرچہ خوش اسلوب
کشاں کشاں لیے جاتا ہے ہم کو سوئے اجل
پہنچتے جاتے ہیں یعنی قریب کوئے اجل
یہ خاتمہ ہے وہ جس کی خبر نہیں ہم کو
قضا کب آئے گی اس کی خبر نہیں ہم کو
گمان یہ کبھی دل میں نہ بھول کر کرنا
کہ عمر ہے ہمیں کافی ابھی بسر کرنا
یہ ہے رکیک خیالی، یہ فہم کی تقصیر
نہیں ہے زیست میں گنجائش قلیل وکثیر
عجب نہیں ہے کہ سرمایہ زیست کا کھو جائے
چراغ عمر کا گل آج ہی کی شب ہو جائے
تنِ نحیف میں جاں کے لیے قرار کہاں
ثبات عرصۂ ہستی مستعار کہاں

سمندِ جہد کو سر گرم مدّعا رکھو
کہ کل پہ کام نہ تم آج کا اٹھا رکھو
ہو کل کو تم کہ نہ ہو، اعتبار کل کا نہیں
کہ وقت آہ! معین کوئی اجل کا نہیں

❖❖❖

ہم ایسے وقت پہ ہوں گے اجل کا آہ! شکار
سفر کو ہوں گے نہ دنیائے دوں سے جب تیار
بفرض ہم نے نہ کی ہے کوئی غلط کاری
نہیں ہے پھر بھی مکمل یہ آہ! تیاری
وہ کون ہے کہ جو اس خاتمہ کو ہے تیار
بتاؤ سچ ہمیں، ہم بھی سنیں تو آخر کار
بدن سے روح دم نزع جب جدا ہوگی
خبر ہے کس کو جو حالت پسِ فنا ہوگی
تہیۂ سفر عاقبت ضروری ہے
یہ وہ سفر ہے کہ کوسوں کی جس میں دوری ہے
عدم کو منزل ہستی سے جب گزر ہوگا
نہ راہبر کوئی ہوگا نہ ہم سفر ہوگا
خبر نہیں کہ پسِ مرگ میرا حال ہو کیا
سیاہ کار ہوں، بعد فنا مآل ہو کیا
بڑھا نہ میرے گناہوں کا طول عمرِ رواں

گناہ گار نہ کر، اے حصول عمر رواں
اجل سے مجھ کو نہ شرمندہ سخت جانی کر
سیاہ کار ہوں میں ختم عمر فانی کر
بہت قریب وہ دن ہیں کہ آہ! رب کریم
کھڑا حضور میں ہوں گا ترے بحال سقیم
پس فنا نہ قیامت میں مضحکہ ہو مرا
یہ التجا ہے کہ بالخیر خاتمہ ہو مرا

❖❖❖

وید مقدس کی روشنی

ہوا تیرے جلوے سے عالم منور
کہ چمکی ہمالہ کی تو چوٹیوں پر
وہ گنگا کی لہریں سہانی وہ کرنیں
وہ کہسار کا پُرفضا آہ! منظر
وہ نور سحر اور وہ تیری تجلی
وہ وادی وہ جھرنے وہ پانی کی چادر
وہ پھولوں کی خوشبو وہ کوئل کی کوکو
سریلی وہ تانیں پپیہے کے لب پر

وہ دل کش فضائیں وہ ٹھنڈی ہوائیں
وہ جھونکے کہ جن سے تھا جنگل معطر
عجب صبح کا وہ سہانا سماں تھا
کہ اتری تھی جب تو فلک سے زمیں پر
ہوئی بزم ہستی میں جب جلوہ آرا
تو دریا میں نور ازل کے نہا کر
سمجھ کر تجھے دیوتاؤں نے دیوی
پنہایا تجھے لاکے پھولوں کا زیور
وہ ذرّے جو تھے شب کی ظلمت میں پنہاں
زمیں پر چمکنے لگے بن کے اختر
زمیں پر جو نور ازل بن کے چمکی
کیے تونے استھان سارے منور
تری جوت پر یاگ میں جاکے چمکی
زیارت کدے بن گئے تیرے مندر
ادائیں تری لے گئیں صاف دل کو
پہن کر جو تو گیان کا نکلی زیور
اندھیری گپھائیں ہوئی تجھ سے روشن
کہ تو بن میں رشیوں کی چمکی جبیں پر
جو یونان میں بن کے تو شمع چمکی
بنی ماہ کامل عرب میں پہنچ کر

جو گم گشتہ اس دشت میں کارواں تھے
بنی تو شب تار میں ان کی رہبر
تجلی تری شرق سے غرب پہنچی
خوشا تیرا جلوہ خوشا تیرا منظر
ترے حسن کا خاص مرکز تھا بھارت
نگاہیں زمانے کی پڑتی تھیں جس پر
مگر اب کہاں آہ! اگلا زمانہ
نہ تو ہے نہ اب وہ ترا پہلا منظر
نہ وہ روشنی ہے نہ اب وہ چمک ہے
کہ چھائی ہوئی غم کی ظلمت ہے تجھ پر
بہت دن سے نظریں تجھے ڈھونڈتی ہیں
چمک جا ہمالہ کی پھر چوٹیوں پر

❖❖❖

ترانۂ وحدت

دل میں آنکھوں میں ترے حسن کی ہے جلوہ گری
یہ وہ شیشے ہیں کہ جن میں مئے وحدت ہے بھری
تو وہ خود بیں و خود آرا، کہ پس پردۂ ناز
محو آیئنۂ تمکیں ہے تری عشوہ گری

میں وہ سرگرم تحیر، کہ دم آرائش
تک رہی ہے ترا منہ میری پریشاں نظری
دین و دنیا کا رہا ہوش نہ مے خواروں کو
تری آنکھوں نے پلائی وہ مئے بے خبری
تجھ کو سینے سے میں کیوں کر نہ لگائے رکھوں
اس کے کوچے کی ہوا آتی ہے چاک جگری
محفل یار میں دل اور کوئی دم جلتا
ساتھ تونے نہ دیا آہ! چراغ سحری
او خود آرا تجھے انداز تغافل کی قسم
تو نے دیکھی ہے کبھی میری پریشاں نظری
اشک کہتے ہیں کہ پھیکا ہے ابھی رنگ وفا
المدد! المدد اے لخت خوں جگری
اس کے کوچے میں مری خاک کو کرنا برباد
آخری تجھ سے وصیت ہے نسیم سحری
دم نظارہ چھپا جاتا ہے آنکھوں سے کوئی
حسرت! اے مجمع اندوہ پریشاں نظری
دل بے تاب ہے جولانگہ صد برق تپش
رخصت! اے قافلۂ صبر و شکیب جگری
حسن پنہاں ہے چراغ تہ داماں ترا
برق بے پردہ ہے، پردے میں تری جلوہ گری

چشم تر نے یہ کیا خون خرابہ دل کا
نوکِ مژگاں پہ ہے اک قطرۂ خونِ جگری
دل ہے افسوں کدہ عالمِ نیرنگِ وفا
اسی شیشے میں ترے حسن کی ہے بند پری
دیکھے جاتے نہیں سوزن سے مرے زخمِ جگر
شق کلیجہ ہوا جاتا ہے دمِ بخیہ گری
یادگار اپنی تجھے کنجِ قفس میں دمِ مرگ
چھوڑے جاتے ہیں ہم اے حسرتِ بے بال و پری
تیرے دیوانے کے چھپتے نہیں اندازِ جنوں
صاف سینے سے نظر آتا ہے چاکِ جگری
اف! مری حسرتِ دیدار ہر آئینے میں
گلہِ دیدۂ جوہر ہے پریشاں نظری
بس یہی دو ہیں نشاں عشق کے بیماروں کے
کبھی لب خشک کبھی آنکھوں میں اشکوں کی تری
کنجِ تاریک لحد ہے ترے دم سے روشن
رکھے اللہ سلامت! تجھے داغِ جگری
شعبدے ہوتے تھے برپا نہ جہاں میں ہر روز
تری آنکھوں میں یہ پہلے تو نہ تھی فتنہ گری
تیری محفل میں مئے ناب ملے غیروں کو
میرے حصے میں جو آیا بھی تو خونِ جگری

اٹھ گیا دامن صحرا سے ترا دیوانہ
سر پٹکتی ہوئی اب پھرتی ہے شوریدہ سری
بزم ہستی سے سفر ہم بھی ہیں کرنے والے
ہم بھی لینے کو سنبھالا ہیں چراغ سحری
خشک آنسو مرے اے ضبط غم عشق نہ کر
انہیں چھینٹوں سے مری کشت تمنا ہے ہری
کوئی دن اور ہے اڑنے کی تمنا صیاد
خاک اڑائے گی کبھی حسرت بے بال و پری
میری جانب سے دم سرد یہ بھر کر کہنا
اس کے کوچے میں گزر ہو جو نسیم سحری
الٹی سانسیں ترا بیمار وفا لیتا ہے
تیری فرقت میں نہیں تاب شکیب جگری
شدت ضعف سے ہے گریہ پیہم دشوار
نام کو بھی نہیں آنکھوں میں اب اشکوں کی تری
نہ وہ فریاد کی طاقت ہے نہ یارائے فغاں
اب نہ وہ نالہ شب گیر نہ آہ سحری
نقش حسرت ہے سر بستر اندوہ وفا
اور ہے بالیں پہ قضا وقف غم نوحہ گری
تکتی ہے تیرے تصور میں دمِ بازپسیں
ہائے کس یاس سے منہ سب کا پریشاں نظری

اپنے بیمار محبت کی خبر لے اب تو
کہ ہے مہمان کوئی دم کا یہ چراغ سحری

❑❑❑

بیر بہوٹی

آہ! او ننھے سے کیڑے نازشِ صحرا ہے تو　　　دشت میں اک سرخ چھوٹا سا گلِ رعنا ہے تو
صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ تحیرزا ہے تو　　　شعلہ زار حسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہے تو
برقِ عالم سوز کی ننھی سی ہیکل ہے کوئی
آتشِ یاقوت کی چھوٹی سی مشعل ہے کوئی
کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا　　　سرخ ڈورا ہے کسی چشم فسوں پرواز کا
قطرۂ مضطر ہے خونِ کشتگانِ ناز کا　　　قلب خوں گشتہ ہے مژگاں پر کسی جانباز کا
یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
جام زریں میں ہے یا صہبائے احمر جلوہ گر
گل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن　　　خونِ عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیرِ حسن
یا عقیقِ سرخ کی چھوٹی سی ہے تعبیرِ حسن　　　نقشِ نیرنگِ فسوں ہے یا کوئی تصویرِ حسن
جلوۂ گل ہے فضائے وادیٔ پُر خار میں
سرخ تکمہ ہے قبائے سبزہ کہسار میں

محضرِ خونِ شہیداں ہے ترا دامان سرخ یا ہے خون کشتگان عشق کا عنوان سرخ
یا کسی کے ناوکِ پُر خوں کا ہے پیکان سرخ اشک گلگوں یا ہے زیب پنجۂ مژگان سرخ
رنگ آمیزی ہے قدرت کی تری تصویر میں
اک دل آویزی ہے قدرت کی تری تصویر میں

حسن میں تیرے ہے اے ناظورۂ ناز آفریں فندقِ پائے حسیناں کیا ادائے دل نشیں
جلوہ رخ سے ترے گلگوں ہے دامانِ زمیں بزم صحرا میں ہے تو جامِ شراب آتشیں
بادۂ گلگوں ترے چھوٹے سے پیمانے میں ہے
عالم نیرنگ افسوں تیرے میخانے میں ہے

وادیِ پُر خار میں اک مجمر سوزاں ہے تو دامن کہسار میں اک شعلہ عریاں ہے تو
کشت زار حسن میں اک دانہ مرجاں ہے تو یا کسی گلگوں قبا کا گوشہ داماں ہے تو
ناز ہے صحرا کو تیری شوخی رفتار پر
دوڑتا ہے خوں کا قطرہ سبزۂ کہسار پر

گل بداماں ہے کوئی دوشیزۂ کم سن مگر ہلکی پھلکی سرخ پھولوں کی ہے چادر دوش پر
وقف رعنائی ہے یا کوئی عروسِ سیمبر روئے زیبا پر ہے غازہ سرخ جوڑا زیب بر
لوٹتا ہے کوئی بسمل سبزۂ بیگانہ پر
یا مئے گلگوں کا قطرہ ہے لب پیمانہ پر

جلوۂ گل سے ہے رنگیں روئے زیبائے بہار نازنیں ہے یا کوئی محوِ تماشائے بہار
یا مئے گلرنگ سے گلگوں ہے مینائے بہار یا ہے آغشتہ بخون داغ سویدائے بہار
سبزۂ کہسار نے یا لعل ہے اگلا کوئی
جن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

سودائے عشق

مئے سوز عاشقی کا، جو نصیب جام ہوتا میں سحر کو بھی نہ بجھتا، وہ چراغ شام ہوتا
وہ جگر کا داغ بنتا دم حشر بھی نہ مٹتا دل و جاں کو پھونک دیتا، وہ تپ دوام ہوتا
نہ میں بجھنے والا شعلہ، نہ شرار خام ہوتا

شب غم میں بن کے ٹپکوں کسی چشم تر سے آنسو میں بنوں سحر کا تارا نہیں مجھ کو یہ گوارا
شب تار میں چمکتا نہ ہوا پہ بن کے جگنو جو فروغ عشق دیتا مجھے چرخ فتنہ آرا
میں جگر پہ داغ کھا کھا کے مہ تمام ہوتا

کسی مہ لقا کے غم میں دم سرد شب کو بھرتا کسی انجمن میں بنتا میں سرود عاشقانہ
کبھی سر پہ خاک اڑاتا کبھی آہ و نالہ کرتا مری شورشوں کا ہوتا لب خلق پر فسانہ
مرے دشمنوں کو یارب غم ننگ و نام ہوتا

دل بے قرار ملتا جو مجھے مزا تپش کا مجھے کیا پڑی تھی سنت جو میں کرتا چارہ گری
جو زمانہ ذوق دیتا مجھے لذت خلش کا وہ جگر پہ چوٹ کھاتا کسی دشنۂ نظر کی
مرے زخموں کو نہ ہرگز کبھی التیام ہوتا

جو ازل میں آہ ملتا دل حق شناس مجھ کو نہ بتوں کا عشق ہوتا، نہ غم مجاز ہوتا
نہ قلق جفا کا ہوتا، نہ وفا کا پاس مجھ کو کسی چشم سرگیں کا نہ شہید ناز ہوتا
کسی زلف پر شکن میں نہ اسیر دام ہوتا

نہ کسی کی نوک مژگاں کی خلش جگر میں ہوتی نہ کمند شوق حلقے کسی زلف عنبریں کے
شب غم میں تیرہ دنیا نہ مری نظر میں ہوتی نہ زمانے بھر کے جھگڑے نہ بکھیڑے ہوتے دیں کے
مجھے تجھ سے کام ہوتا تجھے مجھ سے کام ہوتا

نہ چمن میں گل کا شیدا، نہ میں عندلیب ہوتا نہ فلک سے برق گرتی مری شاخ آشیاں پر
ترا داغ سوز الفت جو مجھے نصیب ہوتا میں شرار بن کے اڑتا شب غم میں آسماں پر
نہ ہلال عید بنتا نہ مہِ صیام ہوتا

تو جو بے حجاب ہوتا تو میں زار زار روتا کہ ازل سے حسن پنہاں کا ہوں تیرے آشنا میں
مجھے شرم دید آتی، کہ ہجوم خلق ہوتا تجھے رشک سے اٹھا کر نہ نگاہ دیکھتا میں
دمِ حشر تیری رویت کا جواذن عام ہوتا

پس پردہ ازل بھی ترے روشناس تھے ہم تجھے انجمن میں لایا ترا شوق خود نمائی
تیری رہ گزر میں ہوتی صف خلق یوں نہ برہم تری چال میں نہ ہوتی جو یہ شان دل ربائی
تو قدم قدم پہ اک دل نہ دمِ خرام ہوتا

کبھی جیتے جی نہ جاتا درِ بتکدہ سے اٹھ کر یہیں سر پٹکتا رہتا، یہیں سختیاں اٹھاتا
تیری جستجو میں پھر تا نہ بسان بادِ صرصر نہ طواف کعبہ کرتا، نہ حرم میں خاک اڑاتا
اگر ان بتوں پہ مرنا نہ مجھے حرام ہوتا

❑❑❑

ستی

اے ستی! اے جلوہ گاہِ شعلہ تنویر حسن
پاک دامانی کا نقشہ ہے تری تصویر حسن
یہ تنِ نازک ترا، یہ شعلہ ہائے آتشیں
یہ چتا کی آتشِ سوزاں، یہ جسم نازنین

صاعقہ ہے برق کا تیرے دل مضطر کی آگ
پھونک دیتی ہے تجھے سوزِ غم شوہر کی آگ
خاک ہو کر بھی ترے داغ جگر بجھتے نہیں
آہ! تیری راکھ کے برسوں شرر بجھتے نہیں
ہند کو ہے ناز تیری ہمتِ مردانہ پر
تو چراغ کشتہ ہے خاکستر پروانہ پر
آگ میں ہے تو سپند شوق جلنے کے لیے
شمع ماتم ہے شب غم میں پگھلنے کے لیے
گرمی ہنگامۂ محشر ترے محفل میں ہے
سرد جو ہوتی نہیں وہ آگ تیرے دل میں ہے
کب گوارا آہ ہے سوز غم شوہر تجھے
ہے ہر اک تارِ نفس اک شعلہ مضطر تجھے
اف ری شوہر کی چتا پر شعلہ افروزی تری
جیتے جی سوز محبت میں جگر سوزی تری
جاں گدازی کی ادا یہ شمع محفل میں کہاں
گرمی سوز وفا یہ شمع محفل میں کہاں
وہ چتا کی آتش جاں سوز ، وہ دود سیاہ
شوہر مردہ کا سروہ زانو نازک پہ آہ
آگ کے وہ ہائے شعلے، اور وہ مکھڑا چاند سا
لب پہ کم کم شوخی برقِ تبسم کی ادا

ہلکا پھلکا جسم نازک پر دو پٹہ سرخ سرخ
وصل روحانی کی شادی سے وہ چہرہ سرخ سرخ
عالم دودِ سیہ وہ زلف عنبر فام میں
دوڑنے والے وہ شعلے حلقہ ہائے دام میں
آتش سوزاں میں بھی وہ آہ شوہر کا خیال
اور وہ دل میں گرمی ہنگامۂ شوقِ وصال
جل کے سوز اضطراب شوق میں پروانہ وار
خلد میں شوہر سے ہونا اف! وہ خوش خوش ہم کنار
ڈال دینا وہ گلے میں جس کے باہیں پیار سے
دل لبھا لینا ادا سے شیوۂ گفتار سے
ہلکی ہلکی چاندنی کیفیت گل گشت باغ
وہ لب جو آہ! حسن و عشق کے دوش چراغ
تجھ پہ اے ناز آفریں شوہر پرستی ختم ہے
اک شرارِ آرزو میں تری ہستی ختم ہے

□□□

آہ! اے شمع محبت! نکتہ آموز وفا
ہے جگر سوزی تری کاشانہ افروز وفا
آہ! اے عفت کی دیوی! اے زیارت گاہ خلق
آہ! اے جانباز شوہر! اے عقیدت گاہ خلق

دیوتا کھاتے ہیں تری پاک بازی کی قسم
پاک دامانی کی، شانِ بے نیازی کی قسم
ایک میلہ سا لگا رہتا ترے مندر میں ہے
محوِ خوابِ جاں فزا تو پہلوِ شوہر میں ہے
یادگار سوز الفت ہیں غم شوہر کے داغ
جل رہے ہیں تیرے شوالے میں ہیں یا گھی کے چراغ
تیرے گنبد پر برستے آسماں سے پھول ہیں
اے ستی مصؤن ترے جور خزاں سے پھول ہیں

❖❖❖

ماریاسمین

آ! کلیجے سے لگا لوں تجھ کو ماریاسمیں
ہیں کسی گیسو کے خم تجھ میں کسی ابرو کی چین
یہ قیامت کی شکن اور یہ بلا کے پیچ و خم
آہ! کس کا فرادا کی تو ہے زلفِ عنبریں
ہے ترے حسن سیہ سے دل کو اک دل بستگی
قیس میں ہوں۔ آہ ! تو لیلیٰ محمل نشیں
مجھ کو وہ لذت ہے ملتی آہ! تیرے زہر میں
میں سمجھتا ہوں کہ ہے تیری زباں میں انگبیں

شب کو بابنی سے دلہن بن کر نکلتا یوں ہے تو
بال کھولے گھر سے نکلے جیسے کوئی مہ جبیں
گرمیوں میں جیسے صندل ہے حسینوں کو پسند
ڈھونڈھتا پھرتا ہے یوں ہی تو بھی شاخ صندلیں
پھن اٹھا کر آہ! مستی میں وہ لہرانا ترا
جیسے ہو جو بن کی متوالی کوئی ناز آفریں
سبزہ زاروں میں ہے شب کو اک عروس بے نقاب
دن کو بابنی میں ہے تو اک شاہد پردہ نشیں
او فسوں گر آہ! ہوں میں کشتۂ زلف دراز
مجھ کو ڈس لے تیرے ڈسنے کا مجھے شکوہ نہیں
تجھ سے میرے گیسوؤں والے کی ملتی ہے ادا
میری نظروں میں تو ہے تو سو حسینوں کا حسیں
او ستم گر! آہ! کب کالا سمجھتا ہوں تجھے
میں تو اپنا گیسوؤں والا سمجھتا ہوں تجھے
طولِ شب ہائے جدائی تو ہے یا زلفِ دراز
تجھ کو ظالم! اپنے قامت کی درازی پر ہے ناز
اک ادائے عشق بھی مضمر ہے تیرے حسن میں
تو وہ نیرنگ فسوں ہے آہ! او عشوہ طراز
مہ وشوں کی شام خلوت میں ہے تو زلف سیاہ
اور شب غم میں ہے دود نالہائے جاں گداز

کر دیے گل آہ! کتنے قلب سوزاں کے چراغ
تیری آنکھوں نے کئے کیا کیا دیہ فتنہ نہ باز
مرنے والے کیوں نہ جی اٹھیں تیری آواز میں
بین کے نغموں کی ہے ظالم! صدائے جاں نواز
پاؤں میں پڑتا جو میرے بن کے تو زنجیر عشق
اپنی زلفوں پر نہ ہوتا گیسوؤں والوں کو ناز
جب نظر آئے کسی گیسو میں تیرے پیچ و خم
مجھ پہ ظالم کھل گیا دل کی گرفتاری کا راز
ہوں اسیر زلف۔ ہاتھوں پر کھلاؤں آ! تجھے
میں نہیں ہوں شیوۂ رسم وفا سے بے نیاز
میری نظروں میں ہیں دونوں مار و گیسو آہ! ایک
دے نہ دھوکا آہ! مجھ کو تو نگاہ امتیاز
ٹوٹ بھی جا! اے طلسم دامِ ہستی ٹوٹ جا
اٹھ بھی جا آنکھوں سے تو اے پردۂ عشق مجاز
دوست دشمن میں رہے باقی نہ تھا مجھ کو تمیز
کھینچ دے تصویر یک رنگی دل آئینہ ساز
میں سمجھ کر تا کسی کافر کی زلفِ عنبریں
آستیں میں اپنی پالوں آہ! مار یاسمیں

❖❖❖

نور جہاں کا مزار

لیلیٰ شب نے جو رکھ دی کر کے تہ کالی قبا
صبح صادق نے دکھائی اپنے جلوے کی ضیا
بھینی بھینی وہ نسیم فرحت افزائے سحر
پیارے پیارے بیل بوٹے ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا
وہ سحر کا وقت وہ پھولوں کی بھینی بھینی بو
وہ لہک سبزہ کی وہ شبنم کے قطرے واہ وا
چومتی تھی پیار سے پھولوں کا منہ باد سحر
گود میں لے کر کھلاتی تھی شگوفوں کو ہوا
بازؤں کو تو ل کراب سوئے گلشن اڑ چلے
سر جھکائے گھونسلوں میں تھے جو مرغان ہوا
جس کو تکووں سے حسینوں کے جدا ہونا تھا شاق
خاک پر پھینکی گئی وہ رات کی باسی حنا
نور چھن چھن کر برستا تھا در ودیوار پر
ایک عالم تھا زمیں پر لمعہ انوار کا
کھل کھلا کر ہنس رہا تھا غنچۂ صبح بہار
پھرتی تھی گلشن میں اترائی ہوئی باد صبا

دیکھ کر یہ صبح کا دل کش سماں بے اختیار
اپنے بستر سے اٹھا اور جانب صحرا چلا
ٹھنڈی ٹھنڈی سبزۂ صحرا کی دلکش تھی لہک
بھینی بھینی بوئے گل میں تھی بسی باد صبا
لے گئی عبرت مجھے گورِ غریباں کی طرف
ٹوٹی پھوٹی تر بتیں دو تین دکھلا کر کہا
دیکھ تو یہ کس پری کا روضۂ انوار ہے
یہ جو آغوش لحد میں اک کرا ہے بنا
نور بن بن کر برستی ہے درودیوار سے
کس کے جلوے کی تجلی کس کے پرتو کی ضیا
کس کا شانہ صبح کو اٹھ کر ہلاتی ہے نسیم
گد گداتی ہے کسے آہستہ آہستہ صبا
سو رہی ہے کون رکھ کر بالش سیمیں پہ سر
محو خواب ناز ہے یہ کس کی چشم نیم وا
پڑگئی کس نازنیں کے حسن کے پھولوں پہ اوس
کس پری تمثال کا بوٹا سا قد کمھلا گیا
کس کے غم میں بھر رہی ہے ٹھنڈی سانسیں بادسرد
کس شیون کر رہے ہیں آہ مرغان ہوا
کس پری وش نازنیں کا عنبرافشاں ہے کفن
بھینی بھینی کس کے بالوں کی مہک سے ہے ہوا

منتشر ہیں کس پریشاں ناز نیں کے سر کے بال
کس کے رخساروں پہ ہے بکھری ہوئی زلفِ دوتا
اک حسیں کے خواب آسائش کا گہوارہ ہے یہ
میٹھی نیندیں سو رہی ہے اس میں اک شیریں ادا
روضۂ پرنور ہے،ایک حور جنت کا یہ آہ
اک پری کی خواب گاہ ناز ہے اے خود نما
سو رہی ہے اس میں اک ناظورۂ عابد فریب
محو آسائش یہاں ہے ۔ اک عروس مہ لقا
جلوہ گاہِ ناز ہے اک چاند کے ٹکڑے کی یہ
ہے یہ اک خاتون مہ تمثال کی خلوت سرا
اب کہاں وہ دل فریبی ہے نگاہِ ناز میں
خواب آلودہ بہت دن سے ہے چشم سرمہ سا
اب نہ وہ اعجاز ہے اس میں نہ وہ جاں پروری
اب تبسم سے نہیں ہوتے لب تر آشنا
گو نظر آتی نہیں اب وہ نگاہِ دل فریب
دید کے قابل مگر پھر بھی ہے آنکھوں کی حیا
اب وہ اعجاز تکلم کی کہاں ہیں شوخیاں
اب نزاکت سے نہیں ہوتے لب گل رنگ وا
قدموزوں میں کہاں اب حشر کی انکھیلیاں
چال اب کرتی نہیں ہے فتنۂ محشر بپا

حشراب توام نہیں ہے شوخی رفتار سے
گھنگھروؤں کی اب نہیں کانوں میں آتی ہے صدا
مارِ رہزنِ دل کے ڈس جانے کو اب گیسو نہیں
پھانسیاں دیتی نہیں عشاق کو زلفِ دوتا
حسن کے پھولوں میں اب وہ بھینی بھینی بو کہاں
گوشۂ مرقد میں ہے بوٹا سا قد نخلِ عزا
اب کہاں ہے عارضِ گل گو پہ گل گونے کا رنگ
دستِ نازک میں نہیں اب شوخیِ رنگِ حنا
حشراب اٹھتا نہیں ہے شوخیِ رفتار سے
قامتِ موزوں میں اب عالم ہے مدِّ آہ کا
سرمۂ تسخیر کے آنکھوں میں ڈورے اب نہیں
نرگسِ بیمار ہے برسوں سے چشمِ نیم وا
یوں اداسی چاند سے مکھڑے پہ ہے چھائی ہوئی
جیسے چہرہ ہو کسی بیمار کا اترا ہوا
ہر در و دیوار پر چھائی ہوئی ہے بے کسی
دھیمی دھیمی آرہی ہے کنجِ مرقد سے صدا
کون لایا کھینچ کر گورِ غریباں میں مجھے
کس نے سونپا خاک کو اے چرخِ دوں پتلا مرا
کیا ہوا وہ ہائے نازوں کا پلا بوٹا سا قد
چھا رہا تھا سر سے پا تک جس پہ عالم حسن کا

لب پہ ہے مہر خموشی میں ہوں او کنج مزار
اب نہ وہ موج تبسم ہے نہ ہنسنا بولنا
وہ جوانی کی اُمنگیں ہیں نہ وہ اٹکھیلیاں
اب نہال قد موزوں میں کہاں نشو ونما
کیا ہوئی وہ شوخی برقِ نگاہ دل فریب
کیا ہوئی وہ میری چشم سامری فن کی حیا
لمبیاں لیتے نہیں اب طرہ ہائے دل شکن
ایڑیوں تک بڑھ کے اب آتی نہیں زلفِ رسا
ایک دن وہ تھا مرے جلوے پہ غش تھا اک جہاں
یا یہ صورت ہے کہ اب کوئی نہیں ہے پوچھتا
چار آنسو کب بہائے تو نے اے شمع مزار
تجھ سے کب آئی جگر سوزی کی بو بعد فنا
کب ہوا بے تاب سبزہ میرے غم میں خاک پر
میرے ماتم میں زمیں کا کب کلیجہ شق ہوا
لے کے کب وہ پھول آئی تو لحد پر بعد مرگ
تو ہی بتلا دے مجھے اے جنبش باد صبا
میرے غم میں کب ہوئے مرغان گلشن نالہ کش
کان میں آئی نہ اب تک شور بلبل کی صدا
پوچھنے والوں نے اتنا بھی نہ پوچھا بعد مرگ
تجھ سے کیوں کر اٹھ سکا صدمہ فشارِ گور کا

جی ہے کیسا۔ کسنے پوچھی آہ مجھ سے اتنی بات
منہ نکل آیا ہے کیوں کب کہنے والوں نے کہا
تجھ سے بھی آئی نہ ہمدردی کی بو اے بے کسی!
تو نے چھاتی سے مری میت کو کب لپٹا لیا
کب جگایا مجھ کو خوابِ ناز سے وقتِ سحر
تونے شانہ کب ہلایا میرا اے باد صبا
تجھ کو ہے مشاطگی کا کیا سلیقہ اے نسیم
تونے شانہ کب مری زلف پریشاں میں کیا
میری مردہ ہڈیوں میں کس نے پھونکی روح آہ
عمر رفتہ نے دکھایا کب اثر اعجاز کا
کنج مرقد میں کیا کس نے مری میت کو پیار
کس نے لوٹا میرے جوبن کا مزا بعد فنا
کون آیا کاٹنے خوابِ عدم کی بیڑیاں
مدتوں کنج لحد میں میں نے سر ٹپکا تو کیا
میرے جیتے جی جدائی جن کو میری شاق تھی
چھوڑ کر مجھ کو اکیلا چل دیے وہ اقربا
ہاتھ اٹھا یا میں نے کیا دنیا سے ہنگام سفر
حسرت واندوہ کا چھاتی پہ پتھر رکھ لیا
یاس و حرماں کا مری بالین پہ تھا کیا کیا ہجوم
چھا رہا تھا جب مری آنکھوں میں عالم نزع کا

اقربا کا منہ وہ تکنا پیار کی نظروں سے ہائے
وہ نگاہِ یاس سے دیوار ودر کو دیکھنا
سسکیاں بھر کر وہ رہ جانا کلیجہ تھام کر
رو کے ہونا ہائے وہ اپنے پرائے سے جدا
یوں زبانِ حال سے کہتی تھی چشم سحر ساز
بند ہوکر اب نہ ہوں گی گوشۂ مرقد میں وا
اب نہ آئے گا نظر مجھ کو یہ قصرِ زر نگار
اب نہ دیکھوں گی میں یہ کاشانۂ نزہت فزا
مجھ سے چھٹتا ہے ہمیشہ کے لیے اورنگ وتاج
اب نہ آئے گی نظر ایوان شاہی کی ضیا
اب نہ دیکھوں گی میں دنیا کا طلسم دل فریب
اب نہ آئے گا نظر یہ جلوۂ حیرت فزا
خار حسرت ہورہی ہے وہ نگاہِ دل فریب
لوٹتی تھی جو کبھی پھولوں کے جوبن کا مزا
سیر کے قابل نہیں دنیا کا کوئی سین آہ!
ہے تماشا گاہ ہستی بھی عجب عبرت سرا
کون چن کر لے گیا دو پھول اس گلزار سے
چاردن کلیوں سے ہنس کر دل جو بہلایا تو کیا
مسند مرا حسرت سے تکتی تھی نگاہِ واپسیں
منہ چلی تھی نزع میں کچھ کچھ جو چشم نیم وا

آرہا تھا سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کر خیال
حسرتوں نے دل میں کر رکھا تھا ہنگامہ بپا
بے کسی کہتی تھی چھوڑا تو نے کس پر تخت و تاج
عقل سمجھاتی تھی کوئی جانشیں ہو تجھ کو کیا
کیسا اورنگ شہی کیسی شکوہ سلطنت
کیسا ایوان مرصع۔ کیسا قصر دل ربا
کیسی شان مملکت۔ کیسا جہانگیری کا خبط
چار دن فرماں روائی کی اگر تو نے تو کیا
کیسا جیغہ۔ کیسا طرہ کیسی کلغی۔ کیسا تاج
تخت شاہی پھر کہاں جب آ گئی سر پر قضا
لے گیا سر پر اٹھا کر افسر و اورنگ کون
چل بسے دار فنا سے سیکڑوں فرماں روا
وہ ملوک ہفت کشور۔ وہ شہ والا نژاد
جن کی نصرت کا الم لہرارہا تھا جابجا
کانپتے تھے جن کی سطوت سے زمین و آسماں
جن کی صورت دیکھ شیروں کا زہرہ آب تھا
جن کے در پر بج رہا تھا روز شب کوس ظفر
جن کے سر پر تھا جہاں‌داری کا سہرا سج رہا
ہاتھ آیا ہستی فانی سے کچھ بھی وقت مرگ؟
لے گئے دنیا سے کچھ بھی یاس و حسرت کے سوا

لے گیا کچھ بھی سکندر وقت رحلت اپنے ساتھ
ہاتھ خالی دونوں تھے دارِ فنا سے جب چلا
ہیں یہ سب دنیا کے جھگڑے ورنہ غافل بعد مرگ
کون آیا دیکھنے کو تخت زریں کیا ہوا
جب جہاں داری کا سہرا اُٹھ گیا سر سے ترے
تجھ کو کیا وارث ہو کوئی افسرو اورنگ کا
تجھ کو کیا اوشاہزادی اب کوئی ہو حکمراں
تجھ کو کیا تخت شہی پر ہو کوئی فرماں روا
اک کشاکش میں غرض تھی میری جان ناتواں
حسرت واندوہ کا تھا ایک ہنگامہ بپا
حرص کہتی تھی لیے چل افسر واورنگ ساتھ
اور یہ دولت کا تقاضا تھا نہ مجھ کو چھوڑنا
عقل یوں کرتی تھی رہ رہ کر نصیحت گستری
مال ودولت کون اس دارِ فنا سے لے گیا
کس کشاکش سے غرض آنکھوں سے نکلی جان زار
روح قالب سے ہوئی کس یاس سے مل کر جدا
یاد ہے اب تک مجھے ہو جیسے کل کی سرگزشت
نزع کے عا[illegible] کا وہ افسانۂ حیرت فزا
میں نے دیکھے بعد سے کیا کیا لحد تک انقلاب
اور ابھی یہ گردشِ دوراں دکھائے جانے کیا

میں یہ کب کہتی ہوں میں ہوں نازش نسل شہی
سایہ افگن چتر دولت سر پہ ہے لیکن رُہا
میرے نازوں کا ہے گہوارہ وہ دشتِ ہولناک
کچھ نظر آتا نہ تھا جس میں بگولوں کے سوا
باد صرصر منہ مسافر کا جھلستی تھی جہاں
چلنے دیتی تھی نہ رہرو کو سموم جاں گزا
اک شرارِ آتشیں تھا ریت کا ذرّہ تھا جو
یوں زمیں تپتی تھی ہوجاتا ہوا جیسے توا
پاؤں رکھنے کو نہ تھی کوئی اقامت کی جگہ
اور ٹھہرنے کو نہ تھی کوئی وہاں مہماں سرا
مجھ کو سونپا گور کو اس وادیِ پُر خار میں
مجھ کو پھینکا خاک پر ہو مہر مادر کا بُرا
جب کیا مجھ کو کلیجہ سے جدا ماں باپ نے
دوڑ کر چھاتی سے حسرت نے مجھے لپٹالیا
لمعہ افگن یوں مرے جلوہ کی ضو تھی دشت میں
جیسے ٹکڑا چاند کا کوئی زمیں پر ہو پڑا
جوش مادر تھا نہ آغوش پدر کا تھا پتہ
دشت گہوارہ تھا دایہ تھی سموم جاں گزا
بیکسی کا لوٹتا ہو جیسے پتلا خاک پر
چھا رہا تھا مجھ پہ یوں عالم سراسر یاس کا

آ گئی تھی بھوک سے ہونٹوں پہ ننھی سی جو جاں
رو رہی تھی چپکے چپکے میری بالیں پر قضا
سسکیاں بھر کر زمیں پر وہ بلکنا بار بار
بھوک کے مارے وہ ننھا سا انگوٹھا چوسنا
سر پٹکتی تھی مری بالیں پہ روکر بیکسی
کان میں آتی تھی یہ آہستہ آہستہ صدا
پھٹ گئی چھاتی نہ تیری ہائے مہر مادری
ننھے بچے کو کیا تونے کلیجہ سے جدا
پھینکتا ہے کوئی کانٹوں پر مسل کر یوں بھی پھول
خاک میں یوں بھی ملاتا ہے کوئی درِ صفا
رکھ لیا چھاتی پہ پتھر تونے بھی مہر پدر
تونے بھی پوچھا نہ یہ اس ننھی جاں کو کیا ہوا
بیکسی تکتی تھی منہ حیرت سے میرا بار بار
باپ کا سایہ نہ تھا سر پر نہ ماں کی مامتا
خاک کے اڑتے تھے صحرا میں بگولے ہر طرف
کچھ نظر آتا نہ تھا گرد یتیمی کے سوا
مہد راحت تھی زمیں گہوارہ جنباں آسماں
گود میں لے کر کھلاتی تھی سموم جاں گزا
میں ادھر روتی تھی قسمت مسکراتی تھی ادھر
ایک عالم تھا نگاہوں میں سحاب و برق کا

مسکرا کر مجھ سے کہتی تھی کہ آئی وہ ہنسی
تھی لب نازک پہ یہ آستہ آہستہ صدا
تاج شاہی میں جگہ دوں گی تجھے میں ایک دن
ملنے دوں گی خاک میں تجھ کو نہ اے درِ صفا
چترِ دولت گھومتا ہوگا ترے سر پر کبھی
ہوگی اورنگ شہی پر تو کبھی فرماں روا
لے چلوں گی کاخ دولت میں تجھے میں اپنے ساتھ
تجھ کو دکھلاؤں گی میں شاہوں کے قصر دل ربا
تجھ سے ایوان شہی ہوگا منور اے پری
کوندتی ہوگی کسی دن تیرے جلوہ کی ضیا
سج رہا ہوگا ترے سر پر جہانگیری کا تاج
تیرے دروازے پہ ہوگی کوس دولت کی صدا
فرش گل پر تجھ کو سونا ہے ابھی اے سیمبر
تجھ کو ہونا ہے ابھی شاہی حرم اے مہ لقا
تو نے دیکھا ہی ہے کیا اے ماہ سیما نازنیں
دودھ کی بو منہ سے آتی ہے ابھی نام خدا
اپنی آنکھوں میں جگہ دوں گی تجھے اے ماہ وش
تجھ کو نظروں سے گرایا مہر مادر نے تو کیا
مژدۂ جاں بخش یہ مجھ کو سنا کر پیار سے
میں جو روتی تھی تو دیتی تھی مجھے قسمت ہنسا

ناگہاں آیا نظر اک تاجروں کا کارواں
کارواں کیا تھا تھی یہ بھی ایک شان کبریا
میری قسمت نے اٹھا کر مجھ کو آخر ہاتھوں ہاتھ
کارواں سالار لشکر تک مجھے پہنچا دیا
چھٹ گیا غربت میں جب گہوارۂ دشتِ جنون
پھر تو پھولوں میں مرا بوٹا سا قد پلنے لگا
رفتہ رفتہ ہوگیا بوٹا سا قد سروِ رواں
اور ہی عالم نظر آیا نہالِ حسن کا
نخل قد میں پھر نکل آئے جوانی کے ثمر
ہوگیا پھر اور سے کچھ اور عالم حسن کا
ہرادائے دل ربا میں دل فریبی چھا گئی
ایک عالم تھا نظر میں لمعۂ انوار کا
اب نہ پڑنے دوں گی نامحرم کی میں تجھ پر نگاہ
اب نہ پردہ سے نکلنے دوں گی کہتی تھی حیا
چٹکیاں لیتی تھی رہ رہ کر جوانی کی اُمنگ
دل کا جو ارمان تھا پہلو میں تھا مچلا ہوا
وہ جوانی کی اُمنگیں اور وہ جوبن کا اُبھار
چھارہا تھا سر سے پا تک مجھ پہ عالم حسن کا
دل مسلنے کو چھلاوہ شوخی مشق خرام
کاٹ کرنے کو قیامت بُرِش تیغ ادا

پار ہونے کو جگر میں ہر نظر نوکِ سناں
۱ خونِ عاشق کو وہ ضد پر شوخیِ رنگِ حنا
مار رہزنِ دل کے ڈس جانے کو گیسوئے سیاہ
دونوں طومارِ قضا، دونوں بلا کے جاں گزا
آئینہ کو میرے رخ پر تابِ نظارہ نہ تھی
دو بدو ہو مجھ سے دیدہ آرسی کا کب یہ تھا
رہنمائی تھی جو قسمت کو مری مدِ نظر
رفتہ رفتہ قصرِ شاہی تک مجھے پہنچا دیا
جٹ الٹ دی قصرِ شہ میں میں نے چہرہ سے نقاب
اک پری آئی ہے اڑ کر قاف سے غل مچ گیا
ایک عالم لجۂ انوار کا تھا ہر طرف
قصرِ شاہی میں تھا ٹوٹا اک ستارہ نور کا
گوہرِ شہوار تھی لیکن تھی ناسفتہ ابھی
یعنی تھی نامِ خدا دوشیزۂ ناکتخدا
چولی دامن کا تعلق تھا جو منظورِ نظر
مجھ کو قسمت نے بنایا پھر عروسِ مہ لقا
رفتہ رفتہ کردیا پھر شہ نے میرا ازدواج
شیر افگن سے جو تھا بنگال کا فرماں روا
دونوں مہر و ماہ پھر ایک برج میں رہنے لگے
خوب لوٹا ہم نے اپنے اپنے جوبن کا مزا

یاد ہے اب تک مجھے وہ لطف شب ہائے وصال
ایک ہنگامہ تھا خلوت میں حجاب وشوق کا
بے حجابی کی جو ضد تھی شوق دامن گیر کو
پر وہ داری میری رکھ لینا یہ کہتی تھی حیا
واں کسی کے دست نازک ہالۂ آغوش شوق
یاں خم گردن میں اک عالم ہلال عید کا
شوق دامن گیر کا گھونگٹ الٹ کر بار بار
مجھ سے کہنا وضع داری کی پڑی ہے تجھ کو کیا
وہ حیا کا امتحاں اور شوق کی وہ بے خودی
یاد ہے اب تک جوانی کی وہ راتوں کا مزا
رخ سے آہستہ کسی کا وہ الٹ دینا نقاب
وہ نگاہِ شرمگیں وہ پردہ داری وہ حیا
میرے شوہر پر غرض نازل ہوا شاہی عتاب
ہو گیا نذرِ اجل میدان میں وہ تیغ آزما
الغرض لائی گئی قصرِ شہی میں میں بہ زور
سامنے آیا وہی دن جس کا کھٹکا تھا لگا
کچھ نہ پوچھو مجھ سے شوہر کا براہوتا ہے غم
سال بھر تک میں نے پہنا آہ جوڑا سوگ کا
لوٹتا تھا سانپ چھاتی پر مرے بے اختیار
ڈھارہا تھا اک ستم دل پر اُجڑنا مانگ کا

تھی جو بچپن سے طبیعت کے لیے وابستگی
مجھ سے شہ کا ازدوا جانہ تعلق ہوگیا
رفتہ رفتہ مجھ کو قسمت نے دکھایا پھر عروج
افسرواورنگ مجھ کو کردیا شہ نے عطا
سطوت شاہی رہی برسوں مگس راں تخت پر
چتر دولت جلوہ افگن مدتوں سر پر رہا
اٹھ گیا فرق شہی سے پھر جہانداری کا تاج
کھینچ کر لائی مجھے گور غریباں میں قضا
اک مرقع خواب کا تھا وہ طلسم دلفریب
کچھ بھی آتا ہے نظر اب یاس وحسرت کے سوا
اب نظر آتا نہیں وہ تختۂ اورنگ حیف
کان میں آتی نہیں اب کوس دولت کی صدا
اک فسانہ خواب عبرت کا ہے میری سرگزشت
ہستی فانی کی یہ ہے ابتدا یہ انتہا
لوح تربت پر یہ کیا لکھا ہوا ہے دیکھ لو
دیدۂ عبرت کشا وبر نگر انجام ما
''برمزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے''

❖❖❖

نیچرل شاعری

شب کہ تھا میں چار سو بستر پہ نظارہ کناں
چھا گیا آنکھوں میں میری یک بیک خواب گراں
ناگہاں آئی نظر اک ماہ سیما ناز نیں
اک چھلاوہ سر سے پا تک تھی وہ کافر الا ماں
وہ تجلی حسن کی خورشید ہو جس پر نثار
وہ ضیاعارض کی جس پر ماہِ کامل کا گماں
وہ تجلی وہ ضیا وہ جلوہ حیرت طراز
سر سے پا تک برق بے پردہ تھی کافر الا ماں
دونوں شانوں پر تھی زلفِ خم بخم لٹکی ہوئی
جعد عنبر بار تھی ڈسنے کو کافر الا ماں
سادگی کا اف وہ عالم اور وہ حسن دل فریب
وہ جوانی کی اُمنگیں وہ غضب کی شوخیاں
پتلے پتلے وہ لب نازک وہ چھوٹا سا دہن
پتلی پتلی وہ کمر وہ پتلی پتلی انگلیاں
دونوں آنکھیں سامری فن دونوں لب سحر حلال
دونوں گیسو دل کے ڈس جانے کو مار دو زبان

تھے رخِ پرنور پر بکھرے ہوئے سر کے جو بال
ماہ کامل ہے گہن میں صاف ہوتا تھا عیاں
شوخیِ رفتار میں وہ گردشِ دوراں کا ڈھنگ
قدِ موزوں میں قیامت کا وہ عالم الاماں
وہ نگاہِ شرمگیں غارت گرِ صبر و شکیب
دل کے لے جانے کو ضد پر ہر ادائے دلستاں
قدِ موزوں خود قیامت اُس پہ وہ مشقِ خرام
سادگی کا اف وہ عالم اُس پہ وہ نیرنگیاں
پیاری پیاری موہنی صورت تھی مورت حسن کی
سر سے پا تک سادگی چھائی ہوئی تھی الاماں
وہ کفِ نازک ہو جن پر برگِ گل کا اشتباہ
ہاتھ وہ ہو پنجۂ خورشید کا جن پر گماں
سادگی ہی سادگی تھی تھا تصنع کا نہ رنگ
دستِ نازک میں نہ تھیں رنگِ حنا کی شوخیاں
پتلے پتلے ہونٹ مسّی نے کیے تھے کب کبود
سرمۂ اعجاز کے آنکھوں میں ڈورے تھے کہاں
فتنۂ محشر نہ کرتی تھی بپا مستانہ چال
اور دمِ رفتار کرتے تھے نہ گھنگرو شوخیاں
گل سے عارض پر جمایا تھا نہ غلگونے نے رنگ
یعنی اب تک تھیں اچھوتی حسن کی نیرنگیاں

جب نظر آئی مجھے اس دھج سے وہ کافر ادا
لے گئی پہلو سے دل کو ہر ادائے دلستاں

اف وہ مستانہ ادا وہ شوخیِ مشقِ خرام
قدِ موزوں میں بھری تھیں کوٹ کر اٹکھیلیاں

گیسوؤں سے پھوٹ نکلی تھی جو عارض کی ضیا
کالے کالے بادلوں میں کوندتی تھیں بجلیاں

جب مری بالیں پہ یوں آئی وہ اٹھلاتی ہوئی
میں نے پوچھا اس پری رو سے کہ اے آرام جاں

از کجامی آئی اے سرمست خوبی محو ناز
عطر آگیں تا بہ داماں تا کمر عنبر فشاں

وہ پرستاں کون سا ہے تو جہاں کی ہے پری
ہے وہ جنت کون سی تو جس کی ہے حور جناں

تو ہے کس کی لاڈلی کس کے چمن کی ہے کلی
ناز سے جس میں پلی تو ہے وہ گہوارہ کہاں

کس کے دوشِ ناز پر پائی ہے تو نے پرورش
کس نے سکھلائیں ہیں معشوقانہ تجھ کو شوخیاں

کس کے نازوں کی ہے تو پالی ہوا اے نازنیں
ہے کدھر تیرا وطن تیرا گھرانا ہے کہاں

کس کی آنکھوں کی ہے پتلی کس کے گھر کا نور ہے
شمع ہے تو کس کے کاشانے کی اے آرام جان

کون سے رنواس کی رانی ہے تو اے مہ لقا
کون سے بنگلے کی تو نو خیز مس ہے الاماں
کس کے خاتم کی ہے نقش دل نشیں اے نازنیں
کون ہے تو کیا ہے او کافر ترا نام ونشاں
مجھ سے سن کر وہ بتِ شیریں دہن یہ گفتگو
یوں لب لعل شکر خاسی ہوئی شکر فشاں
حیف تو مجھ کو نہیں پہچانتا او بے خبر
پوچھتا ہے مجھ سے کیا میرے وطن کا تو نشاں
ہے جہاں نیچر کے گل ہائے مضامیں کی بہار
رہنے والی ہوں اسی گلشن کی میں اے نکتہ داں
حور جنت ہوں۔ نہ اندر کے اکھاڑے کی پری
ہوں مسِ نو خیز اور یورپ ہے میرا خاندان
کہنے والے مجھ کو کہتے ہیں بتِ لندن نژاد
ایشیا کی رہنے والی میں نہیں او بد گماں
ہوں مسوں کی سادگی کا جلوۂ حیرت طراز
گورے گورے گال ہیں اور بھوری بھوری پتلیاں
بل نہیں عشاق سے کرتی مری زلف دراز
میری جعد خم بخم دیتی نہیں ہے پھانسیاں
خون عاشق میری ملت میں نہیں ناداں روا
میری چتون کو نہ کہنا برشِ نوک سناں

ایک میں جادو بھرا ہے۔ ایک میں اعجاز ہے
حشر کے فتنے مری آنکھوں میں اے خود بیں کہاں
پائی ہے نیچر کے گہوارہ میں میں نے پرورش
حور جنت ہوں اسی فردوس کی اے نکتہ داں
میری باتیں سن کے زاہد کی ٹپک پڑتی ہے رال
گھولتی ہوں قند لب سے ہوں وہ میں شیریں دہاں
مجھ پہ غش ہے اک زمانہ میں وہ ہوں نیچر طراز
نازش شعر و سخن ہے میرا انداز بیاں
نخل قد میں میری کیا شاخیں نکالے گا کوئی
میری رگ رگ میں بھری ہیں کوٹ کر موزونیاں
کھینچتی ہوں ہو بہو ہر واقعہ کی میں شبیہ
مجھ کو بھاتی ہیں تصنع کی نہ رنگ آمیزیاں
سادگی میری اداؤں میں بھری ہے کوٹ کر
میرے جلوے میں تلوّن کی نہیں نیرنگیاں
ہوں چمن میں میں گل و بلبل کا افسانہ اگر
شمع و پروانہ کی ہوں ہر انجمن میں داستاں
نیند کا جب وقت چپکے چپکے آتا ہے قریب
چھوٹے بچوں کو ہوں میں جا کر سناتی لوریاں
لب پہ مطرب کے ہوں میں نیچر کی دل کش راگنی
اور پس پردہ تھیٹر میں کبھی ہو نغمہ خواں

ہوں میں لبرل میری رگ رگ میں فریڈم کا ہے جوش
روکنے والا نہیں ہرگز کوئی میری عنان
رن میں جب کڑکے سناتی ہوں دلیروں کے لیے
جھوم جاتے ہیں مری آواز سن کر نوجواں
گزرے ہیں یورپ میں جتنے شاعر نیچر طراز
کارنامے سب کے اب تک ہیں مرے وردِ زباں
وہ ایڈسن ساسخنور با کمال و بے مثال
اور وہ کوپر سا اف اف شاعر جادو بیاں
وہ سخن دانوں میں یکتائے زمانہ شیکسپیئر
گولڈ اسمتھ سادہ ناظم نکتہ سنج و نکتہ داں
میرے گہوارہ میں پائی تھی جنھوں نے پرورش
میرے گلشن کے کبھی تھے ہائے جو سروِ رواں
میرے خرمن کے کبھی جو خوشہ چیں تھے اے فلک
اب نظر آتا نہیں ہے ان کی قبروں کا نشاں
کیا ہوئے وہ میری بزمِ عیش کے چشم و چراغ
میری آنکھوں کے وہ تارے ہیں خدا جانے کہاں
میرے بچپن کا وہ گہوارہ کہاں ہے اے فلک
ناز سے جس میں پلی تھی وہ ہنڈولا ہے کہاں
میرے جلوہ کی جھلک یورپ میں اب بھی ہے مگر
ہند میں کوئی نہیں افسوس میرا قدر داں

اچھی صورت کا یہاں ہے آہ کس کو امتیاز
کرچکی میں بار ہا اہل نظر کا امتحاں
کیا کسی عاشق کا دل پیسوں میں ہنگام خرام
میری چالوں میں قیامت کی نہیں اٹکھیلیاں
بھولی بھالی ہوں پری چہرہ مس لندن نژاد
ہیں کہاں مجھ میں بتانِ ہند کی سی شوخیاں
کیسی چشم سرمگیں کیسے مسی مالیدہ لب
کیسی آرائش کہاں کا شوق زینت الاماں
گیسوؤں کے پیچ کیسے کیسی زلفوں کی شکن
کنگھی چوٹی کا ہے او ناداں کسے لپکا یہاں
یہ نمود ظاہری ہے چاردن کی ٹیپ ٹاپ
ہیں طلسم نقش حیرت اس کی رنگ آمیزیاں
نیچرل بیوٹی سے بڑھ کر کوئی آرائش نہیں
سادگی کا لطف او ناداں تصنع میں کہاں
کر ہیں گوش سامعین کیسا ترانہ کیسا ساز
کس کو نیچر کی سناؤں میں ترنم ریزیاں
پرورش کس نے کیا اردو کے دامن میں مجھے
ایک بھی پیدا ہوا ہے ہے نہ ایسا نکتہ داں
نام لیوا کون ہے میرا سخن دانوں میں حیف
ہند میں ملتا نہیں ہے میری نسلوں کا نشاں

میرے جلوہ کو دیا اہلِ سخن نے کب فروغ
ایک دن بھی ہند میں چمکا نہ میرا خاندان
میری مردہ ہڈیوں میں پھونکتا نیچر کی روح
ایک بھی ہیرو نہیں پیدا ہوا ایسا یہاں
میرے نغموں کا نہیں ہے آہ کوئی ہم صفیر
مجھ کو کیا گو سیکڑوں ہوں بلبلِ ہندوستاں
کچھ بھی آتا ہے انھیں ہرزہ سرائی کے سوا
ہند میں کہنے کو گو ہیں سیکڑوں اہلِ زباں
ان سے ہونا کیا ہے منہ پر صاف کہہ دوں برملا
جن کے مضمونوں میں حسن و عشق کی ہے داستاں
مل گیا کیا آ گیا جو ہاتھ مضمون کمر
کیا ہوا باندھا وہاں یار کو جو بے نشان
میں بھی دیکھوں تو وہ اصنام خیالی ہیں کدھر
ہے کمر معدوم جن کی او دہن ہے بے نشاں
حشر ہوتا ہے بپا کیوں کر بتوں کی چال سے
فتنہ رفتار کی میں بھی تو دیکھوں شوخیاں
جنبشِ لب سے ہوا زندہ نہ عاشق ایک بھی
سر پٹک کر مر گئے لاکھوں مسیحائے زماں
کس کو اعجاز مسیحائی کا دعویٰ ہے بتو
ڈالتا ہے کون دیکھیں قوم کے مردے میں جاں

کس کو بھاتی ہے تری روکھی زباں روکھا کلام
کیوں ہے یہ ہرزہ سرائی اے سرورِ خستہ جان

❖❖❖

بے ثباتی زمانہ

شب کہ تھا میں عالم رویا میں نظارہ کناں
ناگہاں آیا نظر اجڑا ہوا اک بوستاں
ڈھل گیا تھا شاہدان باغ کا حسن شباب
زرد تھا ہر گل کا چہرہ صورتِ برگ خزاں
چومتی تھی منہ نہ پھولوں کا نسیم عطر بیز
اب نہ تھیں شاخوں پہ بادِ صبح دم کی شوخیاں
ڈالیوں پر تھے نہ مرغان چمن نغمہ سرا
شورِ گل رنگ عنادل شاخ گل پر تھا کہاں
شاخ گل پر ہر گل نورس تھا مرجھایا ہوا
اب نہ تھیں پیش نظر وہ حسن کی نیرنگیاں
کچھ نہ تھا دو چار تنکوں کے سوا اب یادگار
شاخ گل پر تھا جو باندھا بلبلوں نے آشیاں
شوخیاں کرتی نہ تھی اٹھلا کے اب باد بہار
تھی نہ شاخوں پر نسیم صبح دم عنبر فشاں

دیکھتی تھی دیدۂ عبرت سے انجام چمن
نرگس بیمار کی آنکھوں سے آنسو تھے رواں
اب نہ تھا قمری کی کوکو کا سماں وہ دل فریب
اب پپیہے کی وہ شاخوں پر نہ تھی رٹ پی کہاں
اب نہ بل کرتی تھی ازجعد سنبلیں عشاق سے
پھانسیاں دیتے نہ تھے اب گیسوے عنبر فشاں
اب نہ آتے تھے پری وش نازنین گل گشت کے
اب نظر آتا نہ تھا وہ جلوۂ حسن بتاں
چھوٹی چڑیاں اب نہ شاخوں پر ترنم ریز تھیں
اب نہ مرغان چمن کرتے تھے نغمہ سنجیاں
جھومتے پھرتے نہ تھے اب نوجوانان چمن
لالہ وگل کا نظر آتا نہ تھا اب کارواں
رنگ پھیکا پڑ گیا تھا سرمہ تسخیر کا
نرگس بیمار کی آنکھوں میں ڈورے تھے کہاں
پھول چننے کو حسین آتے نہ تھے اب باغ میں
اب نہ مرجھائے ہوئے غنچوں میں تھیں وہ شوخیاں
اب نہ دیتے تھے سخن ور قدر جاناں سے مثال
اب نہ تھیں وہ مصرع شمشاد میں موزونیاں
اب نہ آتی تھی نظر کیفیت سیلان آب
اب نہ تھیں پانی کی نہریں صحن گلشن میں رواں

اب نہ تھی غنچوں کے لب پر وہ صدائے قاہ قاہ
خندۂ گل کی نظر آتی نہ تھیں اب شوخیاں
ڈھل گیا تھا سبزۂ نورس کا سارا رنگ روپ
لہلہا کر اب نہ کرتا تھا لبِ جو شوخیاں
سوکھے پودوں میں نہ تھی اب قوت نشو و نما
سینچتا تھا اب نہ پانی دے کے ان کو باغباں
شاخِ گل پر اب نہ تھا وہ عندلیبوں کا ہجوم
اب نہ تھیں نغمہ سرا سرو چمن پر قمریاں
تھا ہر ایک کبک دری بے تاب انگارے پہ یوں
لوٹتا ہو خاک پر جیسے کوئی آتش بجاں
مند گئی تھی ہر کلی یوں شاخِ گل پر ہائے ہائے
نزع میں آنکھیں نہ کھولے جیسے کوئی خستہ جاں
ساعدِ جاناں کی شوخی پنجۂ گل میں نہ تھی
اب نہ تھیں اس میں یدِ قدرت کی وہ صناعیاں
تنکے چنتے تھے نہ اب گلشن میں مرغانِ چمن
باندھتے تھے اب نہ شاخوں پر عنادل آشیاں
سونگھتے تھے اب نہ پھولوں کو مسل کر نازنین
چومتے تھے اب نہ کلیوں کو بتِ رنگیں وہاں
بیل بوٹوں میں نہ تھے اب حسن کے نقش و نگار
اب نہ تھیں ان میں یدِ قدرت کی رنگ آمیزیاں

منہ نکل آیا تھا کلیوں کا ذرا سا اے سرور
گورے گالوں میں وہ سرخی کی جھلک تھی اب کہاں
رہ گیا میں دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر
نقش حیرت ہوگیا دیکھا جو یہ ہوکا سماں
نونہالان چمن کا دیکھ کر یہ حال زار
چپکے چپکے ہوگئے منہ پر مرے آنسو رواں
دل میں کہتا تھا یہ کیا نیرنگ ہے بار خدا
غنچہ وگل کا نظر آتا نہیں کوسوں نشاں
دیکھ کر محو تحیر مجھ کو عقل نکتہ سنج
یوں لب لعل شکر خا سے ہوئی شکر فشاں
یہ چمن وحشت سرا ہے اس کا کیا ہے اعتبار
سیر کے قابل نہیں نادان یہ گلزار جہاں
ہستی فانی نہیں ہے منزل آرام و عیش
ہر درو دیوار سے حسرت برستی ہے یہاں
کب یہاں کی اوج و پستی کو ہے او ناداں ثبات
خاک کا تو دہ ہیں دونوں کیا زمیں کیا آسماں
کون ٹھہرا ہائے اس دار فنا میں چار دن
گردش دوراں ٹھہرنے دیتی ہے کس کو یہاں
چل بسے اس عالم فانی میں رہ کر چند روز
کیسے کیسے لعبت شیریں ادا شیریں زباں

کیا ہوئے وہ عاشق و معشوق اے دنیائے دوں
قیس و لیلیٰ ہیں کہاں فرہاد شیریں ہیں کہاں
اب نظر آتے نہیں وہ ماہ سیما نازنین
دفن ہیں وہ نور کے پتلے خدا جانے کہاں
کیا ہوا امنگا ہوا وہ نازنینوں کا شباب
کیا ہوئی وہ مہ جبینوں کی ادائے جانستاں
جن کے ایوانوں کی رفعت آسماں سے تھی بلند
ان کی قبروں کا نظر آتا نہیں ہے اب نشاں
یہ لب گور غریباں بھی صدا دیتے نہیں
کس سے پوچھیں آہ یاران عدم کا ہم نشاں
کیسی منزل کیسی آواز جرس کیسا غبار
نقش پا ملتا نہیں کیسا سراغ رفتگاں
پیش داری وہ کہاں ہیں وہ کہانی ہیں کدھر
رفعت اہرام مصری کے وہ بانی ہیں کہاں
اب سکندر ہے نہ دارا ہے نہ کیکاؤس ہے
لے گئی یہ ہستی فانی خدا جانے کہاں
سعدی وخاقانی و فردوسی نیچر طراز
وہ سخن کے اب پیمبر ہیں خدا جانے کہاں
اب وہ انداز غزل خوانی کہاں اے نکتہ سنج
بلبل شیراز کا خالی پڑا ہے آشیاں

کیا ہوئے یونان کے وہ فلسفہ داں اے فلک
اب وہ مردم خیز خطہ ہے خدا جانے کہاں
کب ہوا سقراط سا پیدا زمانے میں حکیم
ایک بھی گزرا نہ دنیا میں ارسطوے زماں
اب پتہ ملتا نہیں بقراط وجالینوس کا
اب نظر آتا نہیں ہے وہ طبیب نکتہ داں
دفن ہیں کس سرزمیں میں ہائے اے چرخ دنی
وہ منجم وہ مہندس وہ ادیب نکتہ داں
کس کو میدان قضا میں آہ تھی تاب نبرد
ہوگئے چت گور کی بغلی سے کیا کیا پہلواں
نقش دیوار شکستہ کے سوا واحسرتا
کچھ نہیں ملتا ضنا دید عجم کا اب نشاں
ہوگئے مٹی کے پتلے کیسے کیسے تاجور
اب فریدوں ہے نہ دارا ہے نہ ہے نوشیرواں
تیری ہستی کیا ہے تو کیا چیز ہے او خود نما
مٹ گئے جب ایسے ایسے تاجداروں کے نشاں
اصطبل گھوڑوں کا اب وہ قصر بونا پارٹ ہے
سطوت شاہی تھی محوِ خواب آسائش جہاں
ہستی فانی میں او خود بیں بقا کا ذکر کیا
کون آیا ہے عدم سے لے کے عمر جاوداں

تشنہ لب آیا سکندر چشمہ ظلمات سے
کس کو پینے کو ملا آبِ بقا اے نکتہ داں
اب پتہ ملتا نہیں کچھ تغلق و تیمور کا
اب نظر آتی نہیں ہے ہے وہ نسل راجگاں
ہستی موہوم بھی طرفہ تماشا گاہ ہے
ایک پہلو پر نہیں جس کی کبھی نیرنگیاں
ہیں زمیں کو گردشوں پر گردشیں لیل و نہار
یہ وہ گہوارہ ہے جس میں خواب آسائش کہاں
توسنِ عمر رواں بھی ہے غضب کا بدلگام
ہے لکد کوبِ حوادث ہر بشر اے نکتہ داں
خلق کا مبدا وہی صانع بیچوں ہے وہی
ہے بقا کس کو بجز ذاتِ خدائے دو جہاں
علت اولیٰ ہر ایک شے کی وہ روح پاک ہے
اس کی وحدت سے یہ کثرت کا تماشا ہے عیاں
ہے اسی کے نور عالم تاب کی ان میں ضیا
یہ جو اقمار و کواکب آسماں پر ہیں عیاں
اس نے وحدت سے کیا کثرت کو پیدا کس طرح
کوئی کیا جانے بجز اس کے یہ اسرار نہاں
کثرت و وحدت ہے دونوں سے عیاں ان کا جلال
ہے وہ خلوت اس کی اور یہ اس کی بزم آرائیاں

خاک کے ناچیز پتلے کو کیا کیا کیا عطا
لمس و شم ذوق و بصر نطق و بیاں کام و زبان
خاک کے پتلے کا ہے ربطِ عناصر سے وجود
اس کی حکمت کا ہے شاہد اختلاط جسم و جاں
اس کی صنعت کا مرقع یہ طلسم دہر ہے
ذرہ ذرہ میں ید قدرت کی ہیں صنا عیاں
قطرۂ ناچیز سے پیدا کیا انسان کو
خاک کے پتلے میں اس نے پھونک دی روح رواں
اس کی سیاروں میں ضو ہے اس کی ذروں میں چمک
اس کے جلوہ گاہ ہیں دونوں زمیں و آسماں
ہستی فانی ہے کیا شے اس کی کیا ہے کائنات
ہے بقا کس کو بجز اس کے یہاں اے نکتہ داں
بحر ہستی میں ہوئے لاکھوں شناور غرق آہ
کون نکلا بچ کے سیلاب حوادث سے یہاں
یوں ہوئی مجھ سے مخاطب پھر مری عقل رسا
کر چکی جب بزم وحدت میں ترنم ریزیاں
میں نے دیکھے ایسے ویسے جانے کتنے انقلاب
محو حیرت ہوگیا تو دیکھ کر رنگ خزاں
پھول بے چاروں کی ہستی کیا ہے یہ کیا چیز ہیں
مٹ گئے جب ایسے ایسے نامور اے نکتہ داں

ڈھل گیا جب نازنینوں کا شباب دل فروز
ہوگئے مٹی کے پتلے جب حسینانِ جہاں
ان کی بو ان کی ہنسی ان کی صباحت ان کا رنگ
ان کا جوبن ان کی شوخی ان کی نکہت بے زیاں
ہیں یہ سب نقشِ خیالی ان کی ہستی ہے ہی کیا
ان کے جلوہ کی جھلک ہے چار دن کی میہماں
ہے بھرا ہر پیکر تصویر میں رنگ فنا
ہر مرقع جلوۂ نقش تحیر ہے یہاں
چشم عبرت چاہیے رنگ خزاں ہر گل میں ہے
اس چمن کے ہر شگوفے سے ہے نیرنگی عیاں
کیسی پھولوں کی نمائش کیسا جوبن کیسا روپ
کیسی گل گشت چمن کیسی فضائے بوستاں
اک گلِ بے خار بھی دیکھا نہ ہم نے اے سرورؔ
اس چمن میں کیسی گل گشت بہار بے خزاں

□□□

مبارک بادِ عید

(عزیز از جان محمد عبدالواجد سلمہ الرحمٰن)

قطعہ

عید قرباں تمھیں ہزار برس
واجدِ خوش سیر مبارک ہو
لے کے آئی صبا پیام نشاط
یہ مبارک سحر مبارک ہو
شب کو عیش و نشاط دن کو سرور
تم کو نور نظر مبارک ہو
ہو تمھیں عمر نوح و خضر نصیب
سر پہ ظلِّ پدر مبارک ہو
تم کو اے مایۂ نشاط پدر
گنج لعل و گہر مبارک ہو
سر پہ لہرائے پرچم اقبال
در پہ کوس ظفر مبارک ہو
فرق نیکو پہ اے خجستہ پے
تاج علم وہنر مبارک ہو

پیار بہنوں کا التفات پدر
تم کو جانِ پدر مبارک ہو

سر پہ دست پدر رہے زر پاش
بارش سیم و زر مبارک ہو

میری چشمِ امید کو آقا
سرمۂ خاکِ در مبارک ہو

□□□

رباعیات

(سال نو)

تصویر جمالِ عالم آر بن کر
زیبا صنم و نگار یکتا بن کر
نوروز آیا ہے لے کے پیغام نشاط
چوتھی کی دلہن عروس رعنا بن کر

□□□

او بے خبر! او مستِ مئے جام نشاط
اٹھ سو کے کہ ہیں مغتنم ایام نشاط
ہے مژدۂ نوروز سے کیا رنگِ چمن
ہر پھول ہے شاہدِگل اندام نشاط

□□□

کافور ہے دل جلوں کو تنویر سحر
ٹھنڈک ہے کلیجوں کی طبا شیر سحر
جی اٹھیں دلوں میں آرزوئیں مرکر
کیا روح فزا ہے واہ! تاثیر سحر

□□□

پھر عیش دوام لے کے آیا نوروز
پھر بزم میں جام لے کے آیا نوروز
لایا ہوں میں سال نو کی خوشیاں ہم راہ''
یاروں کو پیام لے کے آیا نوروز

□□□

اے ! محو نشاط ہونے والو! اٹھو
سرمایۂ عمر کھونے والو! اٹھو
آتی ہے وہ قافلہ سے آواز جرس
نکلا خورشید۔ سونے والو ! اٹھو

□□□

پھر لالہ و گل ہیں زیب دامان چمن
پھر جھوم رہے ہیں سرود ریحان چمن
ہیں صحن چمن میں تہنیت سنج بہار
یعنی ہیں ترانہ ریز مرغان چمن

□□□

(ادیب الٰہ آباد کا خیر مقدم)

نکلا ہے ادیب بن کے نیرنگِ نظر
آنکھوں سے کہو۔ کہ دیکھ لیں رنگ نظر
سن تو یہ کدھر سے آج اے گوشِ خیال
آتی ہے صدائے نغمۂ ، چنگ نظر

□□□

ہیں اوج کمال کے نمونے اس میں
نیرنگِ خیال کے نمونے اس میں
وہ پیکر حسن ہے کہ آتے ہیں نظر
دلکش خط وخال کے نمونے اس میں

□□□

وہ گل ہے یہ بوئے آرزو ہے اس میں
ہر گل کی بہار رنگ و بو ہے اس میں
وہ آئینۂ ادب نما ہے یہ سرور
تصویرِ کمال ہو بہو ہے اس میں

□□□

دنیا میں رہے ادب کا زیور ہوکر
چمکے تاج سخن میں گوہر ہوکر
اقلیم سخنوری میں شہرت اس کی
اڑتی رہے نکہتِ گلِ تر ہوکر

□□□

گلدستۂ گلہائے معانی ہے ادیبؔ
گنجینۂ اسرار نہانی ہے ادیبؔ
نیرنگ فسوں تازہ ہے ہر مضمون
مجموعۂ اعجاز بیانی ہے ادیبؔ

□□□

شیشوں میں جھلکتی ہے مۓ تاب نظر
ہوں آکے شریک بزم احباب نظرؔ
ہے نور نگاہ دیدۂ شوق ادیبؔ
آنکھوں سے لگائیں کیوں نہ ارباب نظر

□□□

ارباب سخن بزم سخن میں آئیں
مرغان غزل سرا چمن میں آئیں
یعنی ہے صلائے عام یاروں کے لیے
احباب نظرؔ کی انجمن میں آئیں

□□□

اتری ہے فصاحت کی پری شیشوں میں
یا نطق کی ہے جلوہ گری شیشوں میں
اوراق ادیبؔ میں ہیں اشعار سرور
یا ہے مۓ لالہ گوں بھری شیشوں میں

□□□

دانہ جانے کہاں لے جائے۔اور کیا کیا ذلتیں
اور صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں"۔
دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
اور پریشاں حالی و درماندگی

منتظر کرم
ناچیز سرذر
(حاشیہ کی تحریر) برادرم۔اس خط کو ملاحظہ فرماتے ہی سب کام چھوڑ کر فوراً......روانہ[1] فرمایئے...... بخدا بے حد ذلیل ہو رہا ہوں۔ صدق دل سے قسم کھاتا ہوں کہ مدت العمر تک وطن میں صورت نہ دکھاؤں گا۔
منی آرڈر ضرور بواپسی روانہ فرمایئے۔

---

[1] یہاں تین الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔مغموم

□□□

سرور کا کچھ کلام
جو ان کے مطبوعہ مجموعوں
میں شامل نہیں

ایک انگریزی نظم کا ترجمہ

وہ روشنی عطا کر عمرِ رواں کو یارب!
چمکوں میں شمع بن کر اس تیرہ انجمن میں
میری شمیم سے ہو تسکیں جہاں کو یارب!
مہکوں میں پھول بن کر اس وادیٔ کہن میں

....

یارب بنادے میری ہستیٔ بے بقا کو
اک گیت پیارا پیارا، اک نغمہ دل آرا
اور وہ فسونِ دلکش دے لحنِ جاں فزا کو
ہوں اہل انجمن کے جینے کا میں سہارا

....

اس زیست کو بنادے یارب! وہ جام زرّیں
ہو جلوہ ریز جس میں تیری شراب وحدت
دنیا کی کاہشوں سے ہرگز نہ ہوں میں غمگیں
لب پر ہو جوشِ مستی میں نغمۂ مسرّت

رباعیات

بت خانے جدا ہیں، خانقاہیں ہیں جدا
ارباب پرستش کی نگاہیں ہیں جدا
جو یا ترے شیخ و برہمن ہیں دونوں
منزل تری ایک ہے، پہ راہیں ہیں جدا

۲

آغاز ہے کچھ ترا، نہ انجام ترا
بندوں پہ ہمیشہ لطف ہے عام ترا
مندر میں ہے "ہر" "خدا" ہے تو مسجد میں
جپتے ہیں شیخ و برہمن نام ترا

۳

گل چیں جو گلوں کو لے چلا چن چن کر
کلیوں نے کہا یہ منہ سے سر کو دھن کر
"کل آہ! یہی ہمارا ہوگا انجام"
رویا کیا میں بہت صدا یہ سن کر

۴

یارب! ہے یہ دفن کس کی میت دل میں؟
سر پیٹ کے رو رہی ہے حسرت دل میں
پالی ہوئی آہ! ہے یہ نازوں کی مری
اے یاس! ہو نہ بے کسی کی تربت دل میں

□□□

غزل

شبِ وصال مزہ دے رہی ہے "تو" تیری
لبوں سے گھولتی ہے قند، گفتگو تیری

مَسَل سمجھ کے دلِ درد مند کو میرے
کہ اس میں رہتی ہے بیدرد ! آرزو تیری

تری زباں کو بگاڑا رقیب بد خو نے
کہ بات بات میں گالی تو تھی نہ خو تیری

لگا رہا ہے حِنا کون تیرے ہاتھوں میں
رلا رہی ہے مجھے خون، آرزو تیری

ترے سکوت میں بھی اک ادا نکلتی ہے
کہ ہے چھپی ہوئی پردے میں گفتگو تیری

نہ چاک کر دلِ بے تاب کو مرے ظالم!
نکل کے ہو کہیں رسوا نہ آرزو تیری

کبھی ہے قصد حرم کا، کبھی ہے عزم کنشت
کشاں کشاں لیے پھرتی ہے آرزو تیری

(ماخوذ از ماہنامہ "ادیب" (الہ آباد مارچ 1911)
صفحات 145۔146)

غـزلـیں

(1)

سر پٹکتی ہے بے کسی دل کی
تو نے ظالم! خبر نہ لی دل کی

چیخنا، سر کو پیٹنا، رونا
ساری باتیں ہیں۔ یہ اسی دل کی

وہ بھی پہچانتے ہیں، افسوس،
کیا بری شکل ہوگئی دل کی

ان کے پہلو سے چل دیا اٹھ کر
نہ گئی ہائے ! بے خودی دل کی

میرے خط کا جواب کیا لایا
نامہ بَر! کچھ خبر ملی دل کی؟

چٹکیوں میں مسل کے پھینک دیا
تم نے پوچھی نہ بات بھی دل کی

درد اٹھ اٹھ کے کہہ رہا ہے سرور!
مجھ سے اٹھتی نہیں کڑی دل کی

(2)

فقیروں پہ اپنے کرم اک ذرا کر
ترے در پہ بیٹھے ہیں دھونی رما کر
گسائیں ہیں ہم برج کے رہنے والے
ذرا اے شہِ حسن! ادھر دیکھ آکر
بہت دیر سے در پہ سادھو کھڑے ہیں
فقیروں پہ داتا! دیا کر، دیا کر!
پھرے تیری نگری میں ہم تیرے کارن
جگایا الکھ ہم نے دھونی رَما کر
نہیں ہم کو خواہش کسی اور شے کی
ہمیں اپنے جوبن کا صدقہ عطا کر
سرؔدر ان کی نگری میں برسوں پھرے ہم
فقیرانہ بھیس اپنا اکثر بنا کر

(3)

بخدا عشق کا آزار بُرا ہوتا ہے
روگ چاہت کا بُرا ، پیار بُرا ہوتا ہے
جاں پہ آبنتی ہے جب کوئی حسیں بنتا ہے
ہائے، معشوق طرحدار برا ہوتا ہے
یہ وہ کانٹا ہے نکلتا نہیں چُبھ کر دل سے
خلشِ عشق کا آزار بُرا ہوتا ہے

ٹوٹ پڑتا ہے فلک سر پہ شبِ فرقت میں
شکوۂ چرخِ ستم گار بُرا ہوتا ہے
آہی جاتی ہے حسینوں پہ طبیعت ناصح!
سچ تو یہ ہے کہ دلِ زار بُرا ہوتا ہے

(4)

خطا ہوگئی ہے گنہگار ہوں
جو چاہو سزا دو، سزا وار ہوں
بُرا ہو ترا عشق خانہ خراب!
کہ میں تیرے ہاتھوں سے بے زار ہوں
مری آرزوؤں کا خوں ہوگیا
یہ کس کا میں یارب دلِ زار ہوں؟
مداوا نہیں میرے دکھ کا سروؔر!
میں اب ایسے جینے سے بے زار ہوں

□□□

متفرق اشعار

تمام شب میں رہا انتظار میں بیدار
حضور خواب میں آئیں گے یہ خیال نہ تھا
سوال وصل پہ آپ اتنا روٹھ جائیں گے
تمھارے سر کی قسم، یہ مجھے خیال نہ تھا

''ادیب'' (الہ آباد) مئی 1911

پیاری بہنو!

ہر اک درد دکھ کا مداوا تمھیں ہو
تمھیں چارہ گر ہو، مسیحا تمھیں ہو
مصیبت میں، بپتا میں کام آنے والی
شریک غم و رنج دنیا تمھیں ہو
نہ ہو تم تو تاریک ہے بزم ہستی
اندھیرے گھروں کا اجالا تمھیں ہو
مجسم ہو تصویر تم نیکیوں کی
حیا اور عصمت کا گہنا تمھیں ہو
جو آنکھوں میں تم نور ہو پتلیوں کا
تو دل میں بھی خاک سویدا تمھیں ہو
تمھیں ہو وفا دار و غم خوار شوہر
مگر اپنے قیسوں کی لیلیٰ تمھیں ہو

بھرا جس میں صانع نے رنگ وفا ہے
تمھیں ہو، وہ تمثالِ زیبا تمھیں ہو
لڑکپن میں ماں باپ اور بھائیوں کی
شکیب دلِ ناشکیبا تمھیں ہو
جوانی میں شوہر کی، ساس اور خسر کی
تمھیں راحتِ جاں، تمنا تمھیں ہو
رضا جو و دل جو، وفا دار وخوش خو
مجسم وفاؤں کا پتلا تمھیں ہو
تپش بھی ہے ، نور محبت بھی دل میں
تمھیں شمع ہو اور پتنگا تمھیں ہو
مصیبت کی کٹتی ہیں گھڑیاں تمھیں سے
کہ جینے میں دکھ کا سہارا تمھیں ہو
جو غم خوار ہو تم تو غم بھی ہے شادی
شب غم میں صبح تمنا تمھیں ہو

(عصمت جون 1908)

فریادِ بیوہ

لگا دیتی ہے لب پر مہر خاموشی حیا میری
زباں پر خوں ہو جاتی ہے آ کر التجا میری
ہلا جاتا ہے دل، حسرت بھری ہے وہ صدا میری
جگر میں چٹکیاں لیتی ہے آہِ نارسا میری
اثر سے ہے مگر بے گانہ تُو یارب! دعا میری
جلایا تو نے برسوں سوز آہِ آتشیں مجھ کو
دیے داغوں پہ تو نے داغ اے چرخِ بریں مجھ کو
بنا کر چار دن ظالم! عروسِ نازنیں مجھ کو
بنایا تو نے آخر لیلیٰ ماتم نشیں مجھ کو
غمِ شوہر میں رخ پر کھول دی زلفِ دوتا میری
مرے پہلو میں میری دفن حسرت ہو تو کیوں کر ہو
تمناؤں کی دل میں آہ! تربت ہو تو کیوں کر ہو
علاج صدمۂ اندوہِ فرقت ہو تو کیوں کر ہو
عدم کو آہ! جانِ زار رخصت ہو تو کیوں کر ہو
بلانے سے بھی اب آتی نہیں یارب! قضا میری

بنایا تیرے غم نے آہ! ایسا نا تواں مجھ کو
گلے کی آہ! ہیکل ہوگئی طوقِ گراں مجھ کو
شبِ غم میں نہ دے زلفِ چلیپا پھانسیاں مجھ کو
مٹائے گا جو یوں ہی آہ! دورِ آسماں مجھ کو
پھرے گی خاک اڑاتی کو بہ کو بادِ صبا میری

جگر کے اُڑ رہے ہیں آہ! پرکالے شرر بن کر
بجھی جاتی ہوں میں اے سوزِ غم! شمعِ سحر بن کر
بہا جاتا ہے دل آنکھوں سے خوں نابِ جگر بن کر
الٰہی! خیر ہو، یہ کس کے غم میں نیشتر بن کر
کھٹکتی ہے رگِ جاں میں نگاہِ سرمہ سا میری

برستی ہے کسی ہو جس پہ وہ تمثالِ حسرت ہوں
مرقع میں جہاں کے آہ! میں تصویرِ عبرت ہوں
نہ سرگرمِ خود آرائی، نہ محوِ شوقِ زینت ہوں
ذرا سامنہ نکل آیا، میں وہ بیمارِ فرقت ہوں
رہی وہ چاند سی صورت، نہ وہ دلکش ادا میری

بنایا آہ! ماتم نے یہ کس کے نوحہ گر مجھ کو
رلایا خون تو نے مدتوں اے چشمِ تر مجھ کو
جلی ایسی، ہوئی اپنے نہ جلنے کی خبر مجھ کو
جلایا تو نے ایسا آہ! اے سوزِ جگر مجھ کو
کہ آ کر پھر گئی مایوس بالیں سے قضا میری

پریشاں ہو کے چوٹی آہ! تیری غم میں لٹکا کی
مری جانِ حزیں سینے میں میرے آ کے اٹکا کی
رگ جاں میں تمنا نوک نشتر بن کے کھٹکا کی
دم رخصت تیری بالیں پہ پہروں سر میں پٹکا کی
سنی آہ و فغاں لیکن نہ تو نے بے وفا! میری
خبر کیا تھی کہ یہ کافر شبِ غم میں بلا ہوگی
نگل جانے کو مجھ کو اژدہا زلفِ دوتا ہوگی
نصیبوں کی گرہ الجھی ہوئی کب آہ! وا ہوگی
عروسی کی نہ مہندی آہ! کیا پھر زیب پا ہوگی
بنے گی آہ! خونِ آرزو کب تک حنا میری

....

بے ثباتی دنیا

عدم سے آ کے ہو کوئی غریب کیا آباد | کہ ہے سرائے سہ پنجی جہاں سست نہاد
قضا کمیں میں ہے یوں مرغ روح کی جیسے | چمن میں ہو کسی بلبل کی تاک میں صیاد
سفر سے پھر کے نہ آئے غریب دنیا میں | عدم میں قافلے والوں پہ کیا پڑی افتاد
قضا نے لوٹ لیا رہروانِ ہستی کو | کسی غریب مسافر کی کب سنی فریاد
یہ آ رہی ہے صدا بستیوں سے کانوں میں | کہاں ہے آہ! وہ شیریں کدھر گیا فرہاد
کہاں وہ تختۂ لیلی! کہاں وہ نجد کا بن | ہوا کے جھونکوں میں مجنوں کی خاک ہے برباد

کہاں وہ شوکتِ دارا کہاں وہ مسند جم　　کہاں وہ قصر فریدوں کہاں وہ تاج قباد
نگار خانہ ہستی بے ثبات میں آہ!　　مٹائے کھینچ کے لاکھوں فلک نے نقش مراد

جہاں بر آب نہا دست و زندگی برباد
غلام ہمت آنم کہ دل براد نہ نہاد

بھری ہیں کوٹ کے نیرنگیاں ہزار ہزار　　کہ ہے مرقع عبرت طلسم لیل ونہار
خرام ناز سے فتنے اٹھا رہا ہے فلک　　مٹا رہا ہے زمانے کواف! یہ کج رفتار
چمن میں چلتی تھی دامن اٹھا کے جن کا نسیم　　اڑائے پھرتی ہے صحرا میں ان گلوں کا غبار
وہ نازنین جنھیں پھولوں کی بدھیاں تھی گراں　　دبے پڑے ہیں تہ خاک آہ! زیرمزار
نہ وہ مرادوں کی راتیں نہ ہیں شباب کے دن　　نہ وہ نمود جوانی نہ حسن کا ہے ابھار
نہ وہ ادا میں ہے تمکیں، نہ ذوق آرائش　　نہ آئینہ ہے نہ شانہ نہ زلف عنبر بار
نہ وہ دوپٹے کا آنچل نہ ہے وہ طرف نقاب　　کفن کے چاک میں لپٹا ہوا ہے جسم نزار
عروس دہر نہیں التفات کے قابل　　نظر سے کہدو نہ کھائے فریب نقش ونگار

جہاں بر آب نہادست و زندگی برباد
غلام ہمت آنم کہ دل بر دانہ نہاد

وہ ہم رہے نہ وہ ہنگامہ خود آرائی　　گئی شباب کے ہم راہ شان برنائی
وہ ابھری ابھری جوبن وہ بھرے بھرے بازو　　وہ خط وخال و نقش و نگار رعنائی
وہ جن چڑھا ہوا جوش شباب کا سر پر　　خوشا! وہ دن کہ نہ تھا جب خیال رسوائی
وہ لطف صحبت یاران زندہ دل ہے ہی!　　وہ جام شیشہ و ساقی وہ بادہ پیمائی
وہ حسن وعشق کی گھاتیں۔ وہ پیار کی باتیں　　پری وشوں سے وہ راتوں کو خلوت آرائی
شباب کا وہ کہاں لطف آہ! پیری میں　　کہ بے خروش ہے بزم نشاط آرائی

نگار خانۂ عالم میں صورت تصویر — وہ دن بھی تھے کہ تھے ہم نقش ناز یکتائی
جہاں کی آہ! ہر ایک شے ہے انقلاب پسند — شباب کھو کے یہ آخر ہمیں سمجھ آئی

جہاں بر آب نہاد ادست وزندگی بر باد
غلام ہمت آنم کہ دل بر دانہ نہاد

بندھا جوانی کے زخموں کا آہ! کب انگور — کہ صبح پیری نے رکھا نہ مرہم کافور
دہان زخم لبِ ناطقہ کرے پیدا — کہ دل کو آج ہے پھر شرح آرزو منظور
گلے پہ چلتی ہیں کیا کیا قضا کی تلواریں — نفس کے تار میں ہے بڑش دم ساطور
لب مزار غریباں سے آ رہی ہے صدا — کہاں ہیں قیصر و بہمن کدھر گیا فغفور
شکستہ آہ! ہے یوں کاسۂ سر جمشید — کہ جیسے سنگ پہ شیشہ ہو گر کے چکنا چور
قضا کسی کا کہاں عذر لنگ سنتی ہے — کہ تخت چھوڑ کے دنیا سے چل بسا تیمور
یہ حال اب ہے گرانباری علایق سے — تھکا ہوا کوئی دن بھر کا جیسے ہو مزدور
اجل کا جام جو پینا ہے پی لو تشنہ لبو — محیط دہر میں آبِ بقا کا کیا مذکور

جہاں بر آب نہادست و زندگی برباد
غلام ہمت آنم کی دل بردانہ نہاد

بھرا جو ظلمت شب سے فلک کا پیمانہ — تو چھا گیا میری آنکھوں میں خواب مستانہ
میں کیا کہوں کہ کہاں مجھ کو لے گئی عبرت — کہ دور گورِ غریباں سے اک تھا ویرانہ
عجیب انجمن بے خروش تھی وہ جگہ — کہ تھا ترانۂ بلبل نہ سوز پروانہ
زمیں پہ روتے تھے لے لے کے ہچکیاں شیشی — وہ قہقہے تھے۔ نہ اب وہ صدائے مستانہ
زبان حال سے عبرت نے پھر کہا مجھ سے — کبھی نشاط کدہ تھی یہ بزم رندانہ
یہاں حسینوں کا جمگھٹ یہاں تھا مجمع عیش — یہاں تھا راتوں کو رقص و سرود مستانہ

یہاں تھی نہر یہاں چھوٹتے تھے فوارے　　یہاں تھے پھولوں کے گملے یہاں تھا حسخانہ
فلک نے خاک کا پیوند کردیا جن کو　　یہ ان مکینوں کا اجڑا ہوا ہے کاشانہ
جہاں بر آب نہادست و زندگی برباد
غلام ہمت آنم کہ دل براد نہ نہاد

□□□

وصف زبان 1

تیرے نطق میں ہے عجب جاں فزائی　　شکستہ دلوں کو ہے تو مومیائی
بھری تجھ میں ہے کوٹ کر دل ربائی　　تری ہر ادامیں رنگین ادائی
وہ جادو بیان نطق کی تو دلہن ہے
کہ لٹ ترے گیسو کی زلف سخن ہے
جواہر کی لڑیاں ہیں فقرے مسلسل　　کہ ہے تو فصاحت کی گردن کی ہیکل
ستم! تیری شوخی غضب! تیری چھل بل　　مگر ہے کسی بت کی پاؤں کی چھاگل
تکلم کی گھنگرو بجاتی ہے چھم چھم
کہ تو نا طقہ کو نچاتی ہے چھم چھم
پپیہا کبھی بن کے تو بولتی ہے　　کبھی بن کے طوطی شکر گھولتی ہے
ہر ایک راز سر بستہ کو کھولتی ہے　　کہ کانٹے میں پھولوں کو تو تولتی ہے
سخن سنج ہے تیری میزان دانش
تیرا نطق ہے جو ہر کان دانش

بنایا عجب تیرا قدرت نے پیکر ملا نطق کا روغن قاز منہ پر
کیا نظم نے زیب سرلا کے جھومر پنہا یا تجھے نثر نے اپنا زیور
بلاغت نے ہاتھوں میں مہندی لگائی
فصاحت نے زلفِ معنبر بنائی
دہن میں جو تو بن کے تقریر آئی تیرے ساتھ لفظوں کی تاثیر آئی
لیے حسن معنیٰ کی تنویر آئی کہ تو نطق کی بن کے تصویر آئی
بجاتی ہوئی ارگن نطق آئی
اڑاتی ہوئی تو سنِ نطق آئی
وہ دلچسپ نیچر کا چھیڑا ترانہ کہ غش ہوگیا جس کو سن کر زمانہ
کیا نطق نے تیرے گیسو میں شانہ کہ تھی وضع تیری عجب شاہانہ
تجھے قال نے اپنے سانچے میں ڈھالا
رنگیلی! غضب تونے جوبن نکالا
فصاحت کے پھولوں کی او گہنے والی تکلم کے پردے میں او رہنے والی
کسی کی کڑی تو نہیں سہنے والی کہ ہے ایک کے منہ پہ دس کہنی والی
نہیں تجھ کو صولت پنا ہوں کی ہیبت
کہ غالب نہیں تجھ پہ شاہوں کی ہیبت
سناں ہو کہ نیزہ چھری ہو کہ خنجر زرہ ہو کہ بکتر ہو۔ یا خود و مغفر
ہوا و رنگ و دیہم یا تاج و افسر ہیں تیرے لیے اے زباں سب برابر
وہ آزادہ رَو ہے کہ رکتی نہیں تو
وہ سر ہے ورشہ پہ جھکتی نہیں تو

جو شیلے، جوانوں کو لڑوانے والی اکھاڑے میں شیروں سے بھڑ جانے والی
سواروں کے نیزوں کو چمکانے والی شجاعت کے شعلوں کو بھڑکانے والی
جو تو بڑھ کے کڑکے سناتی ہے رن میں
دلیروں کی ہمت بڑھاتی ہے رن میں
بندھاتی ہو تو رانڈ بیوؤں کی ہمت یتیموں سے کرتی ہے اظہار شفقت
مریضوں کو دیتی ہے تسکین صحت کہ ہے تیرے لب کی مفرح حلاوت
تیرے ہونٹ ہیں نوشدار وے سادہ
مقوی ہیں یا قوتیوں سے زیادہ
کہانی سے راتوں کو تو ہے سلاتی کہ بچوں کو تو لوریاں ہے سناتی
کلیجے سے ماں کی طرح ہے لگاتی کہ یوں ہولے ہولے ہے تو گاتی جاتی
اری نیند! آجا! اری نیند! آجا
مرے لال کو تیرے صدقے ! سلا جا
کہیں شہد ہے تو کہیں قند ہے تو مواعظ کہیں ہے کہیں پند ہے تو
دہن میں نظر بند ہر چند ہے تو مگر وقت تقریر کب بند ہے تو
روانی میں ہے سیل چلنے میں صرصر
چھلاوہ ہے شوخی میں تیزی میں خنجر
عیاں ہیں تیرے نکتہ سنجوں پہ جوہر کہ ہے تو بشر کے فضائل کا زیور
ہر اقلیم میں ہے ترا سکۂ زر کہ زیر نگیں ہیں تیرے ہفت کشور
چمک تیری ہر تاج و دیہم میں ہے
نئی شاہزادی ہر اقلیم میں ہے

جو تواے زباں! ایشیا کی پری ہے — تو یورپ کی لیڈی شرارت بھری ہے
کہیں پہلوی ہے کہیں تو دری ہے — سخن کے حدیقہ کی کبکِ دری ہے
کہیں تو ہے بھاشا کہیں فارسی تو
کہ ہے شاہد نطق کی آرسی تو

ترانہ کہیں تو ہے مطرب کے لب پر — کہیں تو ہے جادو بیانوں کے لکچر
کہیں بذلہ گو ہے۔ کہیں پند گستر — کہ ہے طوطی شکر ستان نیچر
زمانہ ہے شیدا تیرا او رنگیلی!
ادا ہے رسیلی صدا ہے سریلی

یہ رنگیں ادائی۔ یہ رنگیں نوائی — تیرے روز مرّہ کی آف! یہ صفائی
بشر کو کہاں طاقت لب کشائی — کہ ممکن نہیں تیری مدحت سرائی
عجب نطق کی موہنی تو ہے مورت
ہوا ہے جنم تیراکیا سبہ صورت

□□□

بلبل و پروانہ

گرا رہا ہے ترا شوق شمع پر تجھ کو مجھے یہ ڈر ہے نہ پہنچے کہیں ضرر تجھ کو
فروغ شعلہ کہاں اور فروغ حسن کہاں ہزار حیف! کہ اتنی نہیں خبر تجھ کو
تڑپ تڑپ کے جو بے اختیار کرتا ہے نہیں ہے آگ کے شعلہ سے آہ! ڈر تجھ کو
یہ ننھے ننھے پروبال یہ ستم کی تپش ملا ہے آہ قیامت کا کیا جگر تجھ کو
قریب شمع کے آکر جو تھر تھراتا ہے نہیں، ہے جان کے جانے کا غم مگر تجھ کو
ملے گی خاک بھی ڈھونڈے سے نہ تیری محفل میں صبا اڑائے پھرے گی دم سحر تجھ کو
سمجھ نہ شمع کو دل سوز عافیت دشمن جلا کے آہ رہے گی یہ مشتِ پر تجھ کو
نہیں ہے تو ابھی سوز و گداز کے قابل
نہیں ہے عشق کی عرض و نیاز کے قابل

تپش یہ بزم میں فانوس پر نہیں اچھی کہ آگ لاگ کی لو بے خبر نہیں اچھی
کڑی ہے آنچ محبت کی شمع محفل سے لگا وٹیں ارے تفتہ جگر نہیں اچھی
تڑپ تڑپ کے نہ دیوانہ وار شمع پہ گر تپش یہ شوق کی، او مشت پر نہیں اچھی
یہ جاں گدازئ سوز وفا سرِ محفل کہیں نہ ہو ترے جی کا ضرر نہیں اچھی
لڑا نہ شمع سے آنکھیں کہ ہے عدو تیری تری نگاہ محبت اثر نہیں اچھی
یہ ننھے ننھے پروں کی تڑپ یہ بے تابی حریف شوخی برق نظر نہیں اچھی

یہ پر سمیٹ کے فانوس پر ترا گرنا یہ بے خودی ارے شوریدہ سر نہیں اچھی

چمن میں چل کہ دکھاؤں بہار شاہد گل
نظر فریب ہیں نقش و نگار شاہد گل

میں بوالہوس نہیں سمجھا ہے تو نے کیا مجھ کو پسند شاہد گل کی نہیں ادا مجھ کو
جنوں نہیں کہ ہو سودائے گل چمن میں مجھے سمجھ نہ اپنی طرح آہ بے وفا مجھ کو
فراق گل میں میں منت کش فغاں ہوں دریغ یہ داغ سوز جدائی نہ دے خدا مجھ کو
دل گداختہ لے کر ازل سے آیا ہوں بنایا بزم میں ہے سوز آشنا مجھ کو
ڈروں جو آگ کے شعلے سے، بوالہوس میں نہیں فنائے سوز محبت میں ہے بقا مجھ کو
جلے وہ بزم میں چپ چاپ اور میں نہ جلوں بعید عشق سے ہے۔ ہو غم فنا مجھ کو
تری نگاہ میں جاں سوز ہے جوائے بلبل وہ آہ! آگ کا شعلہ ہے جاں فزا مجھ کو

کھلا ہے تجھ پہ ابھی آہ! راز عشق کہاں
تو بوالہوس ہے، تجھے امتیاز عشق کہاں

❑❑❑

حسرت بھری صدا

وہ ایذائے خلش ہے آہ، میرے قلب مضطر پر نظر آتا ہے اک قطرہ لہو کا نوک نشتر پر
شب غم میں گریں کچھ آہ ایسی بجلیاں سر پر گماں نبض رگ شعلہ کا ہے ہر تار بستر پر

شرار جستہ کا دھوکا ہے مجھ کو جسم لاغر پر

تپ سوزدروں نے دل میں ڈالے سیکڑوں چھالے جگر کے اڑ رہے ہیں نالۂ سوز الہی سے پرکالے
پریشاں رخ پہ گیسو ہیں کہ لہراتے ہیں دو کالے شب غم میں کہاں آنکھوں میں دو سرمہ کے دنبالے

برستی ہے اداسی ہجر میں اب دیدۂ تر پر

چبھوتا ہے مرے پہلو میں رہ رہ کر کوئی نشتر　　ٹپکتا ہے کلیجہ چشم تر سے اشک خوں ہو کر
برنگ لالہ داغوں سے شگفتہ ہے دل مضطر　　دوپٹے کا کہاں اب سرخ آنچل دوش نازک پر
کہ دھبے جابجا اب اشک گلگوں کے ہیں چادر پر

وہ نقشہ اب کہاں اگلا سا شان دل ربائی کا　　وہ عالم قد رعنا میں کہاں رنگیں ادائی کا
گلہ کس سے کروں میں بخت بد کی نارسائی کا　　نہ پوچھو مجھ سے کچھ عالم خلش ہائے جدائی کا
شب غم میں بدلتی کروٹیں ہوں نوک خنجر پر

در و دیوار سے سر پھوڑتی ہوں کنج عزلت میں　　تڑپتی لوٹتی ہوں رات بھر آغوش حسرت میں
یہ رونے ازل سے ہے ودیعت میری قسمت میں　　اداسی گھر پہ ایسی چھا رہی ہے شام فرقت میں
گماں حلقۂ ماتم ہے مجھ کو حلقۂ در پر

کوئی کالی بلا ہے یا پریشاں رخ پہ ہیں گیسو　　قضا کے نیچے وہ، شام غم میں ہیں مگر ابرو
نہ آنکھوں میں وہ جادو ہے نہ اب وہ عشوۂ دلجو　　رواں ہیں چپکے چپکے عارض گلگوں پہ یوں آنسو
چمن میں جس طرح شبنم کے قطرے ہوں گل تر پر

نہ نکلے جس کے ارماں وہ دل درد آشنا ہوں میں　　فغاں بے اثر ہوں، نالہ حسرت فزا ہوں میں
نہ گل گونہ ہوں چہرہ کا نہ ہاتھوں کی حنا ہوں میں　　وہ بے کس ہوں شہید برش تیغ جفا ہوں میں
نہ پوچھو کچھ قیامت کے ہیں تیر کے قلب مضطر پر

کہوں کیا کس کشاکش میں ہے جان ناتواں میری　　کلیجہ تھام کر اٹھتی ہے اب دل سے فغاں میری
وہ جوڑا ہے عروسی کا ہے نہ اب وہ چندریاں میری　　وہ بے کس ہوں کہ توڑیں آسماں نے چوڑیاں میری
وہ شیشہ ہوں کہ دے پٹکا فلک نے مجھ کو پتھر پر

نہ آب ذوق آرائش نہ ہے وہ شان برنائی　　سیاہی اب ہے زلفوں کی سواد شام تنہائی
نہ آئینہ ہے خلوت میں نہ شوق جلوہ آرائی　　کہاں چمپا کلی میں آہ وہ اگلی سی رعنائی
خزاں چھائی ہوئی ہے حسن کے پھولوں کی زیور پر

وہ ڈورے سلب نہاں سرمے کے میری چشمِ گریاں میں کہ آنکھوں میں جہاں تاریک ہے شب ہائے ہجراں میں
نہیں اب طاقت فریاد مری قلب نالاں میں گرایا ناتوانی نے ہے جب سے کوئے حرماں میں
لگاتا ہے زمانہ مجھ کو ٹھوکر آہ! ٹھوکر پر

یہ دل ننھا سا پہلو میں، یہ صدمہ دردِ فرقت کا جوانی کی یہ راتیں اور یہ عالم یاس و حسرت کا
کبھی شکوہ مقدر کا کبھی رونا ہے قسمت کا رنڈاپے کا بھی صدمہ اف! ہے صدمہ کس قیامت کا
اٹھاؤں کس طرح کم بخت ٹوٹا ہے فلک سر پر

کلیجہ چٹکیوں میں کوئی رہ رہ کر مسلتا ہے کوئی تھم تھم کے ہاتھوں سے دلِ مضطر کو ملتا ہے
برنگِ شمع مغزِ استخوان شب بھر پگھلتا ہے نہ آتی ہے اجل مجھ کو نہ میرا دم نکلتا ہے
قضا بھی رحم اب کرتی نہیں مجھ زار ولاغر پر

□□□

شکوۂ صیّاد

میں مشت پر ہوں مجھ کو نہ ظالم ہلاک کر صیاد! تیر مار نہ یوں دل پہ تاک کر
میرے جگر کو دشنۂ غم سے نہ چاک کر مجھ کو مٹا کے آہ! نہ پیوندِ خاک کر
نالوں سے بدگماں مرے بیدادخو نہ ہو
بے کس سمجھ کے درپئے آزار تو نہ ہو

مجھ پر جفائے تازہ عبث بدگماں نہ کر برباد میرے خاروخس آشیاں نہ کر
مجھ کو اسیرِ حلقہ طوق گراں نہ کر مجھ ناتواں پہ یہ ستم ناگہاں نہ کر
مرجاؤں گا نصیب جو کنجِ قفس ہوا
مجھ پر ستم کا وار جو اب کی برس ہوا

وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت نہیں رہی　　تیرے ستم اٹھانے کی طاقت نہیں رہی
دل سرد ہوگیا۔ وہ حرارت نہیں رہی　　وہ نالہائے گرم کی عادت نہیں رہی
مجھ کو نہ کر اسیر کہ میں صید خستہ ہوں
صحن چمن میں طائر بازو شکستہ ہوں
یہ جوش لالہ و گل رنگین ادا دریغ　　یہ بھینی بھینی جنبش باد صبا دریغ
یہ اُودی اُودی آہ! لب جو گھٹا دریغ　　یہ کنج دل نشیں ۔ یہ چمن کی فضا دریغ
پر میرے کس کے باندھ نہ صیاد باغ میں
اڑنے بھی دے مجھے مرے کنج فراغ میں
چرکے نہ تیغ کے دل اندوہ گیں کو دے　　ظالم! نہ آب دشنۂ چیں جبیں کو دے
پروانگی جو شورش آہ حزیں کو دے　　اذن فغاں جو تو نفس آتشیں کو دے
افسانہ چھیڑ کر الم جاں گذار کا
شکوہ سروں تیرے ستم جاں گداز کا
بھولا نہیں ستم ہوں وہ اگلی بہار کے　　نیرنگ یاد ہیں فلک دوں شعار کے
نالے قفس میں اف! وہ دل بے قرار کے　　سودائے گل وہ آہ! وہ دن انتظار کے
وہ ذوق آشیاں وہ فراق چمن دریغ
وہ تیلیاں قفس کی وہ قید محن دریغ
دن بھر فراق گل میں تڑپنا وہ چیخ کر　　پنجڑے کی تیلیوں سے پٹکنا وہ آہ! سر
حسرت سے دیکھنا وہ مرا آہ! سوئے در　　یاد چمن میں نالۂ پیہم زبان پر
وہ جوش اشک وہ نالہ خوں بار ہائے ہائے
ڈوبی ہوئی لہو میں وہ منقار ہائے ہائے

وہ موسم بہار وہ کنج قفس دریغ فریاد متصل وہ برنگ جرس دریغ
وہ خوں طرازیٔ رگ تارنفس دریغ وہ قیدغم وہ سلسلہ پیش وپس دریغ
لب پر وہ آہ! شکوۂ زنجیر الاماں
وہ ہاو ہوئے نالۂ شب گیر الاماں
کڑیاں اٹھاچکا ہوں میں مجھ پرستم نہ کر مجھ کو اسیر حلقۂ زنجیر غم نہ کر
میں صید باوفا ہوں۔ مجھے مہتم نہ کر سیری قفا کے قید میں ساماں بہم نہ کر
اتنا نہ آہ! میری اسیری کو طول دے
آزادیٔ چمن کے مجھے آہ! پھول دے
پروانہ مجھ سے پوچھ نہ کس انجمن کا ہوں غربت زدہ۔مسافر بےکس وطن کا ہوں
کیوں کر کہوں کہ بلبل گویا چمن کا ہوں پتلا قفس میں میں غم ورنج ومحن کا ہوں
پابند حلقہ ہائے سلاسل نہ کر مجھے
میں صید زخم خوردہ ہوں بسمل نہ کر مجھے

□□□

نیرنگ زمانہ

وہ بزم ہے، نہ وہ ساقی، نہ وہ مئے گل رنگ
وہ ساز ہے، نہ وہ مطرب، نہ شورِ نغمۂ چنگ
کہاں حسینوں کی وہ دل فریبی تمثال
وہ ایشیا کا کہاں اب مرقعٔ ارژنگ
نئے نئے نظر آتے ہیں روز و شب البم
نئے نئے ہیں مناظر نئے نئے نیرنگ
مسوں کی آنکھوں پہ افسوں کچھ ایسا پھونک دیا
کہ بت نظر نہیں آتے ہیں سیکڑوں فرسنگ
وہ لیڈیوں کے خدنگِ نظر سے اب ہیں شہید
جو دل حسینوں کی تیغ ادا سے تھے چورنگ
ہوا میں ہو کوئی بیلون1 جس طرح اڑتا
اڑائے پھرتے ہیں دل یوں پری وشانِ فرنگ
یہ سادگی نے کیا خون رنگ آرائش
کہ مہندی پھیکی ہے، لاکھا ہے پان کا بدرنگ
اڑائیں دست زمانہ نے دھجیاں ان کی
وہ زیب بر جو حسینوں کے کرتیاں تھیں تنگ

زباں سے گو نہ کہیں کھل کے شرم سے لیکن
حجاب پردہ ہے اب مہ وشوں کو باعث تنگ
لباس ملک میں ہے اب نئی تراش وخراش
رہے نہ اگلے سے قطع و برید کے وہ ڈھنگ
نہ اب وہ جُبہ و دستار ہے نہ شان قبا
کہ سر پہ ہیٹ ہے زیب بدن ہے جاکٹ تنگ
مسوں کا ذکر ہے کہتے ہیں کس کو صوم وصلوٰۃ
وضو کے بدلے ہے ہوٹل میں بادۂ گل رنگ
بلا یہ عام ہے اسلام ہی پہ کیا موقوف
بدل گیا ہے طبائع کا ہندوؤں کی بھی رنگ
نہ بت کدوں میں وہ ناقوس کی صدائیں ہیں
نہ لہر اگلی سی اشنان کی ہے اب لب گنگ
نیا لباس نئی وضع ہے حسینوں کی
وہ ہلکی ہلکی کہاں آہ ساریان خوش رنگ
زمانہ دیکھ کے نشۂ نے رنگ بدلا ہو
گلابیاں مئے یورپ کی اب ہیں کاسہ بنگ
نہ وہ مذاق قدیم اب نہ وہ ہے ذوق سلیم
دکھا رہا ہے زمانہ نئے نئے نیرنگ
نئے نئے ہیں جواں اور نئے نئے ارماں
نیا شباب جوانی نئی نئی ہے اُمنگ

کلب میں کھیلتا ہے لیڈیوں سے تاش کوئی
مسوں کے ساتھ کوئی بال میں ہے ہم آہنگ
سبق پڑھایا ہے تعلیم نے ہمیں الٹا
اٹھا کے طاق پہ رکھدی ہے عقل کی فرہنگ
وہ حسن وعشق کے فرسودہ اب کہاں آداب
شب وصال کہاں اب حجاب شوق میں جنگ
ہوائے عشق مسوں کی نہ دل کو راس آئی
زمیں پہ ٹوٹ کے آخر کو گر گیا یہ پتنگ
انھیں جراحت پنہاں سے قوم کی مطلب!
نگاہِ ناز کے جو دل پہ کھا چکے ہیں خدنگ
سرورؔ جس میں نہ حُبِّ وطن کا ہو احساس
وہ دل ہو چور کہ بہتر ہے اس سے پارۂ سنگ

قیدِ ہستی 1

وہ زمانہ بھی تھا کیا اے ہستیِ نا پائدار
تجھ سے ہم بیگانہ خو تھے ہم سے تو بیگانہ وار
ہائے! وہ دن خلد میں تھی ہم کو آزادی نصیب
ہائے! وہ راتیں، کہ تھے اس قیدِ غم سے رستگار
لوٹتے تھے یوں نہ انگاروں پہ اے سوزِ جگر
یوں نہ راتوں کو اڑا کرتے تھے آہوں کے شرار
یوں نہ تھے نالے کنارِ شب میں سرگرمِ تپش
یوں نہ تھے کنجِ قفس میں دردِ دل سے بے قرار
یوں فراقِ شاہدِ گل میں نہ تھے، اے ہم صفیر
دجلہ زیرِاشکِ گلگوں دیدۂ خونابہ بار
یوں کلیجہ منہ کو آتا تھا نہ ہنگامِ فغاں
نکلا پڑتا تھا نہ یوں پہلو سے دل بے اختیار
یوں نہ تھا کنجِ قفس میں آہ! اے جوشِ جنوں
پرزے پرزے تیرے ہاتھوں سے گریبانِ قرار
یوں نہ تھا دل میں مزارِ آرزوئے اے بے کسی!

یوں نہ تھے ہم حسرتِ مردہ کے غم میں سوگوار
غم نہ زنجیر علائق کی گراں باری کا تھا
یوں نہ تھے محنت کش قید حیات مستعار
لوٹتے تھے خواب راحت کے نشیمن میں مزے
دانہ رہتے تھے قفس میں دیدۂ اختر شمار
بھینی بھینی روح پرور، وہ نسیم صبح دم
وہ فضائے جوش گل، وہ لطفِ ایام بہار
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ پھواریں، ہلکی ہلکی وہ جھڑی
اودی اودی وہ گھٹائیں وہ سُہانا سبزہ زار
چھاؤں وہ تاروں کی کم کم وہ سحر کی روشنی
وہ ہوا کے سرد جھونکے وہ نسیم خوش گوار
وہ لہکنا سبزۂ خوابیدہ کا وقت سحر
شبنم تر کے وہ ننھے ننھے قطروں کی پھوار
دل ربا پانی کی موجوں کا وہ انداز خرام
پُر فضا وہ وادیاں بہتے ہوئے وہ آبشار
وہ چمن میں طائران خوش نوا کے زمزمے
آہ! وہ قمری کی کو کو اور وہ گلبانگ ہزار
وہ عروج شوکتِ پرواز و وہ گلگشت باغ
مل کے گانا سب کا ہم آہنگیوں سے وہ ملار
وہ کچلنا ناز سے شاخوں کا ہنگام سحر
جھومنا وہ نونہالانِ چمن کا بار بار

خوش نما پھولوں کا وہ تختہ، وہ بادِ عطر بیز
وہ سُہانا کنج وہ سر سبز نخل میوہ دار
کالی کالی وہ لب جو آہ متوالی گھٹا
ہلکا ہلکا وہ شفق گوں دامن ابر بہار
اب کہاں وہ شاخ گل پر صحبت مرغان قدس
اب کہاں کنج قفس میں آہ! وہ جوش بہار
جلوۂ گل اب کہاں گلبانگ بلبل اب کہاں
اب رواں آنکھوں سے ہے اک جوے خوں لیل ونہار
اب کہاں پچھلے پہر کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی
ہیں قفس کی تیلیاں اور ظلمت شب ہائے تار
مار رکھا قید ہستی کی کشاکش نے ہمیں
اب دل زندہ کا ہے افسوس مردوں میں شمار
تیرے حسرت کش کوئی دن اور ہیں خواب اجل
پھر کہاں ہم پھر کہاں آنکھوں کو تیرا انتظار
دل میں کیا رکھا ہے اب اے دست بیداد فلک
حسرتوں کا کچھ لہو ہے کچھ تمناؤں کے خار
تیرے منت کش ہوں کیا اے شوخیٔ برق ستم
پھونکنے کو بال و پر کیا کم ہے آہِ شعلہ بار
ہم قفس میں مدتوں بے بال و پر تڑپا کیے
اے فضائے باغ ہستی دیکھ لی تیری بہار

❑●❑

نوحہ 1

(منشی بالمکند صاحب گپتا مرحوم۔ایڈیٹر بھارت متر کلکتہ)

آنکھوں کیوں ہے بارشِ خون جگر پسند
ہونٹھوں کو کیوں ہے نالۂ شورش اثر پسند
غم کیوں ہے تجھ کو اے دل شوریدہ سر پسند
دنیا سے آہ! کس کو ہے عزم سفر پسند
جاتا ہے آج منزل ہستی سے آہ کون
نظروں میں کرچلا یہ زمانہ سیاہ کون
خاموش کیوں ہے بزم سخن آہ کیا ہوا
ہندوستاں سے دارِ محن آہ کیا ہوا
پہنا یہ کس نے آج کفن آہ کیا ہوا
یہ نالہ ہائے تاب شکن آہ کیا ہوا
کشتی تباہ کیوں ہے دل درد مند کی
دنیا سے کس نے آہ یہ رحلت پسند کی
کیوں بے قرار اے دل خونیں جگر ہے تو
کیوں اشک بار اے مژۂ چشم تر ہے تو
اے صبر! کیا ہوا تجھے کیوں نوحہ گر ہے تو
اے داغ کس کے غم میں چراغ سحر ہے تو
یہ آہ! کون محفل ہستی سے اٹھ گیا

خیمہ یہ کس کا منزل ہستی سے اٹھ گیا
اے شام درد و غم کی سحر وامصیبتا
باندھا یہ کس نے رخت سفر وامصیبتا
یہ کس کے غم میں اہل نظر وامصیبتا
ویران ہے بزم علم و ہنر وامصیبتا
پنہاں ہے آہ! ماہ سپہر ادب یہ کون
اک داغ دے گیا دل حسرت طلب یہ کون
اک آگ لگ رہی تپ سوز نہاں کی ہے
گرمی جگر میں اف! یہ الٰہی کہاں کی ہے
دل میں خلش یہ کس الم جاں ستاں کی ہے
پہلو میں آہ! نوک کھٹکتی سناں کی ہے
نشتر ہے غم کا شہ رگ جاں میں مچل رہا
ہے چپکے چپکے کوئی کلیجہ مسل رہا
اے بے کسی یہ سانحۂ جاں گزا ہے کیا
یہ ہائے ہائے نالۂ خونِ نوا ہے کیا
اے درد اٹھ کے دیکھ یہ آہ دبکا ہے کیا
لب پر یہ جوش نالۂ حسرت فزا ہے کیا
تسکین قلب ہے نہ شکیب جگر ہے تو
اے صبر کس کے سوگ میں وحشت اثر ہے تو
پہلو میں درد اے دل خوں گشتہ رہ گیا
تو کس کے غم میں خون جگر ہو کے بہہ گیا
دنیا کو خیر باد کوئی آج کہہ گیا

ماہِ سپہر فضل و ادب آہ گہہ گیا
ظلمت غم والم کی مسلط جہاں پہ ہے
صدمہ غضب کا آہ دل ناتواں پہ ہے
اوج کمال کا مہ کامل کدھر گیا
تھا ایک چراغ رونق محفل کدھر گیا
ویران ''مترا'' ہے تیری منزل کدھر گیا
ہے ہے! ترا اڈیٹر فاضل کدھر گیا
وہ مہر آسمان فصاحت کہاں ہے آج
وہ آفتاب اوج بلاغت کہاں ہے آج
او تاج نثر کے دریکتا کہاں ہے تو!
باغ ادب کے اے گل رعنا کہاں ہے تو
او گلبن ریاض تمنا کہاں ہے تو
نظریں ہیں ڈھونڈتی تجھے ''گپتا'' کہاں ہے تو
شوخی کہاں وہ اب لب رنگین نوا میں ہے
تیرا غبار آہ! پریشاں ہوا میں ہے
ہے ہے وہ تیری شوخی طرز بیاں دریغ
اے مرگ ناگہاں! یہ غم جاں ستاں دریغ
ایسا گہر ہو آہ! زمیں میں نہاں دریغ
اے مرگ ناگہاں! یہ غم جاں ستاں دریغ
یہ جوش غم یہ رنج والم وامصیبتا

اے چرخ یارکش! یہ ستم دامصیتا
خاموش کیوں ہے طوطی شکر فشاں چہک
باغ سخن کے بلبل رنگین بیاں چہک
آ ایک بار بزم احبا میں ہاں چہک
روح القدس سے خلد میں ہے ہم زباں چہک
مدت ہوئی کہ تیرے ترانے سنے نہیں
خواب عدم کے آہ فسانے سنے نہیں
وہ آہ! تیری شوخی تحریر کیا ہوئی
فقرے وہ چست چست وہ تقریر کیا ہوئی
طرز بیاں کی وہ تری تاثیر کیا ہوئی
جس کے اسیر ہم تھے وہ زنجیر کیا ہوئی
لب ہیں خموش طرز تکلم کو کیا ہوا
جنبش نہیں ہے موج تبسم کو کیا ہوا
خاموش آہ بزم احبا کیے ہوئے
جاتا کہاں ہے داغ جگر پر دیے ہوئے
ہم تیرے سوگ میں غم دنیا لے ہوئے
بیٹھے ہیں آہ خون تمنا پیے ہوئے
دیکھے جو تو تو تجھ کو دکھائیں جگر کے داغ
ناسور ہوگئے ہیں دل نوحہ گر کے داغ
او جانے والے ! پھر کے ادھر دیکھ لے ذرا

آنکھوں سے رنگ خون جگر دیکھ لے ذرا
اپنی گلی میں خاک بسر دیکھ لے ذرا
اک بار تو اٹھا کے نظر دیکھ لے ذرا
ہم کب سے آہ! خاک اڑاتے ہیں راہ میں
اور سورہا زمیں کی ہے تو خواب گاہ میں
نقش حیات تیرا زمانہ مٹا چکا
رنگ نشاط بزم شبانہ مٹا چکا
رنگین نوائیوں کا ترانہ مٹا چکا
جادو نگاریوں کافسانہ مٹا چکا
باقی ہوا میں اب نہیں ترا غبار بھی
اڑتے نہیں ہیں راکھ سے تیرے شرار بھی
او نجم آسمانِ فصاحت کہاں ہے تو
او نیر سپہر بلاغت کہاں ہے تو
او طوطی ریاض ظرافت کہاں ہے تو
او عندلیب گلشن جدت کہاں ہے تو
ہے ہے! ترے خیال کی وہ تازہ کاریاں
دلکش وہ تیر نثر وہ جادو نگاریاں
تو او ادیب مصر معانی کدھر گیا
ہمراہ تیرے دفتر علم وہنر گیا
دنیا سے آہ کیا ترا رختِ سفر گیا

پہلو سے صبر دل سے شکیب جگر گیا
اب تک وہی تیرا الم جاں شکن ہے حیف
اب تک وہی ترا غم درماں شکن ہے حیف
پہلو میں اٹھ کے درد مرے چٹکیاں نہ لے
یہ الٹی الٹی سانسیں دل ناتواں نہ لے
میں خود ستم زدہ ہوں مرا امتحاں نہ لے
یہ انتقام اے ستم آسماں نہ لے
میرے جگر پہ آہ! نہ یہ غم کا داغ دے
سو داغ دے مگر نہ یہ ماتم کا داغ دے
بیکس سمجھ کے مجھ پہ نہ کر آسماں ستم
تیرے ستم بلا کے ہیں نامہرباں ستم
یہ حادثہ غضب یہ غم ناگہاں ستم
اف! اف! یہ داغ یہ الم جاں ستاں ستم
بادِ اجل! بجھا نہ تو ایسے چراغ کو
لُوکا لگا نہ میرے کلیجے کے داغ کو
ہے کس کو روندتا فلک یکہ تاز تو
کیا ڈھارہا ہے ستم ہے یہ او فتنہ ساز تو
کس پر کرے گی فکر رسا آہ ناز تو
ایسا کہاں سے لائے گی جادو طراز تو
سانچے میں کون ڈھالے گا اردو زبان کی نثر

تھی لا جواب طوطی شکر فشاں کی نثر
شیو شمبھو کے وہ چھٹے تراجم و شوخ و سنگ
اردو میں آہ وہ ترے طرز بیان کا رنگ
وہ تیرا زور طبع وہ تحریر کی اُمنگ
تیری صریر کلک تھی یا تھی صدائے جنگ
جادو بھرا تھا کوٹ کے تیری زبان میں
شوخی غضب کی تھی ترے طرز بیان میں
ندرت طراز و ناثر شیوا بیاں تھا تو
نکتہ شناس و نکتہ رس و نکتہ داں تھا تو
یکتائے روز گار و وحید الزماں تھا تو
ہے سچ تو یہ کہ نازش اردو زباں تھا تو
اعجاز تھا قلم میں تو جادو زباں میں تھا
نیرنگ سامری تیری طرز بیاں میں تھا
ہے آہ! تیرے سوگ میں بزم ہنر خموش
پروانے تفتہ جاں ہیں چراغ سحر خموش
لب پر ادھر ہیں نالۂ شورش اثر خموش
اور تو بتہ زمیں ہے اف! اف!! ادھر خموش
کیا جانے آہ! محو ہے تو کس خیال میں
رنگ سکوت اب ہے، تری بول وچال میں
تیرے قلم کی آہ! روانی کدھر گئی

ندی چڑھی تھی طبع رواں کی اُتر گئی
ہم راہ تیرے تاب شکیب جگر گئی
افسوس دل کے ساتھ تمنا بھی مرگئی
حسرت غریب بھی ترے ماتم میں مرمٹی
اک بے کسی تھی وہ بھی ترے غم میں مرمٹی
اُف اف یہ حادثہ ستم آسماں دریغ
ہے ہے یہ سانحہ اجل ناگہاں دریغ
لب پر یہ شور نالہ آہ فغاں دریغ
یہ ہائے ہائے اے دل فریاد خواں دریغ
غم مجھ کو ہے نہ تو کہیں اس غم میں مرمٹے
حسرت نہ مرنے والے کی ماتم میں مرمٹے
دیوانہ ہوگیا ہے ذرا! اب تو صبر کر
او مبتلائے کرب و بلا اب تو صبر کر
ہے گرچہ غم یہ ہوش ربا اب تو صبر کر
کب تک یہ شور بین و بکا اب تو صبر کر
پہلو میں میرے اب نہ دل خستہ جاں تڑپ
اتنا بھی غم سنبھل کے ذرا ناتواں تڑپ
ڈرتا ہوں آرزو کا کہیں دم نکل نہ جائے
پہلو میں اٹھ کے درد تمنا مچل نہ جائے
گردن پہ بے کسی کی چھری غم کی چل نہ جائے

دل خون ہو کے جوشش گریہ ابل نہ جائے
ارمان مرشیں گے نہ ان کا فشار کر
کم بخت اب تو صبر ذرا اختیار کر
صدمہ بھی جب ہو صبر شکن تو کہاں کا صبر
آساں نہیں ہے حادثۂ ناگہاں کا صبر
دشوار ہے بہت ستم آسمان کارنگ ہنر
پڑجائے اے اجل نہ کسی خستہ جان کا صبر
دستِ ستم نہ آہ! تمنا پہ کردراز
کہ ریسمانِ ظلم نہ ہو بیدار گرد راز
ہے بے قرار درد تمنا ترے لیے
لائیں کہاں سے ڈھونڈ کے گپتا ترے لیے
ماتم نشیں ہے بزم احبا ترے لیے
روتی ہے نظم و نثر کی دنیا ترے لیے
او بلبل ریاض معانی کہاں ہے تو
او عندلیب سحر بیانی کہاں ہے تو
جادو نگار و سحر رسم وا مصیبتا
تو اور سکوت خواب عدم وا مصیبتا
یہ رنج یہ قلق یہ الم و امصیبتا
او آسمان یہ طرز ستم وامصیبتا
گپتا آہ تو ہمیں داغ فراق دے

بجلی گرا کے سوز غم اشتیاق دے
بے مہر و بے وفا! تجھے دنیا کہے گی کیا
ماتم کدہ ہے بزم احبا کہے کی گیا
لوٹی گئی ہے تجھ کو یہ دکھیا کہے گی کیا
خون ہوگئی غریب تمنا کہے گی کیا
تیرے ستم سے آہ! کوئی داد رس نہیں
بے درد تو کسی کا بھی فریاد رس نہیں
صیاد مرگ شوق سے ہم کو ہلاک کر
یوں تیر غم نہ مار کلیجے پہ تاک کر
پہلو کو یوں نہ رشتۂ ماتم سے چاک کر
جھگڑا ہماری ہستی فانی کا پاک کر
مٹ جائیں کاش دہر سے ہم سے ستم نصیب
ہوں آہ! جیتے جی تو نہ یہ داغ غم نصیب
چڑکوں پہ اے اجل! نہ یہ چڑ کے جگر پہ دے
ظالم! نہ آب نوک سناں نیشتر پہ دے
یہ داغ بے کسی نہ دل نوحہ گر پہ دے
دیتے نہ ماہ و مہر سپہر ہنر پہ دے
تارے نہ اوج عالم امکان کے توڑ تو
خوش رنگ ہیں یہ گل نہ گلستاں کے توڑ تو
رنگیں ادا ہیں آہ! یہ باغ سخن کے پھول

چوٹی کے پھول ہیں یہ ہمارے چمن کے پھول
کلیاں ہیں موتیا کی نہ یہ یاسمن کے پھول
جادو نگار ہیں یہ ہمارے وطن کے پھول
اے آسمان! ان پہ نہ برق ستم گرا
نازک یہ پھول ہیں نہ کوہ الم گرا
باغ ادب کے گل ہیں یہ دست اجل نہ توڑ
ہیں خوش نما غضب کے یہ ظالم! کنول نہ توڑ
نورس ہیں آہ! نخل تمنا کے پھل نہ توڑ
ان کا کہاں زمانے میں نعم البدل نہ توڑ
ہے ان گلوں کا رنگ فصاحت ٹپک رہا
ان سے مشام علم و ہنر ہے مہک رہا
داغوں پہ اے فلک! ہیں دیے تو نے آہ داغ
نیرنگیوں نے تیرے دکھائے ہیں سبز باغ
بے مہریوں سے تیری ہے ظالم کسے فراغ
تو نے جلا جلا کے بجھائے بہت چراغ
تیرے ستم غضب کے جفائیں بلا کی ہیں
گردش میں تیرے آہ! ادائیں قضا کی ہیں
اے رام تیرا دل سے ابھی غم گیا نہ تھا
ہم سوگوار تھے ترا ماتم گیا نہ تھا
سینے سے جوش نالہ پیہم گیا نہ تھا

دل سے بخار آہِ شرردم گیا نہ تھا
منجدھار میں پڑی ہوئی کشتی سکوں کی تھی
آنکھوں سے آہ! نہرِ رواں موج خوں کی تھی

تھا ہم کو تیرا رنگ تصوف رلا رہا
اور تو گلوں پہ خلد کے تھا چہچہا رہا
وحدت کا گیت تو لبِ کوثر تھا گا رہا
مرغانِ قدس کو تھا ترانے سنا رہا
جوشِ بکا ادھر دلِ اندوہ گیں میں تھا
اور تو ترانہ ریز بہشت بریں میں تھا

اے چرخ تو نے اور دیا دل پہ ایک داغ
بزمِ سخن کا کردیا گل اور اک چراغ
چھلکا یا اور ساقیِ گردوں نے اک ایاغ
ٹھکرایا اور بزم میں اک کاسۂ دماغ
اب یہ ادیب فاضل یکتا بھی اٹھ گیا
رختِ سفر اٹھا ترا گیتا بھی اٹھ گیا

اک اور وار دل پہ ہوا آسمان کا
الٹا ورق زمانے نے ہندوستان کا
لو حشر ہوگیا ختم اردو زبان کا
پیمانہ بھر گیا مرے رنگیں بیان کا
سوئے مزار دوش پہ احباب لے چلے

تیرے لیے زمیں زر نایاب لے چلے
رکھنا سنبھال کر یہ ودیعت ہماری ہے
محشر میں تجھ سے لیں گے امانت ہماری ہے
ہاں تجھ سے اے زمیں یہ منت ہماری ہے
ہے یہ حسب اس سے محبت ہماری ہے
پیوند خاک یہ دریکتا نہ آہ! ہو
پرسش نہ تجھ سے حشر میں او روسیاہ ہو
اے گنج شائیگان فضیلت کہاں ہے تو
کیا آہ! خاک تم عدم میں نہاں ہے تو
کس بوستاں کا بلبل رنگین بیاں ہے تو
کس آسماں کا ماہ تجلی فشاں ہے تو
تارے کدھر گئے ترے اوج کمال کے
سیارے کیا ہوئے ترے برج خیال کے
تو کیا گیا فصاحتِ اردو زباں گئی
فکر بلند وجدتِ طرز بیاں گئی
کیا تیری روح جانب باغ جناں گئی
رونق سخن کی بلبل ہندوستاں گئی
رنگینئ بیانیوں کے جھڑتے دہن سے پھول
دامن میں چنتے ہم ترے باغ سخن کے پھول
ہیں تیرے غم میں آہ! احبا ملول اب

چنتے ہیں تیرے گورِ غریباں میں پھول اب
رنگینیِ بیاں ہے نہ حسنِ قبول اب
وحشت فزا ہیں باغِ سخن کے ببول اب
افسوس! وہ گلاب کے تختے کدھر گئے
وہ نثرِ لا جواب کے تختے کدھر گئے
شیرازۂ خیال ہے "گپتا" کہاں تیرا
جاتا کدھر ہے تو سنِ عمرِ رواں تیرا
جائے گا جیتے جی نہ غمِ جاں ستاں تیرا
برسوں رلائے گا الم خونچکاں تیرا
جب تیری یاد آئے گی احباب روئیں گے
آنکھوں سے سیلِ بارشِ خوں ناب روئیں گے
او جانے والے ہم کو بھی لے چل سوئے عدم
تیری مفارقت کا اٹھے گا نہ ہم سے غم
کس کس کو روئیں کیسے کریں ہائے صبرِ غم
ہم ناتواں دہر میں یہ کیونکر سہیں ستم
"گپتا" کا داغ "رام" کا غم وامصیبتا
اے چرخ! یہ ستم پہ ستم وامصیبتا
یہ نالہ ہائے تاب شکن آہ! تا کجا
اے دل یہ جوشِ رنج و محن آہ! تا کجا
لب پر یہ دردناک سخن آہ! تا کجا

ہے ہے یہ ذکر گورو کفن آہ! تا کجا
ہم کس کو روئیں آہ! یہ دنیا ہے رفتنی
اے چشم تر! یہ بزم تماشا ہے رفتنی
غمخانہ آرزو کا یہ دارالمحن ہے حیف
انجام کا ر دہر کا دو گز کفن ہے حیف
بےساز نالہ جس میں یہ وہ انجمن ہے حیف
قبضہ خزاں کا جس میں ہے یہ وہ انجمن ہے حیف
وہ پھول ہے کہ جس میں شمیم وفا نہیں
وہ داغ ہے کہ کس کے جگر پر لگا نہیں
کر صبر نالہ کش دل آشفتہ سر نہ ہو
اے بے کسی! ہے غم کی بھی حد نوحہ گر نہ ہو
اے صبر مجھ غریب سے وحشت اثر نہ ہو
اے موج گر یہ لجہ خون جگر نہ ہو
عبرت سرا ہے دہر یہ رونے سے فائدہ
اے دل! تڑپ نہ جان کے کھونے سے فائدہ
دل ہی نہ ہو تو کیا کوئی آہ وفغاں کرے
کیا سرگذشت درد تمنا بیاں کرے
تجھ پر ہزار بار ستم آسماں کرے
ٹھنڈے جلا جلا کے ترے استخواں کرے
ہاں او ادیب منشی جادو نگار نثر
برسوں اڑیں گے راکھ سے تیرے شرار نثر

□●□

روٹھی رانی[1]

اے زمینِ کیلوہ! اے روکش عرش بریں — خاک میں پنہاں ہے تیری کون یہ ماہ جبیں
ابر رحمت کا ہے سایہ کس کی چھتری پہ فلک! — اف! یہ کس کی خواب گاہ ناز ہے زیر زمیں
عطر افشاں کس کی چوٹی کے ہی پھولوں سے مشام — بھینی بھینی ہے ہوا میں بوے زلف عنبریں
کس ستی کی یہ زیارت گاہ ہے! او آسماں! — اٹھ رہے ہیں جس سے لب تک شعلہ ہائے آتشیں
مرحبا! اے شمع عصمت خانۂ ناموس حسن — آفریں! اے قفتہ سوز وفا! صد آفریں
پاک دامانی کی ہے تو وہ مقدس یادگار — تیری روح پاک کو صلی علیٰ اے نازنین
تیرے دامن تک نہ پہنچا دست دامن گیر شوق — تیرے چہرے سے اٹھا پردہ نہ اے پردہ نشیں
ایسی ضد کا کیا ٹھکانا! اف ری! خودداری تری — مر کے نکلی اے اُما! آخر تری چین جبیں

تو وہ ستو نتی تھی اے پروردۂ دامان حسن
بن کے ٹوٹا شیشۂ ہستی ترا پیمان حسن

ننگ و ناموس وفا کی او مبارک یادگار — لاکھ جانیں پاک دیوی! تیری عصمت پر نثار
اے قتیل عشق! اے جازادۂ سوز وفا — تیرے خاکستر میں اب تک آہ! باقی ہیں شرار
ہیں تری تقدیس کے اب تک زباں پر زمزمے — حوریں اب تک آ کے کرتی ہیں ترا طواف مزار
آہ! اے سچی ستی! اے زندۂ جاوید عشق — تیری شہرت کے نشاں ہیں آہ! اب تک یادگار
آتی ہے اب تک زیارت کو تری خلق خدا — جمع ہوتے ہیں پرستش کو تری اہل دیار
لالہ و گل ہیں شگفتہ اب بھی چھتری پر تری — تیرے پھولوں میں ہے اب بھی آہ! اک جوش بہار
اب بھی تیری خاک پر اے لعبت رنگیں ادا! — بھینی بھینی پڑ رہی ہے ابر رحمت کی پھوہار

تو لیے جاتی تو ہے پر ہے۔اماناز ک مزاج بار خاطر ہوں نہ او بادِ صبا! پھولوں کے ہار
منہ چھپا کر نازنیں پھولوں کی چادر میں ابھی
سو گئی ہے روٹھ کر آغوشِ شوہر میں ابھی

---

۱ منظومہ 1907 کیلوہ میں راجپوتانہ کی مشہور رانی اماوے بھٹانی جو روٹھی رانی کے نام
مشہور ہیں ستی ہوئی تھیں۔اب یہیں ان کی سمادھی بنی ہوئی ہے۔

❑❑❑

چتوڑ کی گذشتہ عظمت

خاک میں تیری بسالت کے وہ جو ہر ہیں کہاں
سرنگوں ہے اب زمیں پر تیری عظمت کا نشاں
رزم گہہ میں باندھ کر اپنی ہوا دو چار دن
کھول کر کیوں تو نے رکھ دی او تیغ وخوں فشاں
اب وہ مغفر ہے۔نہ بکتر ہے۔نہ جوشن ہے نہ خود
تیرے مردانِ دلاور کا وہ زیور ہے کہاں
آہ! جس لوہے پہ اے چتوڑ تھا تجھ کو غرور
تیرے پاؤں میں پڑا آخر وہ بن کر بیڑیاں
خوں رلاتی ہے تیری نوک سناں کو دل کی یاد
بن کے نشتر لیتی ہے اب تک جگر میں چٹکیاں
او کماں کش! یاد کرکے کارناموں کو ترے

روتی ہے رکھ رکھ کے پلہ تیر کامنہ پر کماں
دل میں گھر کرتی نہیں اب تیری نیزوں کی خلش
نوک کی لیتی نہیں اب آہ! تیری برچھیاں
بجھ کے ٹھنڈی ہوگئی خون میں وہ تیغ آبدار
آگ جس میں آہ! تھی دوزخ کے شعلوں کی نہاں
صفحۂ تاریخ جن قصوں سے خوں میں ہیں رنگے
تیرے سوفاروں کے لب پر ہیں وہ اب تک خون چکاں
مٹ گیا افسوس! تیرے تاجداروں کا غرور
وہ بسالت کے نہ طرّے ہیں نہ بانکی کلفیاں
پھول ہیں شہرت کے تیرے آہ! کملائے ہوئے
تیرے گلشن میں ہے اب چھائی ہوئی ہر سو خزاں
خونچکاں ہے تیرے کشتوں کا کفن زیر زمیں
رنگ لایا آہ! آخر انقلاب آسماں
وہ غرورِ تاجداری ہے نہ وہ شانِ شہی
خاک کے پیوند ہیں اب آہ! تیرے حکمراں
جن پہ طرّے تھے بسالت کے لٹکتے اب وہ سر
کنج مرقد میں ہیں وقف بالش سنگ گراں
رزم میں داد شجاعت دی تھی اکبر کے خلاف
خون پانی ایک کرکے تیرے شیروں نے جہاں
مدتوں لوہے سے لوہا ہر جگہ بجتا رہا

تھے جہاں تیغ آزما کلہ بہ کلہ دو 2 جواں
کارناموں کو تیرے بھولی نہیں وہ سر زمیں
تیری عظمت کی ہے اب تک آہ لب پر داستاں
اب کہاں ہے آہ! وہ بحر تہور کانگ
جس کی ہیبت سے دہلتے تھے زمیں و آسماں
خوں اگلتی ہے لحد میں اب وہ تیغ شعلہ رنگ
جس نے برسوں تھیں حریفوں پر گرائی بجلیاں

□□□

معرکۂ عشق

مرحبا! مرحبا! اے شاہد رعنائے جمال　　حبذا! حبذا!!! اے بہشتِ زیبائے جمال
مرحبا! مرحبا!!! اے انجمن آرائے جمال　　حبذا! حبذا!!! اے برق تجلائے جمال
شوخی حسن خود آرا ہے قیامت تیری
ہے ہر اک پیکر تصویر میں صورت تیری
جلوہ گر ہے جو ترا عشوۂ جانانہ حسن　　بزم قدرت کا مرقع ہے پری خانۂ حسن
تیری محفل میں مہ و مہر ہیں پروانہ حسن　　کہ تجلی ہے تری زینتِ کاشانۂ حسن
بزم ہستی میں وہ آئینۂ خود بیں ہے تو
ہو کے ظاہر بھی حجاب رخ تزئین ہے تو

لاکھ پردوں میں ہے پھر بھی تری تصویر عیاں　　کہ ہے بے پردہ ترے حسن کا انداز نہاں
تو ہے وہ عشوہ گر حسن وہ صناع جہاں　　کہ ترے وصف میں قاصر ہے فرشتوں کی زباں

جلوہ افروز جو تو پردۂ ایجاد میں ہے
شوخیِ برقِ ازل حسن خداداد میں ہے

دختر اک والیِ قنوج کی تھی ماہ جبیں　　پیکر حسن خدا داد و سراپا تمکین
زہرہ وش حور لقا وسمن اندام وحسین　　غنچہ لب غیرت گل پاک نظر پردہ نشیں

سادگی میں وہ ادا تھی کہ پری زاد تھی وہ
شوخیِ حسن میں برق ستم ایجاد تھی وہ

کوٹ کر سحر بھرا چشم فسوں ساز میں تھا　　لب میں اعجاز تھا جادو نگہ ناز میں تھا
فتنۂ حشر کا عالم قد طناز میں تھا　　جلوۂ برق ازل حسن کے انداز میں تھا

فتنہ حسر تھے گیسوے معنبر دونوں
کہ درازی میں تھے قامت کی برابر دونوں

قد میں وہ فتنہ گری تھی کہ قیامت تھی نثار　　رخ میں وہ جلوہ گری تھی کہ قمر آئینہ دار
دن مرادوں کے تھے اور جوش جوانی کا ابھار　　نشۂ حسن میں رہتی تھی وہ ہردم سرشار

شکل زیبا بھی عجب اس پہ عجب زیبا نام
یعنی اس لعبت زیبا کا تھا سنجگنا نام

در فردوس تھی۔ دختِ سمن اندام نہ تھی　　تھی پرستاں کی پڑی شاہد گلفام نہ تھی
صدمۂ عشق سے آگاہ وہ خود کام نہ تھی　　گردش چشم سیہ گردش ایام نہ تھی

مرغ جاں پھنس کے کسی زلف کا نخچیر نہ تھا
دل کو اندوہ گراں باریٔ زنجیر نہ تھا

تھی جو دوشیزہ وہ ناطنورۂ عصمت پیکر اس مسیحا کو نہ تھی درد محبت کی خبر
شہ نے جب دیکھا کہ ہے قابل شادی دختر چولی دامن کا تعلق ہوا منظور نظر
دل میں سوچا کہ سیانی ہوئی اب دخت حسین
کسی آغوش کے ہالے کی بنے ماہ جبین
اس زمانے میں جو تھی رسم سوئمبر کی ضرور منعقد کی شہ ذی جاہ نے اک بزم سرور
سن کے شادی کی خبر حسب رواج و دستور رونق افروز ہوئے بزم میں شاہان غیور
جمع اس غیرت یوسف کے خریدار ہوئے
دولت حسن کے چرچے سر بازار ہوئے
بھونرے منڈلاتے ہوئے سوئے گل تر آئے اڑ کے فانوس پہ پروانۂ مضطر آئے
جاں نثار ان وفا بزم میں اکثر آئے سرفروشی کو ہتھیلی پہ لیے سر آئے
جلوہ افروز مگر راجۂ دہلی نہ ہوا
قیس آشفتہ پئے غیرت لیلیٰ نہ ہوا
راجہ ! جے چند کو کب تھی یہ گوارا تحقیر ہوا برگشتہ ندامت سے مزاج دلگیر
آج دہلی کی جو منظور نظر تھی تشہیر سر محفل یہ دیا حکم کہ شہ کی تصویر
صف خدام میں استادہ ہو دربان ہو کر
انجمن میں نہ رہے زیب شبستاں ہو کر
ناگہاں بزم میں آیا نظر اک شعلۂ طور یعنی خلوت سے برآمد ہوئی وہ غیرت حور
حسن وہ حسن سرتابقدم بقعہ نور بادۂ خوش خوانی میں غضب کی مخمور
صفِ عشاق کو کرتی ہوئی بسمل آئی
ناوکِ ناز لگاتی سر محفل آئی

خوش نما ساعد سیمیں میں وہ کنگنا زیبا　　دست نازک حنا آلودہ وہ زیبا زیبا
قد موزوں پہ عروسی کا وہ جوڑا زیبا　　گوری گوری وہ جبیں چاند سا مکھڑا زیبا
رخ گل رنگ پہ گلگونہ شادی کا وہ رنگ
اس پہ سونے میں سہاگہ تھی جوانی کی امنگ

ہاتھ میں ہار لیے رشک گلستاں ہوکر　　آئی وہ آفتِ جاں فتنۂ دوراں ہوکر
حسن چمکا جو چراغ تہہ داماں ہوکر　　رہ گئے اہل نظر بزم میں حیراں ہوکر
کون اس آئینہ سیما کا طلبگار نہ تھا
فیصلہ قسمت عشاق کا تھا ہار نہ تھا

نگہ ناز سے ایک ایک جواں کو تاکا　　اک نشانہ سے ہزاروں دل و جاں کو تاکا
سونگھا اس پھول کو اس سرو رواں کو تاکا　　حسن اور عشق کے انداز نہاں کو تاکا
نظر آیا نہ مگر عقد کے قابل کوئی
کر سکا آہ! نہ صیاد کو بسمل کوئی

جتنے تھے راج کنور پیکر حسرت ہوکر　　رہ گئے بزم میں آئینہ حیرت ہوکر
پھر گئی چشم سیہ گردشِ قسمت ہوکر　　کہہ رہا ہار وہ تصویر کی زینت ہوکر
کسی پروانہ کی گردن میں حمائل نہ ہوا
شعلہ حسن چراغ سر محفل نہ ہوا

سر محفل جو پتنگوں کا نصیبا بگڑا　　کھنچ کے اس انجمن عیش کا نقشا بگڑا
شاہزادی سے مزاج شہ والا بگڑا　　کہا او دشمن ناموس ترا کیا بگڑا
بزم میں پیکر آئینۂ تزئیں ہوکر
رنگ محفل کا بگاڑا بتِ خود بیں ہوکر

پھر کہا شہ نے کہ اے دختِ نکو ہیدہ خصال — میری عزت کا نہ افسوس ہوا تجھ کو خیال
آہ! اے سیمبر اے گوہر یکتائے جمال — تیرے قابل نہیں ہرگز یہ برنجی تمثال
نقش کیوں دل پہ محبت تری تصویر کی ہے
یہی کم بخت تو باعث مری تحقیر کی ہے

جمع ہے بزم میں دلدادۂ شیدا اکثر — ہیں ہوا خواہ ترے اے گل رعنا اکثر
سر ہیں سودا زدۂ زلف چلیپا اکثر — تیرے پروانے ہیں او شمع دل آہوا اکثر
کیا کوئی اور نہیں عقد وفا کے قابل
کتنے دل ہیں گرہ زلف دوتا کے قابل

غضب آلودہ سخن یہ سر محفل سن کر — کانپ اٹھی شعلہ صفت بزم میں وہ رشک قمر
پھر بصد عجز و سماجت ہوئی گویا کہ پدر — آپ مختار ہیں میں آپ کی ہوں لختِ جگر
منہ سے راجوں کے مگر یہ نہیں زیبا تقریر
دل شکن یہ مجھے کیونکر ہو گوارا تقریر

آپ کی آہ بجا لاؤں ہدایت کیوں کر — توڑوں میں رشتہ پیمان محبت کیونکر
ہو گوارا کسی بیگانے سے نسبت کیونکر — اب نبوں غیر کے آغوش کی زینت کیونکر
کسی گردن میں حمائل ہو یہ وہ ہار نہیں
آہ آرائش محفل ہو یہ وہ ہار نہیں

دیکھ کر رنگ یہ حیرت زدہ راجا ہو کر — رہ گیا غصہ و اندوہ کا پتلا ہو کر
شہ کی چتون جو پھری آہ نصیبہ ہو کر — پابہ زنجیر ہوئی شاہد رعنا ہو کر
رہی کاہش میں جو پابند سلاسل ہو کر
رہ گئی چاند کا ٹکڑا مہ کامل ہو کر

بیڑیاں آہ! پڑیں پاؤں میں چھاگل بن کر　　طوق گردن میں رہا حسن کی ہیکل بن کر
سایہ بختِ سیہ زلف مسلسل بن کر　　دوش نازک پہ پریشاں ہوئی آنچل بن کر

زیور حسن جو اترا نہ سلاسل ہوکر
ہنسلیاں رہ گئیں گردن میں حمائل ہوکر

دل فریبانہ وہ اب حسن کا انداز نہ تھا　　دم بخود تھے لب جاں بخش پہ اعجاز نہ تھا
نشتر جاں تا خدنگ نگہہ ناز نہ تھا　　نقش اندوہ وفا تھا قدِ طناز نہ تھا

جوے خوں جگریٔ غازۂ رعنائی تھی
حیرت آئینہ تزئین میں خود آرائی تھی

پابہ زنجیر جنوں وہ گل رعنا ہوکر　　سب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی کانٹا ہوکر
رہ گئی عشق کے آزار کا پتلا ہوکر　　گھل گئی درد محبت سے مسیحا ہوکر

بند زنجیروں میں بھی وہ مہ کامل کب تک
کہ خیال رخ دلدار سے غافل کب تھی

□□□

شہر آشوب[1]

نہ جوش گل ہے نہ وہ کنج خوش گوار چمن
رہی نہ آہ! وہ رعنائی بہار چمن
کیا خزاں نے عجب رنگ سے فشار چمن
رہا نہ آہ! کوئی پھول یاد گار چمن

ہوا بدل گئی باد صبا کے دن نہ رہے
برس رہی ہے اُداسی گھٹا کے دن نہ رہے
وہ لالہ زار وہ پھولوں کی انجمن ہے کہاں
وہ جوش سنبل وریحان وہ یاسمیں ہے کہاں
نکیلی کلیوں میں وہ دلرُبا پھبن ہے کہاں
وہ کم سنی کی ادائیں وہ بانکپن ہے کہاں
وہ رنگ روپ عروس بہار کا نہ رہا
شباب ڈھل گیا عالم اُبھار کا نہ رہا
گلوں کی سرخ قبائیں کدھر گئیں ہے ہے
وہ بلبلوں کی صدائیں کدھر گئیں ہے ہے
وہ بھینی بھینی ہوائیں کدھر گئیں ہے ہے
وہ اُودی اُودی گھٹائیں کدھر گئیں ہے ہے

1 یہ مسدس اس وقت کا لکھا ہوا ہے جب فخر ہند لالہ لاجپت رائے صاحب کی جلاوطنی اور ایڈیٹر ہندستان لاہور کی سزایابی کا رنج تازہ تھا۔ جب راولپنڈی کے بے گناہ محبان وطن ایک سخت الزام ناروا کی بلا میں گرفتار اپنی قومی محبت کی پاداش میں حوالات کی مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ اب شکر ہے کہ ان کی بے گناہی اور بے لوثی ایک منصف جج کی عدل پروری کی بدولت تمام دنیا میں ثابت ہوگئی۔ اور برٹش عدالت کی ساکھ ملک میں مضبوط ہوگئی۔ ملک معظم کی سالگرہ کے دن لالہ لاجپت رائے بھی اپنے ملک اور وطن کو واپس ملے۔ گویا یوسف گم گشتہ پھر کنعان میں آیا۔ بہرحال یہ مسدس ایک تاریک مطلع کی پُردرد یادگار ہے۔

گلوں میں اگلی سی رعنائی جمال کہاں فضائے باغ کہاں لطف برشگال کہاں
رہے نہ آہ! وہ ساون کے خوش نما جھالے / نہ وہ گھٹا ہے نہ بادل ہیں بجلیوں والے
نہال خشک ہیں پھولوں کے خشک ہیں تھالے
نسیم کی ہیں زباں پر جلے بھنے نالے
سموم دشت کی بادِ صبا میں ہے تاثیر رگ شرار کی موج ہوا میں ہے تاثیر
شگفتہ پہلوے گل میں ہیں سیکڑوں ناسور چمن میں آبلۂ دل ہیں خوشۂ انگور
تپ دروں سے ہوئی زرد نرگس مخمور
لگی یہ کس کی نظر جو غریب ہے رنجور
رہے نہ آنکھوں میں کیف شراب کے ڈورے کدھر گئے مۓ حسن شباب کے ڈورے
چمن میں آہ! وہ تختے گلاب کے نہ رہے میان نہر وہ خیمے حباب کے نہ رہے
نظارے آہ! وہ سیلان آب کے نہ رہے
وہ ہلکے ہلکے کٹورے گلاب کے نہ رہے
رہیں نہ آہ! وہ موجوں میں شوخیاں باقی کہ آب جو کا فقط رہ گیا نشاں باقی
گلوں کے ساتھ گئی رونق بہار چمن زمیں دشت بنی تختۂ مزار چمن
نہ وہ شجر ہیں نہ وہ گل نہ برگ و بار چمن
نظر میں شہر خموشاں ہے اب دیار چمن
گلوں کے آہ! نہ رنگ بقا نصیب میں تھا کہ اک چراغ تھے سوز فنا نصیب میں تھا
چمن میں خاک اڑاتی ہے اب نسیم بہار وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں نہ بھینی بھینی پھوہار
رہی نہ آہ! وہ بگلوں کی دل فریب بہار
نہ قمریوں کی صدائیں ہیں اب نہ بانگ ہزار

وہ لطف صحبت مرغان خوشنوانہ رہا   کہ باغ میں کوئی مرغ غزل سرانہ رہا
سواد صحن چمن ہے سیاہ خانۂ زاغ   کہ اب نشیمن بلبل ہے آشیانۂ زاغ
صدائے چغد ادھر ہے ۔ ادھر ترانۂ زاغ
کہ شاخ گل پہ ہے شورش فزا فسانۂ زاغ
خروش نالہ خاطر شکن ہے سمع خراش   صدائے کرگس و بوم و زغن ہے سمع خراش
گیا بہار کا موسم خزاں کا دور آیا   شکستِ رنگ گل و ارغواں کا دور آیا
پکارتی ہے صبا۔ امتحاں کا دور آیا
سکوتِ نالہ و ضبط فغاں کا دور آیا
کرے نہ شکوۂ صیاد بلبل دل گیر   نہیں اجازت نالہ نہ ہو بلند صفیر
ہوائے دہر کی بگڑی ہے کچھ عجب تاثیر   ریاض قوم ہے اب انقلاب کی تصویر
وہ طائران چمن زاد تھے جو خوش تقریر
ترانہ سنجی کے باعث ہوئے قفس میں اسیر
غریب قید میں شام و سحر تڑپتے ہیں   قفس میں بند ہیں بے بال و پر تڑپتے ہیں
فلک زدوں کا نہیں آہ! درد رس کوئی   نہ ہم زباں ہے نہ مونس نہ ہم نفس کوئی
ہے آہ محو فغاں صورت جرس کوئی
پکارتا ہے یہ فریادیٔ قفس کوئی
اسیر کنج قفس آہ! میں غریب ہوا   یہ خوشنوائی کا مجھ کو صلہ نصیب ہوا
نسیم لے کے نہ غربت میں آئی بوئے وطن   کہ یاس بن کے رہی دل میں آرزوئے وطن
رہی نگاہ کو ہر چند جستجوئے وطن
بنا نہ آنکھ کا سرمہ غبار کوئے وطن

میں وہ غریب ہوں میرا وطن چھٹا مجھ سے　　وہ عندلیب ہوں۔ میرا چمن چھٹا مجھ سے
قفس میں آہ! ہوا میں غریب زندانی　　نہ آئی خوش مری صیاد کو خوش الحانی
وطن سے ہو کے میں نکلا اسیر سلطانی
مرے نصیب میں تھی آہ! خانہ ویرانی
تپاں ہوں صورت پروانہ انجمن کے لیے　　کہ بے قرار ہوں۔ غربت میں میں وطن کے لیے
ستم زدہ ہوں نہ بے باکیاں کرے مجھ سے　　سمجھ کے بادِ سحر شوخیاں کرے مجھ سے
صبا نہ دشت میں اٹکھیلیاں کرے مجھ سے
کہ ماجرائے وطن کچھ بیاں کرے مجھ سے
بہت دنوں سے وطن کی خبر نہیں آئی　　کوئی رہائی کی صورت نظر نہیں آئی
ہوا نہ کچھ مری فریاد کا اثر اب تک　　کہ ہے پھری ہوئی صیاد کی نظر اب تک
یہ بدگماں کو کسی نے نہ کی خبر اب تک
کہ چیختا ہے وہ مرغ شکستہ پر اب تک
زباں پہ شور ہے فریاد صبح گاہی کا　　کہ ہے قفس میں گلہ اپنی بے گناہی کا
ہزار جرم بغاوت کا ہے شکار غریب　　خدا گواہ ہے شہ کا ہے جان نثار غریب
اگرچہ قید میں ہے خستہ و نزار غریب
وطن کی پھر بھی ہے خدمت کو بے قرار غریب
زبان پہ اَب بھی ہیں حب وطن کے گیت وہی　　کہ دیس سے ہے بدیسی کو اب بھی پیت وہی
وہی وطن کا ہے سواد۔ وہی ہے یاد وطن　　کہ دشت میں بھی ہے پیش نظر سواد وطن
جگر خراش ہے غربت میں رودادِ وطن
سنا ہے وقف خزاں ہیں گل مراد وطن

قبائے سبزۂ نورس ہے تابداماں چاک چمن میں لالہ وگل غم سے ہیں گریباں چاک
نہ آبرو ہے نہ وہ رنگ وبو نہ حسن قبول کہ ہیں زمیں پہ پامال اب وطن کے پھول
جہاں گلوں کے تھے تختے وہاں جمے ہیں ببول
ہوائے دہر کا ہے آہ! کچھ عجب معمول
ہوا ہے وقفِ خزاں آہ! گلشنِ پنجاب کہ بلبلوں سے ہے خالی نشیمن پنجاب
ادھر ''یگانہ'' خدنگ جفا کا ہے نخچیر کمندِ غم میں ادھر بندے ماترم ہے اسیر
دکھا رہی ہے عجب رنگ گردشِ تقدیر
کہ پائے اہل قلم میں ہے آہنی زنجیر
الٰہی خیر ہو یہ شور داروگیر ہے کیا یہ حال ملک کا اے داور قدیر ہے کیا
ادھر اسیر ہے زندان میں آہ! پنجابی سرشک خون سے ہے آنکھوں کا رنگ عنابی
ادھر ہے کشتیٔ ''ہندوستان'' بھی گردابی
محیطِ دہر کی گردش مگر ہے دولابی
یہی ہے حال تو ہے قوم کا خدا حافظ فلک کمیں میں ہے۔ سر پر قضا خدا حافظ
عجب طرح کا ہے طاری دلوں پہ بیم وہراس ہراک بشر کے ہے لب پر صدائے حسرت ویاس
نہیں ہیں قوم کے اجزا کے آہ! جمع حواس
کہ ہے دلوں پہ ہجوم الم برون زقیاس
نہ ہے اجازت شیون نہ حکم نالوں کا شریک کون ہو یارب شکستہ حالوں کا
زوال کی نظر آتی ہے چار سو تصویر یہ انقلاب ہے کیا! یا نصیب ! یا تقدیر
نہیں ہے ملک کی حالت جو قابل تحریر
زباں کلک پہ فریاد ہے بجائے صریر

دلوں سے عیش گیا رنج و غم کا دور آیا   کہ سال نو نہیں آیا ستم کا دور آیا
اسیر طوق گراں ہیں وہ بدنصیب وکیل   جو آہ! ملک کے محسن تھے قوم کے تھے کفیل
زبان پہ شکوۂ بیداد ہے نہ قال نہ قیل
عدو کمیں میں ہیں۔ حکام درپے تذلیل

بلا کشوں پہ ہیں یہ سخت گیر یاں کیسی   غضب کی ہیں کھلے بندوں اسیر یاں کیسی
گھٹا دلوں پہ ہے بیم وہراس کی طاری   ستم زدوں کی کرے آہ کون غم خواری
نہ پاس مہرو وفا ہے نہ وہ خود ایثاری
کہ آہ! قوم کا شیوہ ہے اب دل آزاری

فلک زدوں کا ہو کیا خاک چارہ جو کوئی   ملے لگا کے شہیدوں میں کیوں لہو کوئی
دہائی کتنی ہی آفت زدہ مچائے کوئی   پڑی ہے کیا جو کسی کی لگی بجھائے کوئی
ہزار سوز تپ سے تلملائے کوئی
پرائی آگ میں کیوں اپنا گھر جلائے کوئی

گرے جو برق تو کس کی مدد کرے کوئی   فلک جو ٹوٹے تو کیا جہد وجد کرے کوئی
کسی کے غم میں جگر کو نہ تو گداز کرے   وفا جفا میں نہ اے قوم امتیاز کرے
نثار تجھ پہ کوئی کیا سرنیاز کرے
تری وفا پہ کوئی آہ! خاک ناز کرے

وفا کا حوصلہ تیری سرشت میں ہے کہاں   یہ لفظ آہ! تری سرنوشت میں ہے کہاں
ملا ہے دل کے عوض آہ! تجھ کو پارۂ سنگ   نہ جوش حب وطن ہے نہ درد ہے نہ اُمنگ
بجا ہی تیغ حوادث سے تو جو ہے چورنگ
کہ پاس وضع ہے تجھ کو نہ آہ! غیرت ونگ

دماغ ست خیالات پست ہیں تیرے گلے اسیر کمند شکست ہیں تیرے
جگر پہ کھائیں جو تیرے لیے سناں کا وار کمر کا بینے، پہلوے ناتواں کا وار
انھیں پہ ہو تیری تیغ شرر فشاں کا وار
تیرے شہید بچائیں کہاں کہاں کا وار
تڑپ تڑپ کے نہ توڑیں غریب دم کیونکر کہ ناتواں ہیں۔ یہ دہرے سہیں ستم کیونکر
ترے لیے ہوں جو پابند حلقۂ زنجیر ترے لیے جو بہ شہر و دیار ہوں تشہیر
بنائیں جو ترے ذروں کو آہ! مہر منیر
کریں عروج کی تیرے جو کوشش و تدبیر
انھیں کی جان کی خواہاں ستم شعار ہو تو الجھ کے آہ! انھیں کے گلے کا ہار ہو تو
جگر نگار جدا دل ہے درد مند جدا کہ قومیت کے ہے پتلے کا بند بند جدا
روش جدا ہے طریقہ جدا پسند جدا
کہ ایک ایک کے ہے درپے گزند جدا
یہ غیریت مرے پروردگار کیسی ہے روش یہ قوم نے کی اختیار کیسی ہے
یہ آہ! قوم میں ہنگامۂ خروش ہے کیا یہی وطن کی محبت کا آہ! جوش ہے کیا
یہ شور مجمع یاران کینہ کوش ہے کیا
کہ دارو گیر یہ چرخ ستم فروش ہے کیا
غضب کی ملک میں ہیں شورہ پشتیاں کیسی کہ ہیں یہ قوم کے دنگل میں کشتیاں کیسی
عجب سکوت کے عالم میں ہیں اکابر قوم کہ ہیں نگاہ میں وحشت فزا مظاہر قوم
ہیں ان کی سال عجب بد نما مناظر قوم
کہ فرد فرد ہے مجموعۂ عناصر قوم

نفاق کی یہ مسلط دلوں پہ ہے تاثیر   عجب نہیں کہ نہ ہو امتزاج شکر و شیر
یہ انقلاب ہے کیا! آسمان ناہنجار   کہ سارا ملک ہے اب خانہ جنگیوں کا شکار
نفاق و بغض و حسد آہ! قوم کا ہے شعار
کہ ہیں عروج کے بدلے زوال کے آثار

ہراک دیار میں بازار رست خیز ہے گرم   ہر ایک شہر میں ہنگامۂ ستیز ہے گرم
چھپے ہوئے نہیں کچھ واقعات بارے سال   کہ ہے عجیب کشاکش میں مشرقی بنگال
غضب کا ملک میں ہلڑ مچا ہے اب کی سال
فلک زدوں کی مصیبت کا کچھ نہ پوچھو حال

ہزاروں دامن ناموس و ننگ چاک ہوئے   ہزاروں لاکھ کے گھر جل کے آہ! خاک ہوئے
چراغ امن داماں تھا جو آہ! جلوہ فروش   وہ بجھ کے صرصر فتنہ سے ہوگیا خاموش
بہت غریب ہیں صحرا میں آہ! خانہ بدوش
صدائے نالہ کا پہنچا ہے آسماں پہ خروش

فلک زدوں کا نہیں آہ! غم گسار کوئی   کرے نہ شکوہ بیداد روزگار کوئی
وہ نامراد ہیں ٹوٹے ہیں ہم پہ قہر بہت   کہ اب کی تختۂ مشق ستم شہر ہیں بہت
فلک نے اگلا ہے آفت زدوں پہ زہر بہت
خلاف چل رہی ہے آب ہوائے دہر بہت

ابھر ابھر کے مٹے آہ! حوصلے اکثر   کہ ہیں کمند سے گھونٹے گئے گلے اکثر
شہید تیغ جفا کوئی غم نصیب ہوا   عدو زمانہ ہوا۔ آسماں رقیب ہوا
اسیر خانۂ زنداں کوئی غریب ہوا
جدا وطن سے وطن کا کوئی حبیب ہوا

شکار تہمت بے جا ہے غم زدہ کوئی اسیر طوق بلا ہے ستم زدہ کوئی
فلک کا طرز ستم آہ! ہوگیا ہے اصول ہر اک طرف ہے بلاؤں کا آسماں سے نزول
نہ پھول سا ہے وہ چہرہ نہ آب وہ حسن قبول
کہ آہ! قوم کی حالت ہے قریب زبول
گھلا دیا ہے تپ سوزش نہانی نے کیے ہیں ظلم بہت دور آسمانی نے
مئے نفاق ہے لبریز آبگینوں میں کہ جوش حب وطن اب کہاں کمینوں میں
کدورتیں ہیں دلوں میں عناد سینوں میں
کہ تفرقہ ہے قیامت کا ہم نشینوں میں
نفاق و کینہ ہے ایمان قوم واویلا کہ فرد فرد ہیں ارکان قوم واویلا
بھنور میں قوم کا بیڑا ہے پار کیونکر ہو نجات دیکھئے پروردگار کیونکر ہو
زمانہ ہم سے جو ہو ساز گار کیونکر ہو
نہ باغیوں میں ہمارا شمار کیونکر ہو
جبیں سے آہ! بغاوت کا خاک داغ مٹے مٹے یہ جب کہ تعصب کا سبز باغ ملے
ہو حشر دیکھئے کیا ہم سے روسیاہوں کا کہ گھونٹتا ہے گلا چرخ بے گناہوں کا
شریک حال نہیں کوئی داد خواہوں کا
دھواں فلک پہ ہے پہنچا ہماری آہوں کا
پولس کی آہ! یہ خفیہ ہیں سازشیں کیسی یہ مارلی کی ہیں ہم پر نوازشیں کیسی
نہ ڈھنگ کر مرے صیاد اختیار نیا کہاں سے لائے گا ہر روز اک شکار نیا
چڑھا نہ تیر پہ پیکان آبدار نیا
کہ روز روز ملے گا نہ جاں نثار نیا

بچاؤ ناوک بیداد سے اگر کوئی ملے گا دوش پہ ڈھونڈے نہ تجھ کو سر کوئی
بدن میں تیرے اسیروں کے آہ! جان کہاں لگا نہ تیر کہ یہ وقت امتحان کہاں
ترا خیال کدھر ہے ترا گمان کہاں
قیاس پہنچا ہے تیرا خدا کی شان کہاں
بنا جگر کو نشانہ نہ تاک کر صیاد کہ طائران چمن ہیں شکستہ پر صیاد
چمن میں گیت انھیں آزادیوں کے گانے دے وطن کے پھولوں پہ صیاد! چہچہانے دے
فلک کو ان پہ نہ برق ستم گرانے دے
کہ ان کی کشت تمنا کو لہلہانے دے
اسیر دام محبت یہ مرغ ہیں صیاد کرم! کہ درخور شفقت یہ مرغ ہیں صیاد
خدنگ غم سے ہیں بسمل دل و جگر ہیہات ترے اسیر ہیں صید شکستہ پر ہیہات
نثار قدموں پہ تیرے ہزار سر ہیہات
شہا! ادھر بھی کوئی لطف کی نظر ہیہات

کرم! کرم! کہ ہیں ہم تیرہ روز گاروں میں
کرم! کرم! کہ ہیں تیرے وفا شعاروں میں

□●□

بدنصیب بنگال

آہ! اے بنگال ! آلام و مصائب کے شکار
آہ! اے کرزن کی پالیسی کی صید بے قرار
آہ! اے نخچیر ناوک خوردۂ دست اجل
آہ! اے خونیں جگر خونیں کفن خونیں مزار
آہ! اے محنت کش وحرماں نصیب و دردمند
آہ! اے برگشتہ ایام و پریشاں روز گار
آہ! اے مجمر فروز آتش سوز دروں
آہ! اے خونبان بہ زیر گریۂ بے اختیار
آہ! اے لذت حش ذوق مئے حب وطن
آہ! اے جرعہ کش زہراب تیغ روزگار
آہ! اے آماج گاہِ ناوک جورِ فلک
آہ! اے صیدِ زبوں شوریدہ حال و بے قرار
آہ! اے بنگال! اے ذلت نصیب و مبتذل
کیا ہوئی وہ تیری عظمت کیا ہوا تیرا وقار
مل گئیں تیری وفائیں خاک میں سب ہائے ہائے!
ہوگیا حکام کی نظروں میں تو بے اعتبار

اٹھ گیا فرق سعادت سے ترے تاج شرف
اشک حسرت بن کے ٹپکے تیرے درشاہوار
اب نہ وہ تو ہے نہ تیری سرزمین عیش ہے
اب نہ وہ دن ہیں نہ راتیں ہیں نہ دور روزگار
اب نہ ساقی ہے وہ نہ مطرب ہے نہ مینا ہے نہ مے
اب نہ وہ تیری شبستاں ہے نہ گل و بہار
اڑ رہی آہ! اب تیرے سیہ خانے میں خاک
شام ماتم سے مبدل ہے تیری صبح بہار
تیرے پھولوں میں ہے عالم زخم دامن دار کا
خوں رلاتی ہے نگاہ شوق کو تیری بہار
اب کہاں وہ تیرے مرغان چمن کے زمزمے
اب نہ وہ قمری کی کوکو ہے نہ گلبانگ ہزار
اب نہ وہ پھولوں کا تختہ ہے نہ کنج خوش نما
ہیں چمن میں کچھ خس وخاشاک عبرت یادگار
چھا گئی کیوں تیرے پھولوں پر خزاں بےوقت آہ!
کس نے ہے ہے لوٹ لی تیری گلستاں کی بہار
دل کو برماتا ہوا گزرا جگر سے کس کا تیر!
ہو گیا تو کس شکار افگن کے ناوک کا شکار
کس کی تیغ ناز نے دل پر تیرے چرکے دیے
مرغ بسمل کی طرح جو ہے زمیں پر بے قرار

کر کے دو ٹکڑے کلیجے کے تیرے یہ آہ! کون
چل دیا تجھ کو تڑپتا چھوڑ کے بیگانہ وار
کیوں ابھی سے چھا گئی تاریکی شب ہائے غم
تیرا سورج آنے پایا تھا نہ! تانصف النہار
کیوں پچھاڑوں پر پچھاڑیں کھا رہا ہے ہائے تو!
تیرے ارمانوں کا کس نے آہ! کر ڈالا فشار
پھر گئی کرزن کی تجھ سے آہ! کیوں چشم کرم
آسماں گردش میں ہے تیرے مٹانے کے لیے
جاں فروشی تیرا شیوہ جاں نثاری تھا شعار
دیکھیے ہوتا ہے تیرا حشر کیا انجام کار
کرزن بیداد ضو اہل پولس حکام وقت
تو ہوا اف نہ کس کس کی جفاؤں کا شکار
لب پہ تھی جو آہ! اک اظہار ماتم کی صدا
کچھ سکوں تھا جس سے تیرے دل کو کچھ صبر و قرار
شاق گذری دل پہ ایسی نکتہ چینوں کے ترے
ہو گئی خاموش وہ بھی گونج کر۔ پایاں کار

□□□

ہے تباہی پر تباہی اور ستم پر ہیں ستم
رحم کے قابل ہے لب افسوس تیرا حال زار
اضطراب دل سے ہو بس اب نہ سرگرم فروش
صبر کر آخر ہے مظلوموں کا بھی پروردگار
تیری شہرت کے نشاں بنگال! مٹ جائیں گے کیا
میٹ دے سو بار تجھ کو آہ! دور رزگار

□□□

نرم و گرم فریق 1

فخر وطن ہیں دونوں اور دونوں مقتدر ہیں ہیں پھول اک چمن کے اک نخل کے ثمر ہیں
اے قوم تیرے دکھ کے دونوں ہی چارہ گر ہیں دونوں جگر جگر ہیں لیکن دگر دگر ہیں
آپس کے تفرقوں سے ہیں آہ! خوار دونوں
اغیار کی نظر میں ہیں بے وقار دونوں
مل کر چلو کہ آخر دونوں ہو بھائی بھائی بھائی سے کیا لڑائی بھائی سے کیا برائی
کب تک یہ خانہ جنگی کب تک یہ خودستائی زیبا نہیں بڑوں کو پندار خود نسائی
مل کر گلے نکالو دل کا غبار دونوں
اک خاک کے ہو پتلے پایان کار دونوں

تا چند یہ فسانے غم ہائے متصل کے غیروں کو کیا دکھاتے ہو داغ اپنے دل کے
آلے ہوئے ہیں پہلو میں زخم آہ! چھل کے ہو جائے پار کشتی کوشش کرو جو مل کے
برپا ہے شور طوفاں ہو ہوشیار دونوں
کردو بھنور سے قومی بیڑے کو پار دونوں
رشک جناں بناؤ ہندوستاں کو مل کر خون جگر سے سینچو اس گلستاں کو مل کر
لہراؤ آسماں پر قومی نشاں کو مل کر دو آب جاں نثاری نوک سناں کو مل کر
میدان جدوجہد کے ہو شہسوار دونوں
حب وطن پہ کردو دل کو نثار دونوں

□□□

ایک غریب الوطن محبّ 1 قوم

اک محبّ قوم کی ہو آرزوؤں کا فشار
تجھ پہ تُف ہے! تجھ پہ تف! اے انقلاب روزگار
آہ! اک فخر وطن ہو خانہ برباد وطن
وادیٔ غربت میں ہو یاد وطن میں بے قرار
اک حبیب قوم ہو تجھ سے جدا اے قوم حیف!
تیرے غم میں نوحہ خواں غربت میں ہو اک غم گسار
ایک جاں بازِ وطن کا قصہٴ ایثار نفس
آہ! یوں اہل وطن کی ہو زباں پر یادگار

غم کی زنجیروں میں ہو جکڑا ہوا اک فخرِ قوم
ایک ناکردہ گنہ کا مجرموں میں ہو شمار
ایک مرغِ نو گرفتارِ قفس صحرا میں آہ!
ہم صفیرانِ چمن کے غم میں ہو سینہ فگار
دل میں ہو یادِ وطن آنکھوں میں ہو لختِ جگر
اشکِ گلگوں یوں دکھائیں آہ دامن پُر بہار
اک وطن کا پھول یوں آنکھوں میں کھٹکے اے فلک
آہ! یوں نشتر رگِ جاں میں چبھوئے نوکِ خار
ملک کی خدمت سے ہو محروم اک جاں بازِ ملک
توڑتا زنداں میں دم ہو ملک کا اک جاں نثار
وادیٔ غربت میں ہو سرگرم آہنگ خروش
لب پہ ہو یادِ وطن میں نالۂ بے اختیار
ہو جو دل سے جاں نثار دولت برطانیہ
آہ! ایسے باوفا کا باغیوں میں ہو شمار
بد گماں ہو بے سبب اپنے وفاداروں سے تو
آہ! اے برٹش حکومت! آہ اے نصف شعار
ہائے! اک فخرِ وطن کو ہو جلا وطنی نصیب
تیرے دامن پر رہیں گے کتنے دھبے یادگار
کس کو روئیں کس کو پیٹیں کس کا ہم ماتم کریں
اے زمیں اے آسماں! اے گردشِ لیل ونہار

آہ! اے قوم! آہ اے حرماں نصیب و درد مند
اٹھتے جاتے ہیں جہاں سے آہ! تیرے جاں نثار
برق خاطف ہے کہیں میں اور فلک ارہ بکف
تیرے نخل آرزو میں خاک آئیں برگ وبار
دل پہ تونے اور اک چرکا دیا او آسماں!
رام[2] کے غم میں ابھی تھیں اپنی آنکھیں اشک بار
اس سے بہتر ہے کہ مٹ جائے جہاں سے قوم تو
ہم سے اب دیکھا نہیں جاتا یہ تیرا حال زار

1۔منظومہ 1907 2۔سوامی رام تیرتھ مرحوم

فنافی الملک لالہ لاجپت رائے[1]

اے شہید ہمت مردانہ ایثار نفس — اے فنافی القوم! اے پروانہ ایثار نفس
آہ! اے جرعہ کش پیمانہ ایثار نفس — تو کہاں ہے! اے چراغ خانہ ایثار نفس

تیرے غم میں آہ! اے جاندادۂ سوز نہاں
ہیں برنگ برق مضطر تیرے پروانے تپاں

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہونے کو ہے — تیرا جلوہ آہ! آنکھوں سے نہاں ہونے کو ہے
یک بیک تجھ پر بغاوت کا گماں ہونے کو ہے — تو شکار اتہام دشمناں ہونے کو ہے

جس کے پیچھے تو ہوا پاداش الفت میں اسیر
تیرے ترکش میں وہ آخر کون سا ایسا تھا تیر

اے محبِ قوم! اے سرمایہ جان وطن　　　مرحبا! اے نازش اجزاے ارکان وطن
حبذا! اے جلوہ افروز شبستان وطن　　　آفریں! صد آفریں! اے جوہر کان وطن

ہو کے طوفاں میں اسیر حلقۂ گرداب تو
بن کے چمکا تاج شہرت کا دُرِ نایاب تو

ہم نے یہ مانا کہ اب تصویر حیرانی ہے تو　　　نقش حسرت ہے! سراپا درد پنہانی ہے تو
جرم الفت میں اسیر قید سلطانی ہے تو　　　جاں نثار تاج ہے اب بھی وہ زندانی ہے تو

اے حبیب ملک! تو اب بھی وفاداروں میں ہے
دولتِ برطانیہ کے اب بھی غمخواروں میں ہے

تجھ سے یاران وطن کو سرگرانی ہو تو ہو　　　تجھ پہ نازل آہ! جورِ آسمانی ہو تو ہو
تیری جانبازی کا افسانہ کہانی ہو تو ہو　　　تجھ سے مسٹر بارلے 2 کو بدگمانی ہو تو ہو

داستان غم ہے یوں تو آہ! طولانی تری
بے گناہی کی ہے شاہد پاکدامانی تری

ہم کہیں کیوں کر تری تقریر کو　　　ہم نے دیکھا ہے ترے جذبات کی تصویر کو
حلق تھا وطن سے خاطرِ دلگیر کو　　　تجھ سے نسبت آہ! کیا تھی نیزہ و شمشیر کو

باغیانہ آہ تیرا کون سا انداز تھا
تو کماں کش تھا نہ آخر کوئی تیرا انداز تھا

راست گو تھا تو خوشامد تیری عادت میں نہ تھی　　　صلح کل تھا فتنہ پردازی طبیعت میں نہ تھی
شورش انگیزی ازل سے تیری خلقت میں نہ تھی　　　آہ! داد! جاں فروشی تیری قسمت میں نہ تھی
تو وہ بلبل تھا کہ تھا صیاد تیری تاک میں　　　تو وہ آہو تھا کہ تھی تیری جگہ فتراک میں
آہ! اے فخر وطن! اے جاں فروش و جاں نثار　　　اے شہید ملک! اے برطانیہ کے غم گسار

مصلحان قوم کے مطلع پہ تاروز شمار تیری شہرت کی رہیں گی آہ! کرنیں یادگا

تو نہ ہوگا اور تری عظمت کی ہوگی داستاں

گیت گائیں گے تری تقدیس کے پیرو جواں

1۔منظومہ 1907۔یہ نظم لالہ لاجپت رائے صاحب کے جلاوطنی پر برما میں لکھی گئی تھی

2۔اس وقت کے صاحب وزیر ہند

□□□

نیرنگ زمانہ

کچھ ایسی اب کے بدلی ہے ہوائے چرخ زنگاری

بجائے آب جو ہے بوستاں میں سیل خوں جاری

کہاں وہ ٹھنڈی ٹھنڈی آہ جھڑیاں ابر رحمت کی

کہاں وہ آتش گل کی چمن میں گرم بازاری

رسیلی وہ کہاں آنکھیں نشیلی وہ کہاں چتون

کہ ہے اب نرگس مستانہ کو یرقاں کی بیماری

کہاں قمری کی وہ کوکو کہاں وہ نغمۂ دل جو

کہاں وہ آہ! طوطیٔ شکر خا کی شکر باری

کہاں وہ شوخیٔ موج خرام ناز کا عالم

ٹپکتا ہے زمیں پر آہ! سرکو کبک کہساری

خروش نالہ زاغ و زغن ہے صحن گلشن میں

کہاں وہ نغمۂ بلبل کہاں وہ نغز گفتاری
الٰہی کیا عروسان چمن کا ڈھل گیا جو بن
نہ ذوقِ جامہ زیبی ہے نہ شوق آئینہ داری
نہیں تھمتے ہیں آنسو رات بھر شبنم کے گلشن میں
فراق شاہد گل میں کیا محو عزاداری
ہر اک گل میں ہے عالم دیدۂ خوں بار عاشق کا
ہر اک شاخ خمیدہ میں ہے طالع کی نگوں ساری
خزاں چھائی ہوئی ہے کیوں الٰہی اپنے گلشن میں
نہ کلیوں میں ہے رعنائی نہ پھولوں میں طرح داری
جواب خطۂ فردوس اپنا کنج دلکش تھا
تری نہریں تھیں اے باران رحمت! جابجا جاری
تڑپتے تھے قفس میں یوں نہ مرغان چمن ہم دم
نہ تھی صیاد کو مد نظر مشق دل آزاری
وہ گل جن کی شمیم ناز سے گلشن معطر تھا
وہ کلیاں آہ! جن میں تھی کبھی بوئے وفاداری
گریباں چاک و خاک آلود ہیں صحن گلستاں میں
رخ گلگوں کی رنگت بھینی بھینی اڑگئی ساری
نگاہوں میں ہے اب وحشت کدہ کاشانہ بستاں
برا ہو تیرا نیرنگ طلسم چرخ دوّاری
بلاؤں پر بلائیں چھارہی ہیں ہند پر یارب!
ادھر طاعون وہیضہ ہے ادھر ہی قحط و ناداری

وطن ہی وہ نہیں حب وطن کا ذکر کیا ہم دم
نہ ہمدردی ہے اپنوں میں نہ دل سوزی نہ غم خواری
ارادے کردیے ہیں پست یاروں کی غلامی نے
خیال پاس حفظ وضع ہے دل میں نہ خودداری
کہاں جنس تجارت کا وہ سودا آہ! اب سر میں
کہاں ہے صنعت وحرفت کی اب وہ گرم بازاری
تلاش رزق افکار معیشت خانہ ویرانی
نصیبوں میں تری اے قوم! اب ہے ذلت وخواری
شرار غم نہاں تھا تیرے دامان تعیش میں
تری بزم طرب کی صاعقہ تھی گرم بازاری
زمیں پر سر فگندہ ہے نشاں اب تیری سطوت کا
نہ ہے وہ طرّہ زرکش نہ وہ تاج جہاں داری
ادھر پابند ہیں ہم آہ! زنجیر غلامی میں
ادھر طوق وسلاسل کی ہے زنداں میں گراں باری
ٹھکانا دین و دنیا میں نہیں آفت رسیدوں کا
اٹھاتے ہیں جو کچھ افتاد پڑتی ہے یہ ناچاری
الٰہی حاکم و محکوم میں یہ کیسی اَن بن ہے
یہ کیسی سخت مشکل ہے یہ کیسی سخت دشواری
کبھی مرہون منت، ہائے عظمیٰ ہم بھی تھے شاہا!
کبھی ہم بدنصیبوں پر بھی تھے الطاف سرکاری
نہ تھے اہل قلم پابند زنداں مذلت میں
خوشا! وہ دن کہ تھی طوق وسلاسل سے سبکساری

تشدد ہائے بے جا ہیں عبث تقصیر الفت پر
قیامت ہے کھلے بندوں اسیروں کی گرفتاری
قفس میں چیختے ہیں ہم صفیران چمن ہے ہے!
کبھی شیون زباں پر ہے کبھی ہے گریہ و زاری
دعائیں مجلس بیداد میں بھی شہ کو دیتے ہیں
زبانوں پر ہے اب بھی آہ اظہار وفا داری
یہ مانا ہم نے مفسد ملک میں ہیں چند ایسے بھی
طبیعت جنگجو ہے جن کی شیوہ جن کا غداری
مگر یہ کیا کہ ہانکا جائے سب کو ایک لاٹھی سی
یہ باتیں ہیں خلاف عدل و آئین جہاں داری
رعیت پروری میں شک نہیں تیری مگر شاہا
خدا جانے کہ بدظن ہم سے کیوں ہیں تیری درباری
عطا ہو حکم آزادی گرفتاران الفت کو
بجا لائیں گے یہ ہوکر رہا حق شرط غم خواری

□□□

قومی نوحہ

ڈھانچے میں قوم! تیرے کچھ ہڈیاں ہیں باقی　　اجڑے ہوئے چمن میں کچھ آشیاں ہیں باقی
اسلاف کے جہاں میں کچھ کچھ نشاں ہیں باقی　　وہ جو ہر شرافت تجھ میں کہاں ہیں باقی

تف تف! اے قوم! تیری حسرت نصیبوں پر
ذلت نصیباں ہیں ذلت نصیبوں پر

دل سرد ہیں رگوں میں گویا لہو نہیں ہے　　حب وطن کی ہم میں وہ آہ! بو نہیں ہے
وہ ولولے نہیں ہیں وہ آرزو نہیں ہے　　گم ہیں رہ طلب میں وہ جستجو نہیں ہے

گم کردہ کارواں ہیں جو میر کارواں تھے
بے نام و بے نشاں ہیں جو صاحب نشاں تھے

ہم فوق لے گئے تھے رفعت میں اک جہاں سے　　اونچی زمیں ہماری تھی بام آسماں سے
موتی کبھی برستے تھے تاج درفشاں سے　　آنسو ٹپک رہے ہیں یا چشم خونچکاں سے

ٹکڑے جو لعل کے تھے لخت دل حزیں ہیں
جو شب چراغ تھے وہ فریاد آتشیں ہیں

محفل میں جھملاتے ہیں کچھ چراغ اپنے　　سب اٹھ گئے جہاں سے روشن دماغ اپنے
ہیں یادگار حسرت کچھ دل میں داغ اپنے　　چھلکائے آسماں نے بھر کر ایاغ اپنے

اب آہ! وہ کہاں ہے بزم کہن کا نقشہ
بگڑا ہوا ہے یعنی اپنے وطن کا نقشہ

زاغ و زغن کا مسکن ہے آہ! اب چمن میں   دھندلی سی شمع ہے اک یاروں کی انجمن میں
پتلا ہے بیکسی کا لپٹا ہوا کفن میں   اڑتی ہی خاک حسرت اب کو بہ کو وطن میں

کیسا وطن! وطن کا اک نام رہ گیا ہے
اس میکدہ میں باقی اک جام رہ گیا ہے

داد کماں گری دی ارجن نے جس زمیں پر   بھیشم سا سورما تھا جس جا پر کوہ پیکر
مٹی سے جس کی اٹھا پرتاپ سا دلاور   میدان میں رہا جو برسوں حریف اکبر

گھر تھا دلاوروں کا کیا یہ وطن وہی ہے
سینچا گیا تھا خوں سے کیا یہ چمن وہی ہے؟

جو ہر وہی ہیں تجھ میں کیا او! وطن کی مٹی   رنگیں ہے اب بھی خون سے کیا تو چمن کی مٹی
برباد ہو رہی ہے بزم کہن کی مٹی   یاروں کی خاک اُگل دے او! انجمن کی مٹی

نقشہ وہی نظر میں کھب جائے پھر وطن کا
پھر رنگ روپ نکھرے اجڑے ہوئے چمن کا

بام فلک سے اونچا ہو پھر نشاں ہمارا   سارے جہاں میں ہم ہوں سارا جہاں ہمارا
عرش بریں کا زینہ ہو آسماں ہمارا   جنت نشاں بنے پھر "ہندستاں ہمارا"

پھوٹیں نئے شگوفے پھر نخل آرزو میں
گرمی بڑھے دلوں میں سرعت بڑھے لہو میں

□□□

جلوۂ امید

شب کہ وقف بالش تسکین دل بے تاب تھا
عالم رویا میں ، میں سرمست ذوق خواب تھا
بس کے پھولوں میں عجب انداز سے بادنسیم
چل رہی تھی بھینی بھینی ناز سے بادنسیم
نیلا نیلا سامنے تھا اک سہانا کوہسار
جیسے دامن میں رواں تھا ایک دلکش آبشار
پڑ رہی چوٹی پہ تھیں سورج کی کرنیں زور زور
ٹھنڈی ٹھنڈی روح پرور تھی عجب کچھ باد سرد
آسماں پر اک اٹھا تھا زمزمہ ریز نشاط
اور شفق آلودہ تھا،دامان صبح انبساط
جلوہ آرا تھی لب ساحل پہ اک تصویر حسن
پاکدامانی کا پتلا، شعلۂ تنویر حسن
بزم قدرت کے مناظر تھے اگر چہ دل نشیں
نقش حسرت تھی مگر وہ بعت ناز آفریں
گل سے رخساروں کے تھی آہستہ آہستہ فغاں
ماجرائے درد دل کرتی تھی یوں روکر بیاں

□□□

او مری آنکھوں کے تارو، او مرے نور نظر
او مرے دل بند، او آسایش قلب وجگر
تم کو میرے شیوۂ مہر و محبت کی قسم
تم کو ماں کی مامتا، او ماں کی شفقت کی قسم
تم کلیجے کی ہو ٹھنڈک تم مرے دل کا سرور
پتلیوں کی روشنی ہو اور مری آنکھوں کا نور
قابل عبرت ہے اب افسوس! روداد وطن
تم رہو گے آہ کب تک خانہ برباد وطن
اپنے یاران وطن کو تم نہ پہچانو گے کیا
ہم صفیران چمن کو تم نہ پہچانو گے کیا
کیا کشاکش میں رہیں گے یوں ہی ارکان وطن
جمع ہوں گے کیا نہ اجزائے پریشان وطن
حیف! تم کو ہے مری درد سناں کی بھی خبر
مر رہی دکھیا ہے کچھ ہے پیاری ماں کی بھی خبر
میں نے کس کس نازونعمت سے تمھیں پالا ہے آہ
میں نے جھیلیں ہیں جو کڑیاں میری شفقت ہے گواہ
تم مرے لخت جگر ہو، میری خدمت فرض ہے
پالا پوسہ ہے! تمھیں مان کی اطاعت فرض ہے
بڑھ گئی ہے حد سے اب ناچاری اہل وطن
تم پہ لازم آہ! ہے غم خواری اہل وطن

□□□

قلب نازک میں ادھر اک مجمع اندوہ تھا
اور شریک نالہ پیہم سکوت کوہ تھا
ارغوانی تھیں ادھر عکس شفق سے چوٹیاں
نیلی نیلی تھی عجب دلکش فضائے آسماں
تھی سہانی وادیاں اور پر فضا تھا کوہسار
چل رہی تھی جھوم کرباد صبا مستانہ وار
وہ صدا تھی یا مسرت کا ترانہ تھا کوئی
خواب وراحت کا مگر دلکش فسانہ تھا کوئی

□□□

رخصت اے عہد گزشتہ! رخصت اے ایام غم
صبح عشرت سے بدلنے والی ہے اب شام غم
سہتے سہتے قوم کو غم آہ! صدیاں ہوگئیں
آرزوئیں کتنی مٹ کر خانہ ویراں ہوگئیں
دور ہونے والی ہے اب گردش لیل ونہار
آرہا ہے امن و آسائش کا دورِ روزگار
قوم وملت کے بکھیڑے ختم ہونے والے ہیں
موج طوفاں کے تھپیڑے ختم ہونے والے ہیں
پھیلی جاتی ہے پھر حب وطن کی روشنی
ہوچلی ہے تیز شمع انجمن کی روشنی

آ رہا ہے ہند میں پھر کاروانِ اتحاد
یعنی قائم ہونے والی پھر ہے شانِ اتحاد
قید قوم و رنگ و ملت دور ہو نے والی ہے
ظلمت شب ہائے غم کا فور ہونے والی ہے

□□□

لے کے آئی جب صدا یہ جنبش باد سحر
چھا گیا تسکیں کا اک عالم دل بے تاب پر
جن لبوں پر تھی ابھی آہستہ آہستہ فغاں
مسکراہٹ کی تھی اب دلکش جھلک ان پر عیاں
یاس وحرماں کا مرقع جو دل صد پارہ تھا
اب جو دیکھا، آرزوؤں کا وہ اک گہوارہ تھا

□□□

خوش نما چوٹی ہمالہ کی تھی اک پیش نظر
تھاسکوت شب میں اس پر اک ستارہ جلوہ گر
ہلکی ہلکی کچھ عجب تسکیں فزا تھی روشنی
پیاری پیاری تھیں شعاعیں، دل ربا تھی روشنی
روے روشن کی ضیا تھی جلوہٴ افرز نشاط
تھا فروغ حسن دل کش، شمع بزم انبساط
نجم نورانی نہ تھا اک کوکب امید تھا
پر تو حسن ازل تھا جلوہ جاوید تھا

کچھ عجب دلکش ادا سے تھا فلک پر جلوہ گر
تھا نگاہ ناز کا جادو مسلط خلق پر
یہ وہ جادو تھا، دلوں پر جس نے افسوں کر دیا
موتیوں سے دامن امید جس نے بھر دیا
تھے پریشاں آہ! اک مدت سے جو اجزائے قوم
متحد ہو کر آخر بن گئے شیدائے قوم
بھائی بھائی آہ! جو برسوں سے تھے بچھڑے ہوئے
تھے جو زنجیر نفاق قوم میں جکڑے ہوئے
ان میں یک رنگی کا عالم پھر نظر آنے لگا
اور ہم آہنگی کا عالم پھر نظر آنے لگا
سونے والو! خواب سے چونکو، سحر ہونے کو ہے
آفتاب حب قومی جلوہ گر ہونے کو ہے

□□□

پھولوں کا کنج

پھولوں کا کنج دل کش بھارت میں اک بنائیں — حب وطن کے اس میں پودے نئے لگائیں
خون جگر سے سینچیں ہر نخل آرزو کو — اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
ایک ایک گل میں پھونکیں روح شمیم وحدت — اک اک کلی کو دل کی دامن سے دیں ہوائیں
وسعت کدے میں دل کے داغوں کا اک چمن ہو — چھوٹی سی چشم تر کی اک آب جو بنائیں

فردوس کا نمونہ ہو اپنا کنج دل کش　　سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں
چھایا ہو ابر رحمت کا شانۂ چمن میں　　رم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
اپنے چمن کے گل ہوں اپنے چمن کی مٹی　　غیروں سے پوجا کر کیوں مستعار لائیں
مرغانِ باغ بن کر اڑتے پھریں چمن میں　　نغمے ہوں روح افزا، اور دل ربا سدائیں
حب وطن کے لب پر ہوں جاں فزا ترانے　　شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں پہ چہچہائیں
روئیں چمن میں رونا اگلی بہار کا یوں　　گنگ و جمن کی نہریں آنکھوں سے ہم بہائیں
پھلوں میں جس چمن کے ہے بوئے جاں نثاری　　حب وطن کی قلمیں ہم اس چمن سے لائیں
چھائی ہوئی گھٹا ہو موسم طرب فزا ہو　　جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں

پھولوں کا دلربا ہو منظر ہر اک روش پر
گل چیں نہ ہو چمن میں کانٹے نہ ہوں خلش پر

اس کنج دل نشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا　　جو ہو گلوں کا تختہ تختہ ہو اک جناں کا
بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا　　خوش خوش ہو شاخ گل پر غم ہو نہ آشیاں کا
امن و امان کے بادل برسا رہے ہوں موتی　　اور ہو نزول ہر سو ابر گہر فشاں کا
ہر سو ہو آتش گل بھڑکی ہوئی چمن میں　　شعلہ نہ مشتعل ہو سوز غم نہاں کا
حب وطن کا مل کر سب اک راگ گائیں　　لہجہ جدا ہو گرچہ مرغان نغمہ خواں کا
نغموں کی دھن سریلی در ہو صدا رسیلی　　طرز بیاں ہو دل کش ہر مرغ خوش بیاں کا
ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بوئے الفت　　انداز دل نشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغان باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن　　پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیاد و آسماں کا
اک ایک غنچہ میں ہو دل بستگی کا عالم　　ایک ایک گل مرقع ہو عیش جاوداں کا
موسم ہو جوش گل کا اور دن بہار کے ہوں　　عالم عجیب دل کش ہو اپنے گلستاں کا

ہم محودیدگل ہوں اس کنج دل نشیں میں کیسے جہاں کے جھگڑے دنیا کا غم کہاں کا
رنگ نشاط ٹپکے ہر گل کے پیرہن سے نقشہ نہ ہو نظر میں نیرنگی خزاں کا
مل مل کے ہم ترانے حب وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

❑❑❑

قطعات تاریخ خمخانۂ سرور

از نتیجہ مطبع گرامی جناب منشی الٰہی بخش صاحب اعجاز لکھنوی

ترجمان خیال بوقلموں آہ در گا سہائے کامل فن
اف ری رنگیں بیانیاں تیری چپ جنھیں سن کے ہو ہزار چمن
طرز گفتار تھا وہ پاکیزہ جس کے مداح تھی سب اہل سخن
پھر چھپیں تیری نظمیں بعد فنا کیوں نہ دیں جاں ان پر اہل فن
فکر تاریخ ہے اگر اعجاز
کہہ دے مرغوب شاعران زمیں
مست صہبائے شعر و ہم فن طب یعنی درگا سہائے نیک شعور
حیف در عالم جوانی مرد کامل فن شعر بد مغفور
سر پیمانہ بہر سال بگیر
نوحہ میخانۂ کلام سرور

❑❑❑

فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار
چٹک رہے ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار

سہی قدوں کا ہے جمگھٹ کنارِ آبِ رواں
کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار

ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری
کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سندر نار

کلی کلی نے نکالا ہے روپ یوں جیسے
کسی کے سینے پہ کم کم شباب کا ہو اُبھار

حنائی پنجہ ہے یوں شاخ شاخ لالہ و گل
نئی دلہن کی ہوں جیسے ہتھیلیاں گل نار

ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی
ہوا میں اڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں شرار

عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابر بہار

پلا شراب کہ ہیں مغتنم یہ دن ساقی
کہاں یہ سبزہ و گل پھر کہاں یہ صحبت یار

بہار آئی شگفتہ ہوائے گل پنجاب
چہک چہک! کہ بہار آئی بلبل پنجاب

ترانۂ لب شیریں نوا کے دن آئے
غزل سرا ہو کہ تیری صدا کے دن آئے

عروس نظم نے کاجل لگایا آنکھوں میں
فسوں عشوہ و نازو ادا کے دن آئے

ادھر بھی کوئی ایاغِ مئے سخن ساقی!
اُٹھے وہ جھوم کے بادل گھٹا کے دن آئے

شباب جوش پہ آیا پری جمالوں کا
بڑھی نگاہ میں تمکیں حیا کے دن آئے

بتوں نے ہاتھوں میں مہندی لگائی ساون کی
شہید چونک اٹھے خوں بہا کے دن آئے

نسیم چوم کے کہتی ہے منہ شگوفوں کا
مئے نشاط تبسم فزا کے دن آئے

چلو شراب کی بوتل کوئی بھرا لائیں   سرور! دعوت آب وہوا کے دن آئے
ترانہ سنج ہو او بلبل ریاض سخن!   کہاں ہے تو؟ کہ چمن میں فضا کے دن آئے
ترے بغیر ہیں مرغان نغمہ زن خاموش
ترے بغیر ہے یاروں کی انجمن خاموش

علامہ اقبال نے جب انگلستان جا کر خموشی اختیار کر لی تو سرور نے یہ محبت آمیز نظم کہہ کر انھیں دعوتِ شعر وسخن دی۔ اس پر اقبال نے ایک خط لکھ کر غزل کہی جو مخزن بابت دسمبر 1906 میں شائع ہوئی اقبال کی غزل کا مطلع یہ ہے

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

□□□

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

انتخابِ کلامِ حسرت

مرتب : فضلِ امام

صفحات: 91

قیمت : -/30روپے

خسرو شناسی

مرتبین : ظ۔انصاری
ابوالفیض سحر

صفحات: 368

قیمت : -/81روپے

ذوق و جستجو

مترجم : خواجہ احمد فاروقی

صفحات: 400

قیمت : -/87روپے

دستنبو

مترجم : خواجہ احمد فاروقی

صفحات: 88

قیمت : -/35روپے

شریمد بھگوت گیتا

مترجم : حسن الدین احمد

صفحات: 120

قیمت : -/48روپے

کلیاتِ سودا (جلد دوم)

مرتب : محمد حسن

صفحات: 240

قیمت : -/60روپے

₹ 108/-

ISBN: 978-81-7587-772-6

9 788175 877726

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025